

تاریخ اسلام

حصہ دوم

شاہ معین الدین ندوی

آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک
اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی، اور علمی تاریخ

©2002-2006

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تاریخ اسلام حصہ دوم

بنی اُمیہ

خلافت راشدہ کے بعد خاندان بنی اُمیہ کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے قیام کے حالات اس کتاب کے پہلے حصہ میں گزر چکے ہیں۔ اس جلد میں اس حکومت کی تاریخ ہوگی۔

خاندان بنی اُمیہ : قبیلہ قریش کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں۔ (۱) بنی ہاشم (۲) بنی اُمیہ (۳) بنی نوفل (۴) بنی عبدالدار (۵) بنی اسد (۶) بنی تیم (۷) بنی مخزوم (۸) بنی عدی (۹) بنی جحج اور (۱۰) بنی سہم۔ یہ دسوں شاخیں نسبی اعزاز میں قریب قریب برابر تھیں، ان سب میں قریش کے نظام اجتماعی کا کوئی نہ کوئی عہدہ تھا۔ لیکن بنی ہاشم اور بنی اُمیہ دنیاوی وجاہت اور عظمت و شان میں ان سب میں ممتاز تھے۔ بنی ہاشم تولیت کعبہ کی وجہ سے سارے عرب میں معزز اور محترم سمجھے جاتے تھے اور بنو اُمیہ کو امارت اور کثرت تعداد کی بنا پر عظمت و شان حاصل تھی۔ ان دونوں شاخوں کی بنیاد عبدمناف سے پڑتی ہے۔ یہ قصی کی اولاد میں بڑے نامور تھے۔ ان کے متعدد اولادیں تھیں جن میں ہاشم اور عبدشمس بڑے نامور تھے۔ انہیں سے یہ دونوں خاندان چلے۔ بنی اُمیہ کے مورث اعلیٰ اُمیہ عبدشمس کے لڑکے تھے، بنی عبدمناف کی عظمت انہی دونوں سے وابستہ تھی۔ ابتداء میں قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ بنی مخزوم میں تھا، لیکن عبدشمس کے زمانے سے یہ منصب بنی اُمیہ میں منتقل ہو گیا تھا اور پھر ان کی نسل میں ان کا سلسلہ چلا۔ عکاظ، فجار اول، فجار دوم اور ذات نکیف کی لڑائیوں میں جو زمانہ جاہلیت میں قریش اور دوسرے خاندانوں کے درمیان ہوئیں عبدشمس کے پوتے حرب بن

چونکہ فوج کی سرداری بنی امیہ میں تھی اس لیے ان کی مخالفت زیادہ نمایاں ہوئی، ورنہ بنو امیہ کو بنی ہاشم یا آنحضرت ﷺ کے ساتھ کوئی خاندانی عناد نہ تھا، البتہ وہ عام سردارانِ قریش کی طرح اسلام اور مسلمان کے دشمن تھے۔ تاہم دونوں خاندانوں میں باہم جو قدیم رشتہ داریاں اور عزیزانہ تعلقات تھے، وہ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں قائم رہے۔ خود آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابو العاص ابن ربیع اموی سے بیاہی ہوئی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں منسوب ہوئیں۔ خود ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سب سے بڑے مخالف تھے، لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ فتح مکہ کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے انہیں لے جا کر غفو تقصیر کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا بلکہ ابوسفیان کی حمایت میں ان میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں جھڑپ بھی ہو گئی تھی۔ بنی امیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کی ساری دولت اسلام کے دورِ عسرت میں اس کی خدمت کے لیے وقف تھی، البتہ یہ ضرور ہے کہ بنی امیہ کے اکثر ارکان اسلام کے غلبہ تک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب کفار قریش کا زور ٹوٹا، اس وقت قریش کے اکثر خانوادوں کی طرح بنی امیہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو لے جا کر بارگاہِ نبوی میں پیش کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا، ان کے دماغ میں ریاست کی بوتھی اور فخر پسند آدمی تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کا اعزاز بڑھانے کے لیے ان کے گھر کو دہرا من قرار دیا کہ جو شخص ان کے گھر میں چلا جائے وہ مامون ہے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲، ص ۲۷۶) ان کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتبِ وحی بنایا، ابوسفیان کی تالیفِ قلب کے لیے ان کو حنین کے مالِ غنیمت میں سے سواونٹ عطا فرمائے۔ فتح مکہ کے بعد اموی خاندان کے ایک رکن عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا عامل مقرر کیا اور

فرمایا: عتاب تم کو معلوم ہے کن لوگوں کا میں نے تم کو عامل بنایا ہے؟ اہل اللہ کا، اگر مکہ والوں کے لیے تم سے زیادہ موزوں آدمی نظر آتا تو اس کو بناتا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر ؓ نے بھی اس خاندان کے اعزاز کا خیال رکھا چنانچہ شام کی فوج کشی میں ابوسفیان کے بیٹے یزید کو فوج کے ایک حصہ کا سردار بنایا۔ ان لوگوں نے بھی تلافی مافات کی پوری کوشش کی اور گزشتہ غزشوں کا حق ادا کر دیا۔ شام کے جہاد میں ابوسفیان کا پورا گھرانہ وہ خود ان کے دونوں بیٹے یزید و معاویہ ان کی بیوی ہندہ ؓ تک شریک تھیں۔ وہ میدان جنگ میں مسلمانوں کو ابھارتی تھیں۔ (بخاری کتاب المغازی ابواب فتح مکہ)..... (اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۵۸) شام کی لڑائیوں میں آل ابی سفیان نے بڑے کارنامے دکھائے۔

دُشَق کی فتح کے بعد حضرت عمر ؓ نے یزید ؓ کو یہاں کا حاکم بنایا چند ہی دنوں کے بعد عمواس کے تاریخی طاعون میں ان کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ ان کے بھائی معاویہ ؓ کو مقرر کیا۔ حضرت عثمان ؓ نے اپنے عہد میں ان کو پورے صوبہ شام کا والی بنایا۔ ان دونوں زمانوں خصوصاً عہد عثمانی میں امیر معاویہ ؓ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے اس کے حالات جلد اول میں گزر چکے ہیں۔

غرض بنی امیہ کا گھرانہ ہر دور میں نہایت ممتاز تھا۔ حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے بعد جس طرح امیر معاویہ ؓ کو خلافت ملی اس کی تفصیل اس کتاب کے پہلے حصہ میں گزر چکی ہے۔ اس کا اجمالی ذکر اس کتاب میں بھی آئے گا۔

بنی امیہ کی حکومت قریب قریب ایک صدی تک رہی اور اس میں بارہ فرمانروا

ہوئے۔

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (بانی دولت امویہ)

(۴۱ھ تا ۵۹ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۶۶۹ء)

ترجمہ معاویہؓ: حضرت معاویہؓ ابوسفیانؓ بن حرب کے بیٹے تھے۔ ان کا نسب پانچویں پشت عبدمناف پر رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے، نسب نامہ یہ ہے۔
معاویہؓ بن ابی سفیانؓ بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف
اموی قریشی۔

ظہو اسلام کے زمانہ میں امیر معاویہؓ کے والد ابوسفیانؓ سپہ سالاری کے عہدہ پر تھے۔ اس لیے کنار مکہ اور مسلمانوں کی لڑائیوں میں وہ پیش پیش رہتے تھے، لیکن معاویہؓ کا نام اس سلسلہ میں کہیں نظر نہیں آتا۔ غالباً اس کا سبب ان کی کمسنی تھی۔ فتح مکہ میں اپنے والد کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے، یہ حیات نبوی ﷺ کا آخری زمانہ تھا، اس لیے امیر معاویہؓ کو زیادہ صحبت و خدمت کا موقع نہ مل سکا البتہ کتابت وحی کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ان کے کارناموں کا آغاز عہد صدیقیؓ سے ہوتا ہے۔ شام کی فوج کشی میں ان کا پورا گھر شریک تھا۔ ان کے بھائی یزیدؓ بن ابی سفیانؓ فوج کے ایک حصے کے افسر تھے، ان کے ساتھ امیر معاویہؓ کو بھی کارنامے دکھانے کا موقع ملا اور بعض مواقع پر انہوں نے فوج کی قیادت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳)

صیدا، عرقہ اور بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی مہم میں یزید کی ماتحتی میں مقدمۃ الحیش کی کمان معاویہؓ کے ہاتھوں میں تھی، عرقہ تمام تر انہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۳) ساحلی علاقہ کے بہت سے قلعے فتح کیے، قیساریہ کا معرکہ جس میں اسی ہزار رومی مارے گئے تھے انہی نے سر کیا تھا۔ (طبری ص ۲۳۹)

۸ھ میں جب ان کے بھائی یزیدؓ کا انتقال ہو گیا، اس وقت حضرت

عمرؓ نے ان کی جگہ معاویہؓ کو ذائقہ کا حاکم مقرر کیا۔ (استیعاب ج۔ ۱، ص۔ ۲۱۶) حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں ان کو پورے شام کا والی بنا دیا۔ اس دور میں انہوں نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے، جس کی تفصیل اس کتاب کے پہلے حصہ میں گزر چکی ہے اس لیے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، مختصر یہ کہ اپنے دورِ امارت میں معاویہؓ نے شام کے تمام سرحدی علاقوں کو فتح کر کے اس کو رومیوں کے حملہ سے محفوظ کر دیا۔ طرابلس الشام انہی کے دور میں فتح ہوا، عموماً یہ پرفوج کشی ہوئی، ملطیہ پر قبضہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ کی اجازت سے بحری بیڑا قائم کر کے جزیرہ قبرص فتح کیا۔ یہ بیڑا اس دور کے عظیم الشان بیڑوں میں تھا۔ پہلے رومیوں کے بحری حملوں کا مسلمانوں کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس بیڑے سے مسلمانوں کی بحری طاقت بھی مضبوط ہو گئی۔ (فتوح البلدان ص۔ ۱۶۰)

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کے خون کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھے۔ حضرت علیؓ سے مقابلہ ہوا، دونوں میں مدتوں جنگ جاری رہی۔ آخر میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ حکم قرار پائے۔ ابو موسیٰؓ نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کو معزول کر دیا، لیکن عمرو بن العاصؓ نے حضرت علیؓ کو تو معزول کر دیا لیکن امیر معاویہؓ کو برقرار رکھا۔ حضرت علیؓ نے اس نا منصفانہ فیصلہ کو نہ مانا اور پھر امیر معاویہؓ سے لڑنے کے لیے آمادہ ہوئے لیکن آپ کی فوج نے ساتھ نہ دیا اور امیر معاویہؓ شام کے آزاد حکمران ہو گئے، اس کے بعد حضرت علیؓ کی شہادت تک امیر معاویہؓ شام اور مغرب کے اور حضرت علیؓ ایران اور عراق وغیرہ مشرقی ملکوں کے حکمران رہے۔

حضرت علیؓ کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ جانشین ہوئے ان کی تحت نشینی کے بعد امیر معاویہؓ نے عراق پر فوج کشی کر دی۔ حضرت حسنؓ مقابلہ کے لیے نکلے، لیکن عراقیوں نے کمزوری دکھائی۔ حسنؓ

ﷺ بڑے نرم خو، حلیم و بردبار تھے، جنگ و جدال اور خوزیری سے ان کو طبعی نفرت تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ بغیر ہزاروں مسلمانوں کا خون بچے ان کی خلافت قائم نہیں رہ سکتی، اس لیے امیر معاویہ ﷺ سے اپنا گزراہ مقرر کرا کے ان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ ان سب کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

خلافت

حضرت حسن ﷺ کی دستبرداری کے بعد ۴۱ھ میں امیر معاویہ ﷺ سارے عالم اسلام کے خلیفہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں تمام اندرونی اور بیرونی مخالف طاقتوں کا قلع قمع کیا۔ اسلامی حکومت کا رقبہ بڑھایا اور اس کو مختلف حیثیتوں سے ترقی دی۔ ان کے زمانہ میں مسلمانوں میں تین سیاسی پارٹیاں تھیں۔

شیعہ بنی امیہ: یہ خلافت کو صرف اہل بیت کا حق سمجھتے تھے اور حضرت علی ﷺ کے حامی اور امیر معاویہ ﷺ کے سخت مخالف تھے، لیکن حضرت حسن ﷺ کی دست برداری کے بعد ان کی ہمت پست ہو چکی تھی، اس لیے امیر معاویہ ﷺ کے زمانہ میں زیادہ تر خاموش رہے، اگر کہیں کسی معمولی سازش کا پتہ چلا تو فوراً اس کا تدارک ہو گیا۔ کوئی شورش و انقلاب کی صورت نہ پیدا ہونے پائی۔

شیعہ بنی امیہ: یہ گروہ بنی امیہ کا حامی تھا۔

خارجی: حضرت علی اور امیر معاویہ ﷺ دونوں کو گمراہ اور ان کے حامیوں کو مباح الدم سمجھتے تھے۔ یہ اپنے عقائد میں بڑے پختہ اور بڑے بہادر اور جان باز تھے۔

خارجیوں کی شورش: یہ تیسرا گروہ امیر معاویہ ﷺ کے زمانہ میں بڑے زور شور سے اٹھا اور ۴۱ھ میں ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل نے کوفہ کے قریب علم بغاوت بلند کیا۔ امیر معاویہ ﷺ نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں۔ فروہ نے انہیں شکست دی۔ امیر معاویہ ﷺ کا گمان تھا کہ اس میں اہل کوفہ کا بھی ہاتھ ہے اس لیے انہوں نے ان کو بھی لکھ بھیجا کہ ”اس کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے اگر تم لوگ

فروہ کو گرفتار کر کے حوالہ نہ کرو گے تو اس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑے گا۔“ اس حکم پر اہل
 کوفہ نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس کی گرفتاری کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن ابی
 الجوساء کو سردار بنالیا۔ کوفیوں نے اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد جوثرہ بن
 وداع نے اس کی جگہ لی۔ امیر معاویہ ؓ نے عبداللہ بن عوف کو مقابلہ کے لیے بھیجا،
 جوثرہ مارا گیا لیکن خارجیوں کی جانبازی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایک سردار مارا جاتا تو
 دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا۔ اس طرح ان کی شورش کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔
 خارجیوں کا زور دیکھ کر امیر معاویہ ؓ نے مغیرہ بن شعبہ ؓ کو جو بڑے آزمودہ کار
 اور نامور مدبر تھے۔ خارجیوں کی طاقت توڑنے کے لیے کوفہ کا والی مقرر کیا۔ ان کے
 آنے کے بعد بھی کچھ دنوں تک خوارج کی شورش قائم رہی اور شعیب بن بحرہ، معین
 بن عبداللہ، ابی مریم اور ابی لیلیٰ وغیرہ اٹھے لیکن مغیرہ بن شعبہ ؓ نے ایک سال کے
 اندر ان کا زور توڑ دیا۔ کچھ دنوں تک امن رہا۔ ۴۳ھ میں ایک خارجی سردار مستورد بن
 علقمہ نے خفیہ سازش کی کہ یکم شوال ۴۳ھ کو جب لوگ نماز عید کے لیے جائیں تو دفعۃً
 حملہ کر دیا جائے۔ مغیرہ بن شعبہ ؓ کو اس کی خبر مل گئی۔ انہوں نے فوراً اس کا تدارک
 کیا اور جس گھر میں یہ سازش ہو رہی تھی۔ اس کا محاصرہ کر لیا، مستورد قتل کر لیا اور اس
 کی جماعت کے چند آدمی گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے۔ مغیرہ بن شعبہ ؓ طبعاً خون
 ریزی پسند نہ کرتے تھے اور آخری درجہ پر تلوار اٹھاتے تھے چنانچہ انہوں نے اہل کوفہ کو
 جمع کر کے حسب ذیل تقریر کی۔

”لوگو! میں ہمیشہ تمہارے لیے عافیت پسند کرتا ہوں اور تکلیفوں اور مصیبتوں کو تم
 سے روکتا ہوں، مجھ کو خطرہ ہے کہ میرے اس طرز عمل سے احمق لوگ بد آموز نہ
 ہو جائیں۔ البتہ اچھے اور حلیم لوگوں سے اس کی امید نہیں ہے۔ اللہ کی قسم مجھے ڈر
 ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ، بھلے اور نا کردہ گناہ لوگوں کے مواخذہ
 پر مجبور نہ ہو جاؤں۔ اس سے پہلے کہ تم ہر کوئی عام مصیبت آئے اپنے احمقوں کو

روکو، مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ نفاق اور مخالفت کا بیج بو رہے ہیں۔ اللہ کی قسم وہ لوگ عرب کے جس قبیلہ سے ہوں گے میں ان کو ہلاک کر ڈالوں گا اور ان کو ان کے بعد والوں کے لیے عذاب کا نمونہ بناؤں گا“ (ابن اثیر ج-۳ ص-۱۷۰)

ان کی اس ایک تقریر پر ایک سردار معقل بن قیس نے کہا، آپ ایسے لوگوں کا ہم کو پتہ بتائیے اگر وہ ہماری جماعت سے ہیں تو آپ اطمینان رکھیں، ہم خود اس کا تذکرہ کر لیں گے اور اگر ہم میں سے نہیں ہیں تو ہم ان کے قبائل کو حکم دیں گے کہ وہ اپنے نا عاقبت اندیش لوگوں کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر کریں۔ مغیرہ نے جواب دیا کہ مجھے ان لوگوں کا نام نہیں معلوم، معقل نے کہا تو پھر ہر قبیلہ کا سردار اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لے اور میں اپنے قبیلہ کا ذمہ لیتا ہوں۔ یہ تجویز معقول تھی، اس لیے مغیرہ نے سرداران قبائل کو طلب کر کے ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے ذمہ دار ہو، ورنہ اس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑے گا۔ اس دھمکی پر قبائل کے سرداروں نے اپنے اپنے قبیلہ کے نا عاقبت اندیش لوگوں کی روک تھام شروع کر دی۔ یہ صورت دیکھ کر مستور د اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر اپنے اتباع کے ساتھ نکل گیا۔ مغیرہ ؓ نے اس کے مقابلہ کے لیے معقل کی ماتحتی میں فوجیں روانہ کیں۔ ان میں اور مستور د میں بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ ان سب میں خارجی غالب رہے اور آخر میں معقل اور مستور د دونوں نے ایک دوسرے کا خاتمہ کر دیا۔ ان معرکوں میں خارجیوں کی بڑی تعداد کام میں آئی۔ مستور د کے قتل کے بعد بڑی حد تک خارجیوں کا زور ٹوٹ گیا۔

زیاد بن ابی سفیان ؓ: امیر معاویہ ؓ نے عرب کے تمام نامور مدبروں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ صرف زیاد بن ابی سفیان کا لڑکا کہا جاتا تھا۔ حضرت علی ؓ کے حامیوں میں رہ گیا تھا۔ امیر معاویہ ؓ کا سخت مخالف تھا اور حضرت علی ؓ کے زمانہ سے فارس کا والی چلا آ رہا تھا۔ اس نے امیر معاویہ ؓ کی خلافت تسلیم نہ کی تھی، وہ

اسے ہر طرح ملانے کی کوشش کر چکے تھے مگر کامیاب نہ ہوئے تھے آخر میں مغیرہ بن شعبہ نے اس کو حسن تدبیر سے امیر معاویہ ؓ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا اور ۴۳ھ میں وہ اس کے پاس چلا آیا اور فارس کی آمدنی اور خرچ کا جو حساب و کتاب پیش کیا۔ امیر معاویہ ؓ نے اسے مان لیا اور اسے مغیرہ کی مدد کے لیے کوفہ بھیج دیا، پھر ۴۴ھ میں بعض شہاذوں کی بنا پر کہ ابوسفیان نے زمانہ جاہلیت میں اس کی ماں کے ساتھ نکاح کیا تھا، اسے اپنا سوتلا بھائی تسلیم کر لیا۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ محض امیر معاویہ ؓ کی پولیٹیکل تدبیر تھی، ورنہ درحقیقت وہ ابوسفیان کا لڑکا نہ تھا، بہر حال زیاد کے ملنے سے امیر معاویہ ؓ کو ایک اور مدد برکی حمایت حاصل ہو گئی۔

بصرہ کی ولایت : عراق کا پورا خطہ شورش پسند واقع ہوا تھا۔ کوفہ کی حالت تو مغیرہ بن شعبہ ؓ نے درست کر لی تھی لیکن بصرہ کی حالت نہایت خراب تھی۔ یہاں کے والی عبداللہ بن عامر اتنے نرم خوار و حلیم الطبع تھے کہ مفسدوں پر بھی سختی نہ کرتے تھے، زیاد نے انہیں تلوار اٹھانے کا مشورہ دیا، انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے کو بگاڑ کر کسی کی اصلاح کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ کی حالت روز بروز بگڑتی گئی۔ اہل بصرہ نے امیر معاویہ ؓ سے یہاں کی بد امنی اور ابن عامر کی کمزوری کی شکایت کی انہوں نے ان کو معزول کر کے حارث بن عبداللہ ازدی کو ان کی جگہ مقرر کیا، لیکن بصرہ کی حالت درست کرنے کے لیے کسی سخت گیر والی کی ضرورت تھی اس لیے چار مہینہ کے بعد ۴۵ھ میں زیاد کا تقرر ہوا۔ اس نے آنے کے ساتھ جامع بصرہ میں ایک شعلہ بار تقرر کی، یہ تقریر زور بیان اور شکوہ الفاظ کے اعتبار سے عربی زبان کی بہترین تقریروں میں شمار کی جاتی ہے اور تاریخوں میں خطبہ بتراء کے نام سے مشہور ہے، اس کے آخر میں اس نے کہا:

”میرے اور قوم کے درمیان جو کینہ تھا وہ آج میں نے اپنے پیروں کے نیچے دبا دیا میں کسی سے محض دشمنی کی بنا پر مواخذہ نہ کروں گا اور نہ کسی کی پردہ داری

کروں گا، تا آنکہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب نہ ہو جائے، بے نقاب ہونے کے بعد بھی میں اس سے چشم پوشی کروں گا۔ تم میں سے جو محسن ہو اس کو اپنے احسان میں زیادتی کرنی چاہیے اور جو برا ہو اسے اپنی برائیوں سے باز آنا چاہیے اللہ تم لوگوں پر رحم کرے، تم لوگ اطاعت و فرمانبرداری سے میری مدد کرو۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۳)

زبانی فہمائش کے ساتھ اس نے پولیس کا زبردست انتظام کیا، جو راتوں کو گشت لگا کر نگرانی کرتی تھی۔ لوگوں کو رات گئے گھر سے نکلنے کی ممانعت کر دی، مقررہ وقت کے بعد جو شخص باہر نظر آتا، وہ قتل کر دیا جاتا، اس سختی سے بصرہ کی حالت جلد درست ہو گئی۔

کوفہ کی ولایت : ۵۰ھ میں مغیرہؓ بن شعبہ کا انتقال ہو گیا اس کے انتقال کے بعد امیر معاویہؓ نے کوفہ کی ولایت بھی زیاد سے متعلق کر دی۔ زیاد پہلا شخص ہے، جو کوفہ اور بصرہ دونوں شہروں کا حاکم ہوا، چھ مہینہ وہ ہر مقام پر رہتا تھا، کوفہ آنے کے بعد اس نے بصرہ کی طرح جامع کوفہ میں بھی اپنے آئندہ طرز عمل کے متعلق ایک تقریر کی۔ اہل کوفہ نے اس پر کنکریاں پھینکیں۔ اس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرادیئے اور چار چار آدمیوں کو بلوا کر ان سے قسم لے کر پوچھتا کہ کس نے کنکریاں پھینکیں تھیں، جو قسم کھا کر یہ برات ظاہر کرتا اسے چھوڑ دیتا اور جو قسم نہ کھاتا اسے قید کر دیتا۔ ایسے تیس آدمی نکلے زیاد نے ان کے ہاتھ کٹوا دیئے۔

حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کا قتل : کوفہ کے ایک صحابی حجر بن عدیؓ حضرت علیؓ کے بڑے فدائیوں میں تھے۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد حضرت حسنؓ کے ویسے ہی جاں نثار رہے۔ آپ کی دستبرداری سے حجر بن عدیؓ کو بڑا صدمہ پہنچا تھا اور انہوں نے حضرت حسنؓ و حسینؓ کو امیر معاویہؓ کے مقابلہ پر ابھارا، لیکن یہ حضرات آمادہ نہ ہوئے۔ (اخبار الطوال

ص ۳۳۳-۳۳۴) امیر معاویہ ؓ نے اپنے زمانہ میں برسر منبر حضرت علی ؓ پر سب و شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ ؓ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، لیکن امیر معاویہ ؓ کی تقلید میں وہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے۔ حجر بن عدی ؓ اور ان کی جماعت کو قد رتا اس سے تکلیف پہنچتی تھی اس کے جواب میں وہ مغیرہ ؓ اور امیر معاویہ ؓ کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے اس پر مغیرہ ؓ باز پرس نہ کرتے تھے۔ (یعقوبی ج ۱، ص ۳۷۳ و ابوالقدعاء ج ۱، ص ۱۸۶)

ایک مرتبہ حسب معمول مغیرہ بن شعبہ ؓ جناب امیر کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اس پر حجر بن عدی ؓ نے کنکریاں پھینکیں، زبانی بھی نالائِم الفاظ کہے اور لوگ بھی ان کے ہمنوا ہو گئے، مغیرہ بالکل خاموش رہے اور پانچ ہزار درہم دے کر حجر ؓ کو راضی کیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۶ و ابن اثیر ج ۳، ص ۱۸۷)

مغیرہ بن شعبہ ؓ کے بعد زیاد کے زمانہ میں بھی یہ رسم جاری رہی اور اس کے ساتھ حجر کا جوابی طرز عمل بھی قائم رہا۔ زیاد نے شروع میں انہیں سمجھا دیا تھا کہ وہ حضرت علی ؓ کی مدح اور معاویہ ؓ کی مذمت کا طریقہ چھوڑ دیں، لیکن حجر ؓ نے نہ سنا، وہ شیعان علی ؓ کے سرغنہ اور راہنما بھی تھے۔ زیاد کو اطلاع ملی کہ حجر ؓ اور ان کی جماعت امیر معاویہ ؓ اور زیاد کی برائیاں اور ان کے خلاف سازش کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کے خلاف ابھارتے ہیں۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۲۷۴)

اتفاق سے اسی زمانہ میں زیاد کو بصرہ جانے کی ضرورت پیش آئی۔ وہ کوفہ میں عمرو بن الحرث کو اپنا قائم مقام بنا گیا۔ اس نے حسب معمول حضرت علی ؓ پر سب و شتم کیا۔ حجر ؓ نے اس پر بھی کنکریاں پھینکیں، عمرو بن الحرث خاموش رہا اور زیاد کو اس واقعہ کی اطلاع بھیج دی۔ وہ فوراً کوفہ واپس آیا اور حجر ؓ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے امیر معاویہ ؓ کے پاس بھجوا دیا اور ان کو لکھا کہ یہ لوگ فتنہ کی بنیاد ہیں،

جب تک قتل نہ کیے جائیں گے فتنہ کی جڑ باقی رہے گی۔ چند آدمیوں نے حجر بن عدی ؓ کے خلاف شہادت دی۔ اس لیے امیر معاویہ ؓ نے انہیں اور ان کے چند ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۷)

حضرت حجر ؓ بن عدی بڑے رتبہ کے صحابی تھے اس لیے ان کے قتل کا بہت برا اثر پڑا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی گرفتاری کی خبر سننے کے بعد ہی امیر معاویہ ؓ کے پاس ان کی سفارش کے لیے آدمی دوڑائے تھے، لیکن وہ اس وقت پہنچے جب حجر ؓ قتل کیے جا چکے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ ہوا، چنانچہ امیر معاویہ ؓ جب اس سال حج کے لیے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان سے فرمایا، معاویہ ؓ تم کو حجر ؓ اور ان کے ساتھیوں کے قتل پر اللہ کا خوف نہیں آیا؟ معاویہ ؓ نے عرض کیا انہیں ان لوگوں نے قتل کیا جنہوں نے ان کے خلاف شہادت دی تھی۔ (استیعاب ج ۱ ص ۱۳۸)

بغاوتوں کا استیصال : امیر معاویہ ؓ کے زمانہ میں اندرونی شورش کے ساتھ ساتھ متعدد مفتوحہ علاقوں میں بھی بغاوت پھیلی۔ ۴۱ھ میں بلخ، ہرات، بوشخ اور باذغیس کے باشندے باغی ہو گئے۔ مشرقی ولایت کے صوبہ دار عبداللہ بن عامر نے قیس بن یثیم کو خراسان کا والی مقرر کر کے بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا۔ یہ سیدھے بلخ پہنچے اور یہاں کے آتش کدہ کو مسمار کر کے اہل بلخ کو مطیع بنایا اور عبداللہ بن حازم نے ہرات، بوشخ اور باذغیس کے علاقوں کو قابو میں کیا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۶)

۴۳ھ میں کابل کا علاقہ باغی ہو گیا۔ عبدالرحمن بن سمرہ اس کو فرو کرنے کے لیے مامور ہوئے۔ یہ باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل پہنچے اور شہر کا محاصرہ اور سنگ باری کر کے شہر پناہ کی دیواریں شق کر دیں۔ کابلویوں نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ مسلمان انہیں شکست دے کر شہر میں داخل ہو گئے۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ خود شہر پناہ کے

یہاں کے گھوڑے مال غنیمت میں حاصل کر کے امیر معاویہ ؓ کی خدمت میں پیش کیے۔ گھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر واپس آئے۔ اس مرتبہ جنگ میں کام آگئے۔ ان کے بعد سنان بن ابی سنان ہذلی کا قتل ہوا۔ انہوں نے مکران کے صوبہ کو جو باغی ہو گیا تھا، دوبارہ فتح کر کے یہاں نظام حکومت قائم کیا۔ پھر ان کی جگہ راشد بن عمرو ازدی مقرر ہوئے۔ انہوں نے بھی قیقان پر حملہ کیا اور کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی تھی کہ مید قوم کے مقابلہ میں کام آگئے اور ان کے بعد پھر سنان بن سلمہ آئے۔ یہ بڑے مدبر اور منتظم تھے انہوں نے دو سال میں متعدد فتوحات حاصل کیں اور آخر بدھا کے معرکہ میں مارے گئے۔ ان کے بعد زیاد کا لڑکا عبادان کا قائم مقام ہوا۔ یہ سیسان کے راستے سے سنارود سے رود کے کنارے کنارے ہندمند (ہلمند) ہوتا ہوا کش پھنچا اور رود کو عبور کر کے قندھار پر حملہ آور ہوا۔ اہل قندھار نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، بہت سے مسلمان شہید ہوئے، لیکن فتح انہی کے ہاتھ میں رہی اور قندھار پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ قندھار کی فتح کے بعد زیاد نے منذر بن جارد کو سندھ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بوقان اور قیقان کے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں۔ اسی دوران میں قصدار کے باشندے باغی ہو گئے۔ منذر نے انہیں قابو میں کر لیا۔ ان کے بعد حری بن حری باہلی آئے، انہوں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں اور یہ سلسلہ برابر قائم رہا (یہ تمام حالات فتوح البلدان بلاذری ص ۳۳۹-۳۴۰ اور بعض سچ نامہ سے ماخوذ ہیں)

ترکستان کسی فتوحات : ۵۴ھ میں عبید اللہ بن زیاد خراسان کا والی مقرر ہوا۔ یہ بڑا حوصلہ مند تھا اس نے ترکستان کی سرزمین کو جو لانگاہ بنایا اور سعد پر فوج کشی کی اور بخاری کے کوہستانی علاقہ کو عبور کر کے رامنی، نصف اور یکنند فتح کیے (ابن اثیر ج ۳، ص ۹۷-۱۶۹)

۵۵ھ میں عبید اللہ بن زیاد کی جگہ حضرت عثمان ؓ کے صاحبزادے سعید والی مقرر ہوئے۔ انہوں نے عبید اللہ کی مہم کو جاری رکھا اور چچون کو پار کر کے آگے بڑھے۔

اس زمانہ میں یہاں ایک خاتون قبیق حکمران تھی۔ اس نے صلح کر لی، لیکن عام باشندوں نے یہ صلح منظور نہیں کی اور ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں مقابلہ کے لیے نکلے۔ ان کی تیاری دیکھ کر قبیق خاتون نے بھی صلح توڑ دی۔ بخاری میں فریقین کا سامنا ہو گیا، لیکن مغدیوں میں باہم پھوٹ پڑ گئی۔ ایک بہادر تر کی غلام اپنی جماعت لے کر الگ ہو گیا اس سے ترک کمزور پڑ گئے، قبض خاتون نے بھی صلح دوبارہ کر لی اور بغیر کسی جنگ کے مسلمان بخاری میں داخل ہو گئے۔ بخاری کے بعد سمرقند کا رخ کیا۔ اس مہم میں قبیق خاتون نے مسلمانوں کی ہر طرح کی امداد پہنچائی اور انہوں نے سمرقند کا محاصرہ کر لیا۔ تین دن تک اہل شہر پر زور مدافعت کرتے رہے، تیر بازی کا مقابلہ تھا۔ سعید بن العاص اور مہلب بن ابی صفرہ کی ایک ایک آنکھ ضائع ہوئی۔ اہل شہر بھی بہت زخمی ہوئے، لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا، مسلمان نہایت ہمت و استقلال کے ساتھ جے رہے۔ سمرقندیوں کو جب اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمان فتح کیے بغیر نہ ٹلیں گے اور بزور شمشیر قبضہ ہونے میں زیادہ کشت و خون ہو گا تو اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ سات لاکھ سالانہ خراج دیں گے اور مسلمان شہر کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جائیں گے۔ مسلمانوں نے نفض عہد کے خطرہ سے عمائد شہر کے چند لڑکے یرغمال بنا لیے۔ اس صلح کے بعد مسلمان ترمذ پہنچے، یہاں کے باشندوں نے بغیر جنگ کے صلح کر لی (بلاذری ص ۷۷۱ طبری کا بیان اس سے مختلف ہے)

شمالی افریقہ کی فتوحات : خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں شمالی افریقہ کا کافی حصہ فتح ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ ؓ کے زمانہ میں اس میں بڑا اضافہ ہوا اور یہاں مسلمانوں کی قوت بہت مضبوط ہو گئی۔ ۴۱ھ میں عقبہ بن نافع نے فوج کشی کی اور لواتہ اور زنا تہ تک پہنچ گئے۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ پھر ۴۲ھ میں انہوں نے غدامس پر قبضہ کیا۔ ۴۳ھ میں سوڈان کے بعض حصے فتح کیے۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۶۷) اسی زمانہ میں ۴۱ھ میں معاویہ بن خدیج نے افریقہ کے ایک

بڑے اور خوبصورت ساحلی شہر بززرت کو فتح کیا اور روفیع بن ثابت انصاری ؓ نے جزیرہ حربہ پر قبضہ کر لیا۔ (المونس ص ۲۵-۲۵۵) میں معاویہ بن خدیج نے دوبارہ بڑے اہتمام سے فوج کشی کی عبداللہ بن عمر، ابن زبیر اور عبدالملک وغیرہ صحابہ ؓ اور اکابر قریش ساتھ تھے۔ ابن زبیر ؓ نے سوسہ اور عبدالملک نے جلولا فتح کیا۔ (بلاذری ص ۴۱-۴۱۷) جلولا نام کا عراق میں بھی ایک مقام ہے جہاں عہد فاروقی میں بڑا بزدست معرکہ ہوا تھا) افریقہ کے بربری بڑے باغی اور سرکش تھے جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی اس وقت تک وہ مطیع رہتے، جیسے ہی آزاد ہوتے فوراً باغی ہو جاتے۔ اس لیے امیر معاویہ ؓ نے ۵۰ھ میں عقبہ بن نافع کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انہوں نے دس ہزار عرب فوج اور بہت سے نو مسلم بربریوں کو ساتھ لے کر باغی علاقہ میں گھس کر باغیوں کا قلع قمع کر دیا اور آئندہ اس کے انسداد کے لیے شہر قیروان بسایا اور یہاں مسلمان آباد کر کے فوجی چھاؤنی قائم کی۔ (المونس ص ۲۵-۲۵۷) بلاذری ص ۲۳۶) اس سے افریقہ میں بغاوت کا خطرہ بہت کم ہو گیا۔

رومیوں سے مسعر کرے: مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف قسطنطنیہ کی رومی حکومت تھی۔ ان کا زیادہ مقابلہ اسی سے رہتا تھا۔ مصر و شام کے ساحلی علاقے اس کی بحری زد میں تھے۔ اسی کی روک کے لیے امیر معاویہ ؓ نے بحری بیڑا قائم کیا تھا۔ اپنے زمانہ میں رومیوں کے حملہ سے بچاؤ کے لیے انہوں نے بڑے انتظامات کیے۔ بحری بیڑے کے ساتھ ایک مستقل گرمائی فوج قائم کی جو صرف رومیوں سے برسر پیکار رہتی تھی، کوئی سال بحری جنگ سے خالی نہ جاتا تھا۔ عبداللہ بن قیس حارثی، جنادہ بن امیہ، عبدالرحمن بن خالد بن ولید، ہسر بن ابی ارقطاطا، ملک بن ہبیرہ، فضالہ بن عبید اور یزید بن شجرہ وغیرہ مختلف سنوں میں بحری معرکوں میں مشغول رہے، لیکن ان میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے۔ (ابن اثیر کے مختلف سنوں میں ان معرکوں کا ذکر ہے)

قسط۔ نطنیہ پر حملہ : البتہ قسطنطنیہ پر حملہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ قسطنطنیہ اس زمانہ میں مشرقی یورپ کا قلب تھا۔ ۴۹ھ میں امیر معاویہ ؓ نے بڑے اہتمام سے اس پر فوج کشی کی اور سفیان بن عوف ازدی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے قسطنطنیہ کے فاتحین کو بشارت دی تھی۔ اس لیے بہت سے ممتاز صحابہ میزبان رسول ﷺ حضرت ابویوب انصاری، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس ؓ وغیرہ اس جہاد میں شریک ہوئے اور اسلامی بیڑا بحر روم کی موجوں سے کھلیتا ہوا بسفورس میں داخل ہوا۔ قسطنطنیہ مشرقی کلیسا کا مرکز تھا، اس لیے رومیوں نے مدافعت میں پوری طاقت صرف کر دی۔ مسلمانوں نے بھی جوش جہاد میں بڑا پر زور مقابلہ کیا۔ دونوں میں کئی خونریز معرکے ہوئے۔ مسلمانوں کا شوق شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مجاہد عبدالعزیز بن زرارہ کبھی شہادت کی تمنا میں بار بار آگے بڑھتے تھے، لیکن ان کی آرزو پوری نہ ہوتی تھی۔ آخر میں بے محابا دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے۔ رومیوں نے نیزوں سے چھید کر شہید کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۱۸۲)

قسطنطنیہ کی فصیل بہت اونچی اور سنگین تھی۔ رومی اس کے اوپر سے آگ برسا رہے تھے اور مسلمان نشیب میں تھے۔ اس لیے انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑا اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد وہ ناکام لوٹ آئے۔ اس محاصرہ کے دوران میں حضرت ابویوب انصاری ؓ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ یزید ابن معاویہ ؓ نے ان سے پوچھا اگر کوئی وصیت ہو تو فرمائیے، پوری کی جائے گی۔ فرمایا جہاں تک ہو سکے دشمن کی سر زمین میں لے جا کر دفن کرنا، چنانچہ انتقال کے بعد آپ کی نعش قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے لے جا کر دفن کر دی گئی۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۱۸۲) اور مسلمانوں نے رومیوں سے کہا دیا کہ اگر تم نے لاش کی کوئی بے حرمتی کی تو پھر اسلامی سلطنت کے حدود میں کبھی ناقوس نہ بج سکے گا۔ (استیعاب ج ۲، ص ۶۳۸) قسطنطنیہ کی فتح کے بعد ترکان عثمانی نے آپ کے مزار پر مقبرہ اور اس سے متعلق مسجد بنوائی، جو آج

سے کوفہ و بصرہ اور مذہبی حیثیت سے حجاز کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، بصرہ کو زیادہ موار کرے گا اور حجاز کی ذمہ داری مروان بن حکم کے متعلق کی جائے۔ کوفہ میں مغیرہ بن شعبہؓ کا بڑا اثر تھا اور یہاں بنی امیہ کے حامیوں کی بھی ایک جماعت موجود تھی۔ اس لیے مغیرہؓ نے کوفہ جا کر یہاں کے چند معززین کا ایک وفد شام بھجوا دیا۔ انہوں نے امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود یزید کی تجویز پیش کی۔ زیادہ گو امیر معاویہؓ کا قوت بازو تھا اور اس کی سخت گیری کے سامنے یہ کوئی مشکل مسئلہ نہ تھا، لیکن اس معاملہ میں اسے بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے معتمد علیہ عبید بن کعب کو بلا کر اسے امیر کا حکم سنایا اور کہا کہ وہ اس معاملہ میں لوگوں کی مخالفت سے بھی ڈرتے ہیں اور یزید کی ولی عہدی بھی چاہتے ہیں۔ یہ اسلام کا معاملہ اور بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ یزید جیسا لالہ ابالی ہے، ظاہر ہے اس لیے تم جا کر امیر المومنین کو یزید کے مشاغل سے آگاہ کرو اور انہیں سمجھاؤ کہ اس میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ عبید نے کہا امیر المومنین کو یزید کی جانب سے بدل کرنا مناسب نہیں ہے، میں جا کر خود یزید کو سمجھاتا ہوں کہ وہ اپنے مشاغل چھوڑ دے کہ لوگوں کو گرفت اور مخالفت کا موقع نہ ملے۔ زیادہ نے بھی اس رائے کو پسند کیا، چنانچہ عبید نے جا کر یزید کو سمجھایا۔ اس کے سمجھانے سے اس نے بہت سی قابل اعتراض باتیں چھوڑ دیں۔ کوفہ اور بصرہ سے زیادہ اہم معاملہ حجاز کا تھا۔ یہاں ایسے متعدد بزرگ موجود تھے جو یزید کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور اس کے مدعی ہو سکتے تھے اور جن کی جانب سے اس تجویز کی مخالفت کا خطرہ تھا، اس لیے اس کی ذمہ داری امیر نے مروان بن حکم کے سپرد کی اور اس کو لکھا:

”اب میں ضعیف ہو گیا ہوں، میرے قوی کمزور ہو گئے ہیں، معلوم نہیں کب وقت آجائے، مجھے خوف ہے کہ میرے بعد پھر امت میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے اپنی زندگی ہی میں اپنا

جانشین بنا جاؤں اس معاملہ میں تمہارا مشورہ ضروری ہے اس کو اہل مدینہ کے سامنے پیش کرو اور وہ جو جواب دیں وہ مجھے لکھو۔“

اس حکم پر مروان نے اس مسئلہ کو اہل مدینہ کے سامنے پیش کیا۔ امیر معاویہ ؓ نے خط میں کسی جانشین کا نام نہیں لکھا تھا، بلکہ محض جانشینی کی مجمل تجویز تھی۔ مروان نے اسی کے متعلق رائے لی اس حد تک یہ تجویز نامناسب نہ تھی اس لیے سب نے اس سے اتفاق کیا۔ مروان نے امیر معاویہ ؓ کو اس کی اطلاع دی اس کے بعد انہوں نے دوسرا حکم جانشین کے اعلان کا بھیجا۔ اس پر مروان نے یزید کے نام کا اعلان کیا۔ یہ سنتے ہی لوگوں نے اختلاف کیا۔ عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ نے اٹھ کر کہا تم اور معاویہ ؓ دونوں غلط کہتے ہو اس سے امت کی بھلائی مقصود نہیں ہے بلکہ خلافت کو ہر قل کی شہنشاہی بنانا چاہتے ہو کہ ایک ہر قل کے بعد دوسرا ہر قل اس کا جانشین ہو۔ ایک روایت یہ ہے کہ مروان نے یہ کہا تھا کہ ”امیر المومنین چاہتے ہیں کہ ابو بکر و عمر ؓ کی طرح یزید کو نامزد کر جائیں۔“ عبدالرحمن بن ابی بکر نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ ابی بکر و عمر ؓ کی سنت نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے۔ ان دونوں نے اپنے لڑکوں کو ولی عہد نہیں بنایا، بلکہ اپنے خاندان والوں کو اس سے دور رکھا یہ حالات مروان نے امیر معاویہ ؓ کو لکھ بھیجے۔ اس درمیان میں مدینہ، بصرہ اور مختلف مقاموں کے وفود شام پہنچ چکے تھے۔ امیر معاویہ ؓ نے پہلے مدینہ کے ایک بزرگ محمد بن عمرو بن حزم ؓ سے گفتگو کی۔ انہوں نے کہا ہر راعی اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے اس لیے جسے آپ امت کا راعی بناتے ہیں اس پر خوب غور کر لیجئے۔“ مدینہ کے وفد کے بعد بصرہ کے رئیس الوفد اخف بن قیس سے جو بڑے مدبر اور با اثر رئیس تھے رائے طلب کی۔ انہوں نے جواب دیا، اگر ہم سچ کہتے ہیں تو آپ کا ڈر ہے اور جھوٹ بولتے ہیں تو اللہ کا خوف ہے۔ آپ یزید کے شب و روز کے مشاغل اس کے ظاہری اور پوشیدہ حالات سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ اگر اس کے بعد بھی اس کو امت محمدی ؐ کے

لیے آپ بہتر سمجھتے ہیں تو پھر اس میں صلاح و مشورہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر ایسا نہیں سمجھتے تو خود دوسرے عالم کو جاتے ہوئے اس کو دنیا کا توشہ نہ دیجئے، ورنہ یوں تو آپ کا جو حکم ہو ہمارا کام اس کا سننا اور بجالانا ہے۔ لیکن امیر معاویہ ؓ یزید کی ولی عہدی طے کر چکے تھے۔ یہ محض رسمی کارروائی تھی اس لیے آخر میں کچھ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور کچھ کو لطف و کرم سے ہموار کر لیا اور عراق و شام کے باشندوں نے یزید کی بیعت کر لی (یہ تمام واقعات طبری اور ابن اثیر سے ماخوذ ہیں) لیکن اصل معاملہ حجاز کا تھا کہ مہاجرین و انصار کے باقیات اور صحابہ و صحابہ زادے ؓ یہیں تھے اس لیے امیر معاویہ ؓ نے خود مکہ اور مدینہ کا سفر کیا۔ اس وقت یہاں پانچ بزرگ ایسے تھے جن کی جانب سے امیر معاویہ ؓ کو مخالفت کا خطرہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن زبیرؓ حسین اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ۔ امیر معاویہ ؓ نے ان سب سے الگ الگ مل کر ہر ایک سے کہا کہ تم پانچوں آدمیوں کے علاوہ سب نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی ہے اور تم ان چاروں کی رہبری کر رہے ہو۔ ان میں عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے علاوہ ہر ایک نے جواب دیا کہ میں کسی کی رہبری نہیں کر رہا ہوں آپ چاروں آدمیوں سے کہیے اگر وہ لوگ بیعت کر لیں تو مجھے بھی کوئی عذر نہیں ہوگا۔ اس طرح گویا چار آدمیوں سے الگ الگ بیعت کا وعدہ لے لیا۔ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے البتہ تلخ گفتگو ہو گئی۔ (طبری ج۔ ۷ ص۔ ۵۶۵)

یہ طبری کی روایت ہے ابن اثیر کا بیان ہے کہ امیر معاویہ ؓ کی آمد کی خبر سن کر پانچوں آدمی مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ امیر معاویہ ؓ بھی وہاں پہنچے اور ان سب کو لطف و مدارات اور حسن خلق سے مائل کرنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں نے فرداً فرداً گفتگو کرنے کی بجائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو جو سب سے زیادہ تجربہ کار اور گویا (قادر الکلام) تھے اپنا نمائندہ بنایا۔ امیر نے ان سے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ میرا جو طرز عمل ہے اور جتنی صلہ رحمی کرتا ہوں اور تمہاری جس قدر باتیں درگزر کرتا

ہوں، وہ سب تم کو معلوم ہے، یزید تمہارا بھائی اور ابن عم ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اسے صرف خلیفہ کا لقب دے دو باقی حکومت کا پورا انتظام، اعمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل و وصولی اور اس کا صرف تمہارے ہاتھوں میں رہے گا۔ عبداللہ بن زبیر ؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ انتخاب خلیفہ کی تین نظیریں ہیں، یا تو رسول اللہ ﷺ کی طرح کسی کو نامزد نہ کیجئے، مسلمان جسے پسند کریں گے منتخب کر لیں گے، یا ابوبکر ؓ کی طرح کسی کو نامزد کیجئے، جس سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو، یا عمر ؓ کی طرح چند آدمیوں میں سے ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دیجیئے، اس کے علاوہ کوئی چوتھا طریقہ ہم نہیں قبول کر سکتے۔ امیر معاویہ ؓ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ آسانی کے ساتھ بیعت کرنے والے نہیں ہیں تو انہیں دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے کوئی مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا اور باہر نکل کر مسلمانوں میں اعلان کر دیا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سر پر آوردہ اور ان کے بہترین لوگ ہیں، بغیر ان کے مشورہ کے کوئی کام انجام نہ دیا جائے گا۔ انہوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے، اس لیے آپ لوگ بھی بیعت کر لیجئے۔ اہل مدینہ انہی بزرگوں کے فیصلہ کے منتظر تھے اس لیے اس اعلان پر سب نے بیعت کر لی۔ امیر معاویہ ؓ کی واپسی کے بعد لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا، لیکن پھر کسی نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۲۲۰-۲۲۱)

علا لیت : ۶۰ھ میں امیر معاویہ ؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، عمر کی اٹھتر منزلیں طے کر چکے تھے۔ زندگی کی کوئی امید نہ تھی، اس وقت یزید دمشق میں موجود نہ تھا۔ اس لیے اس کو آئندہ خطرات و طرز عمل کے متعلق یہ وصیت نامہ لکھوایا:

”جان پدر! میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لیے راستہ صاف کر دیا ہے۔ دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں تمہارے آگے جھکا دی ہیں اور تمہارے لیے ایک بڑا خزانہ جمع کر دیا ہے۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اہل حجاز کے حقوق کا ہمیشہ لحاظ رکھنا کہ وہ تمہاری اصل و بنیاد ہیں، جو حجازی تمہارے پاس آئے اس

بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ (طبری ج۔ ۷، ص ۲۰۲)

تجہیز و تکفین کے متعلق یہ وصیت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو ایک کرتہ عنایت فرمایا تھا۔ اس کو اسی دن کے لیے میں نے محفوظ رکھا تھا۔ آپ ﷺ کے موئے مبارک اور ناخن شیشہ میں محفوظ ہیں اس کرتہ میں مجھے کفنانا اور ناخن اور موئے مبارک کو آنکھ اور منہ میں رکھ دینا، شاید اللہ اس کے طفیل میں اس کی برکت سے مغفرت فرما دے (طبری ج۔ ۷، ص ۲۰۲) ان وصیتوں کے بعد رجب ۶۰ھ میں انتقال کیا۔

وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین ہوئی۔ ضحاک بن قیس نے نماز جنازہ پڑھائی اور عرب کے اس مدبر اعظم کو دمشق کی سرزمین میں سپرد خاک کیا گیا۔ انتقال کے وقت اٹھتر سال کی عمر تھی مدت خلافت ۹ سال چند مہینے۔ (استیعاب ج۔ ۱، ص ۲۶۲)

ازواج و اولاد : امیر معاویہ ؓ نے متعدد شادیاں کیں، دو بیویوں سے اولادیں ہوئیں۔ ایک بیوی میسون بنت بحدل کے بطن سے یزید اور ایک بچی تھی اور فاختہ بنت قرظہ کے بطن سے عبد اللہ اور عبد الرحمن۔ عبد الرحمن کا انتقال غالباً بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ عبد اللہ امیر ؓ کی وفات کے وقت زندہ تھا، مگر اس میں کوئی مادہ نہ تھا۔

نظام خلافت اور امیر ؓ کے کارنامے

امیر معاویہ ؓ کے زمانہ میں نظام خلافت میں سب سے بڑا انقلاب یہ ہوا کہ خلافت اسلامیہ موروثی و شخصی حکومت کے قالب میں آگئی جس سے اس کی اصل روح بدل گئی، لیکن اس کا ظاہری ڈھانچہ وہی رہا جو خلافت راشدہ کے زمانہ میں تھا، بلکہ امیر معاویہ ؓ نے اس کو مختلف حیثیتوں سے اور زیادہ تر ترقی دی۔ مسلسل خانہ جنگی سے نظام خلافت میں جو برہمی پیدا ہو رہی تھی اسے از سر نو قائم کیا۔ اندرنی اور بیرونی طاقتوں کا خاتمہ کر کے امن و سکون پیدا کیا۔ بغاوتیں فرو کیں۔ نئے ملک فتح کیے، تمدنی ضروریات کے مطابق بہت سے نئے شعبے قائم کیے اور اپنے بعد ایک وسیع اور طاقتور حکومت چھوڑ گئے۔

امیر کے مشیر کار : امیر معاویہ ؓ کی حکومت شخصی تھی اس میں خلافت راشدہ کی طرح مہاجرین و انصار کی مجلس شوریٰ نہ تھی، لیکن اس عہد کے عرب کے اکثر نامور مدبر مثلاً عمرو بن العاص، مغیرہ ابن شعبہ ؓ اور زیادہ بن ابی سفیان امیر کے خاص مشیروں میں تھے اور کوئی اہم کام بغیر ان کے مشورے کے انجام نہ پاتا تھا۔ امیر معاویہ ؓ کی کامیابیاں ان کی ذاتی تدبیر و سیاست کے علاوہ ان مدبرین کی صلاح و مشورہ کا بھی نتیجہ تھیں۔

صوبے اور ان کا نظام : امیر معاویہ ؓ کے زمانہ میں صوبوں کی تقسیم اور اس کا نظام وہی رہا جو عہد فاروقی میں تھا۔ مغرب کے نئے مفتوحہ علاقے مصر کے اور مشرق کے خراسان کے ماتحت تھے اور ان کے نظام میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا۔

فوج : فوج کی سپہ سالاری کئی پشتوں سے بنی امیہ میں چلی آ رہی تھی۔ اس لیے امیر معاویہ ؓ کے زمانہ میں صیغہ فوج میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بری فوج کا نظام حضرت عمر ؓ ہی کے زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں کسی مزید ترمیم و اضافہ کی ضرورت نہ تھی، جن پہلوؤں سے ترقی کی گنجائش تھی اسے ترقی ہوئی، تفصیل آگے آئے گی۔

بحری فوج : بحری فوج میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بحری فوج امیر معاویہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ ہی کے زمانہ میں قائم کر دی تھی، اور اس کو اتنی ترقی دی تھی کہ اسی زمانہ میں پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا تھا۔ خود ان کے زمانہ میں بحری بیڑا اتنا طاقتور ہو گیا تھا کہ بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا، جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔

امیر البحر : بحری فوج کی سپہ سالاری کا علیحدہ مستقل عہدہ قائم کیا، چنانچہ جنارہ بن ابی امیہ اور عبداللہ بن قیس حارثی اس عہدہ پر ممتاز تھے۔ عبداللہ نے پچاس بحری معرکے سر کیے اور جنادہ یزید کے زمانہ تک بحری لڑائیوں میں مصروف رہے۔ (اسد

کہ کوئی شخص راستہ میں گری پڑی چیز اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتا تھا، تا آنکہ خود اس کا مالک آ کر نہ اٹھاتا، راتوں کو عورتیں اپنے گھروں میں تنہا کواڑے کھول کر سوتی تھیں۔ زیادہ والی عراق کا دعویٰ تھا کہ اگر کوفہ سے خراسان تک رسی کا ایک ٹکڑا بھی ضائع ہو جائے تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ کس نے لیا۔ ایک مرتبہ اس نے کسی کے گھر سے گھنٹہ بجنے کی آواز سنی، پوچھا تو معلوم ہوا کہ گھر والے پہرہ دے رہے ہیں۔ اس نے کہا اس کی ضرورت نہیں، اگر کسی کا مال ضائع ہو جائے گا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۱۷۴) قیام امن کے لیے مشتبہ لوگوں کی نگرانی بھی ایک احتیاط ہے، امیر معاویہ ؓ نے دمشق کے تمام بد معاشوں کے نام درج رجسٹر کرائے تھے۔ (طبری ج ۷، ص ۷۷-۸۹) زیادہ نے جعد بن قیس کو بد معاشوں کی نگرانی پر مقرر کیا تھا۔ (ادب المفرد باب الظن)

برید (ذاک): اسلامی حکومت میں امیر معاویہ ؓ سے پہلے سرکاری ڈاک اور خبر رسانی کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ انہوں نے برید کے نام سے اس کا مستقل صیغہ قائم کیا۔ (طبری ج ۷، ص ۷۸) اس کا نظام کہ ملک بھر میں جھوٹی جھوٹی مسافت پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ سرکاری ہر کارے منزل بمنزل انہیں بدلتے ہوئے ایک مقام کی خبریں دوسرے مقام پر لاتے اور لے جاتے تھے۔ (الفخری ص ۹۷)

دیوان خاتم: اسی طرح سرکاری فرامین کی نقلیں دفتر میں رکھنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس سے لوگوں کو ان میں رد و بدل کا موقع مل جاتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک لاکھ کے دو لاکھ بنا کر وصول کر لیے، اس وقت سے امیر معاویہ ؓ نے دیوان خاتم کے نام سے ایک نیا شعبہ قائم کیا، وہ جو حکم صادر کرتے تھے وہ پہلے دیوان خاتم میں آتا تھا یہاں اس کی ایک نقل رکھ لی جاتی تھی اور دفتر کا محرر حکم نامہ کو لغافہ میں بند کر کے اس پر مہر لگا کر آگے بڑھاتا تھا، اس احتیاط کے بعد احکام میں تغیر و تبدل کا امکان باقی نہ رہ گیا۔ (الفخری ص ۹۷) یہ طریقہ محض احکام شاہی کے لیے مخصوص نہ

تھا، بلکہ بڑے بڑے حکام بھی اس پر عامل تھے، چنانچہ زیاد اپنے تمام فرامین و خطوط کی نقلیں رکھواتا تھا۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۲۷۹)

رفساہ عام کمرے کا کام : امیر معاویہ ؓ کے دور میں بہت سے ایسے کام ہوئے جن سے حکومت کے ساتھ رعایا کو بھی فائدہ پہنچا۔

نہر ریس : زراعت کی ترقی کے لیے بہت سی نہریں جاری کرائیں، جن سے لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی۔ اس سے ملک کی زراعت میں بڑی ترقی ہوئی اور قحط سالی کا خطرہ جاتا رہا۔ مدینہ کے قرب و جوار میں نہر کظامہ، نہر ارزق اور نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں۔ (وفاء الوفاء ج ۲، ص ۷۷-۱۱ خلاصہ الوفاء ص ۱۳۶) حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں بصرہ میں ایک نہر کھودی گئی تھی، جو نہر معقل کے نام سے موسوم تھی۔ زیاد نے دوبارہ اسے کھدوا کر صاف کرایا۔ (فتوح البلدان ص ۳۱۶) عبداللہ بن زیاد نے بخارا کے کوہستان میں ایک نہر نکالی۔ (طبری ج ۷، ص ۱۶۹) حکم بن عمرو کے اہتمام میں ایک نہر کھودی گئی مگر اس کا افتتاح نہ ہو سکا۔ (طبری ج ۷، ص ۱۵۶) نہر کے علاوہ پہاڑ کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر تالاب بنوائے گئے، جن میں برسات کا پانی جمع ہوتا تھا۔ (وفاء الوفاء ج ۲، ص ۳۲۱) ان نہروں کے ذریعہ سے پیداوار میں جو ترقی ہوئی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف مدینہ کے قرب و جوار کی نہروں کے ذریعہ ڈیڑھ لاکھ و سق خرما اور ایک لاکھ و سق گیکھوں پیدا ہوتا تھا۔ (وفاء الوفاء ج ۲، ص ۳۲۱)

شہروں کی آبادی : امیر معاویہ ؓ کے عہد میں بعض پرانے ویران شہر دوبارہ آباد ہوئے اور نئے شہر بسائے گئے، چنانچہ شام اجڑا ہوا شہر مرعش دوبارہ آباد کیا گیا۔ ایک نیا شہر قیروان افریقہ میں بسایا گیا۔ افریقہ کے برابر بڑے بغاوت پسند تھے۔ جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی، اس وقت تک وہ مطیع و منقاد رہتے تھے اور جہاں آزاد ہوتے فوراً باغی ہو جاتے۔ اس لیے عقبہ بن نافع فہری نے یہاں فوجی چھاؤنی قائم کرنے

ص ۲۰۸) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یوحنا کے گرجے کے پاس مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ امیر معاویہؓ نے گرجے کو بھی اس میں شامل کر لینا چاہا، لیکن عیسائی راضی نہ ہوئے اس لیے یہ خیال ترک کر دیا۔ (بلاذری ص ۳۳۱)

ذمہ دار عمہ دوں پر غیر مسلموں کا تقور : فوج میں تو غیر مسلم حضرت عمرؓ کے زمانہ ہی سے بھرتی کر لیے جاتے تھے، لیکن اس زمانہ میں انہوں نے اعتماد نہ پیدا کیا۔ اس لیے ذمہ داری کے عہدوں پر ان کا تقرر نہ ہوتا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں متعدد غیر مسلموں کو ذمہ دار عہدوں پر مامور کیا، چنانچہ ابن آثال نصرانی کو حمص کا کلکٹر مقرر کیا۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۲۶۵) اور سرجون بن منصور رومی کو کاتب (پرائیویٹ سیکرٹری) بنایا۔ (طبری ج ۲، ص ۲۸۳) مذہبی خدمات : امیر معاویہؓ کی حکومت خلافت راشدہ کے مقابلہ میں خالص دنیاوی تھی، لیکن بہر حال وہ صحابی رسولؐ تھے، اس لیے سلطنت کی مادی اور دنیاوی ترقیوں کے ساتھ وہ دین و مذہب کی خدمت سے غافل نہ تھے۔

اشاعت اسلام : ان کے زمانہ میں اسلام کی بھی خاصی اشاعت ہوئی۔ شمالی افریقہ کے بربری بغاوت کے ساتھ مرتد بھی ہو جاتے تھے۔ قیروان آباد کر کے اس کا تدارک کیا گیا، رومیوں کی بھی معتد بہ تعداد اسلام میں داخل ہوئی۔

حرم کسی خدمت : شیخینؓ کے زمانہ میں خانہ کعبہ پر معمولی غلاف چڑھایا جاتا تھا، حضرت عثمانؓ نے قیمتی غلاف چڑھایا اور امیر معاویہؓ نے دیا سے آراستہ کیا اور اس کی خدمت کے لیے غلام مقرر کیے۔ (یعقوبی جلد ۲، ص ۲۸۳)

مسجدوں کی تعمیر : اس زمانہ میں بکثرت مسجدیں تعمیر ہوئی۔ زیادہ بصرہ کی جامع مسجد کو تزوا کر اینٹ اور چونے کی نہایت وسیع عمارت بنوائی۔ (فتوح البلدان ص ۳۵۵) قبرص میں بہت سی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ (فتوح البلدان ص ۱۶۰) قیروان کی آبادی کے سلسلہ میں عقبہ بن نافع نے یہاں ایک جامع مسجد

بنوائی، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ عبدالرحمن بن سمرہ نے بصرہ میں کابل کے معماروں سے کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کروائی۔ (فتوح البلدان ص ۴۰۴) مصر کی مسجدوں میں مینار کا رواج نہ تھا، مسلمہ بن مخلد نے تمام مسجدوں میں مینار بنوائے۔ (اصابہ، تذکرہ مسلمہ بن مخلد)

امیر معاویہؓ کے طرز حکومت اور بعض غلط روایات پر تبصرہ

امیر معاویہؓ کے کارناموں کے بعد ان بعض واقعی کمزوریوں اور ان مبالغہ آمیز بلکہ غلط اور گمراہ کن واقعات پر تبصرہ ضروری ہے، جن کی شہرت عام نے امیر کی جانب سے بہت سی غلط فہمیاں پھیلا دی ہیں اور ان کے دشمن تو دشمن کوتاہ نظر دوستوں کے دلوں میں بھی ان کی جانب سے شکوک و شبہات ہیں۔ اس پر بحث و تبصرہ سے پہلے اصولی طور پر اسے سمجھ لینا چاہیے کہ امیر معاویہؓ نہ خلیفہ راشد تھے اور نہ ان کی حکومت خلافت راشدہ یعنی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ تھی، بلکہ وہ ایک دنیاوی حکمران تھے اور ان کی حکومت دنیاوی بادشاہت تھی، جس میں اس کی برائیاں کم اور خوبیاں زیادہ تھیں۔ امیر معاویہؓ میں یقیناً کمزوریاں تھیں، لیکن جن کمزوریوں سے کسی اسلامی اصول کی پامالی نہ ہوتی ہو وہ چند ان لائق التفات نہیں۔

حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ان کی ناحق صف آرائی اور اس میں کامیابی کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل کا استعمال، حضرت علیؓ پر سب و شتم کی رسم، یزید کی ولی عہدی، یہ سب ان کی ایسی کھلی ہوئی غلطیاں ہیں جن سے کوئی حق پرست انکار نہیں کر سکتا۔ خصوصاً یزید کی ولی عہدی نے خلافت کی اصلی روح اور اسلامی حریت و آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن امیر معاویہؓ کے مخالفین نے ان کی غلطیوں کو اسی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ ایسے ایسے گھڑ کر یا معمولی واقعات کو ایسی رنگ آمیزی کے ساتھ امیر کی جانب منسوب کر دیا، جو ایک صحابی کیا، ایک معمولی انسان کے رتبہ سے بھی فروتر ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں ان کے جبر و استبداد اور ظلم و جور کی داستانیں اور

دوسرے مختلف قسم کے الزام ہیں، لیکن یہ سب کے سب یا تو بالکل غلط ہیں یا اصل واقعات کی شکل کو مسخ کر کے بدنام بنا دیا گیا ہے اور جو واقعات جس حد تک صحیح ہیں وہ ایک دنیاوی فرمانروا کے لیے قابل الزام نہیں۔ اس کتاب میں ان سب پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔ ہم نے سیرت الصحابہ ؓ کے چھ حصہ میں امیر معاویہ ؓ کی سیرت میں ان پر مفصل تنقید کی ہے اس موقع پر صرف ان واقعات کی شہرت کے اسباب اور امیر معاویہ ؓ کے اصول سیاست اور طرز جہاں بانی پر تبصرہ کیا جاتا ہے، اس سے اصل حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔

امیر کے اصول حکمرانی: امیر معاویہ ؓ کی حکومت شخصی تھی، وہ اس کے استحکام و بقا کے لیے ہر ممکن تدبیر و طریقہ اختیار کرتے تھے، لیکن کسی حالت میں ان کا قدم دنیاوی حکمرانی کے نقطہ نظر سے جائز حدود سے باہر نہیں نکلا، وہ بڑے متحمل مزاج تھے، ان کا حلم تاریخی مسلمات میں ہے، ان کے مخالفین بھی ان کے تحمل اور برداشت کے معترف تھے۔ مشہور شیعہ مورخ ابن طقطقی لکھتا ہے کہ معاویہ ؓ حلم کے موقع پر حلم سے اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتے تھے، لیکن حلم کا پہلو غالب تھا۔ (الفخری ص ۹۵) ان کے حلم کے بہت سے واقعات الفخری اور طبری وغیرہ سے نقل کیے ہیں۔ وہ جب تک سختی کے لیے مجبور نہ ہو جاتے تھے، اس وقت تک سختی سے کام نہ لیتے تھے۔ اس بارے میں ان کا اصول یہ تھا۔

”جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا اور جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا، اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا، جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔“
(یعقوبی ج ۲، ص ۲۸۳)

جب ان کے ہوا خواہ ان کے غیر معمولی حلم پر انہیں ملامت کرتے تو یہ جواب

دیتے کہ میں اس وقت تک لوگوں کی زبان نہ روکوں گا جب تک وہ میری حکومت اور میرے درمیان مزاحمت نہ کریں۔ (طبری ج۔ ۷، ص ۲۱۴)۔ ان کا یہ اصول اپنے عمال اور رعایا دونوں کے لیے تھا۔ زیادہ کے ایک عامل کے رقبہ حکومت میں خراج کی آمدنی گھٹ گئی، وہ زیادہ کے خوف سے امیر معاویہ ؓ کے پاس بھاگ گیا۔ زیادہ کو معلوم ہوا تو اس نے امیر معاویہ ؓ کو لکھا کہ اس طریقہ سے دوسرے بد آموز ہو جائیں گے۔ امیر معاویہ ؓ نے جواب دیا کہ سب کے ساتھ ایک ہی سیاست برتنا میرے اور تمہارے کسی کے لیے مناسب نہیں ہے۔ نہ ہم کو سب کے ساتھ نرمی کرنی چاہیے کہ لوگ سرکش ہو جائیں اور نہ سب پر سختی کرنی چاہیے کہ ان کا جینا دو بھر ہو جائے، تم سختی کے لیے رہو، میں نرمی کے لیے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰۲) قریش خصوصاً بنی ہاشم کے بزرگ شام جا کر ان کے مہمان ہوتے اور ان کے منہ پر ان کی برائیاں کرتے، لیکن امیر نال جاتے اور اس کے بدلہ میں روپیہ پیسہ اور ہدایا و تحائف سے ان کی خدمت کرتے۔ (الفخری ص ۹۴) ہاں ان جماعتوں پر ضرور سختی کی گئی جو امیر معاویہ ؓ کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتی تھیں، لیکن دنیا کا کوئی فرمانروا باغیوں اور انقلاب پرستوں کے ساتھ نرمی نہیں کر سکتا، تاہم ان کے ساتھ بھی امیر معاویہ ؓ کے عمال نے ابتداء میں بڑی نرمی سے کام لیا، انہیں ہر طرح سے سمجھایا، امن و سکون کے ساتھ رہنے اور اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین کی، انعام و اکرام کے وعدے کیے جس کی شاہد مغیرہ بن شعبہ ؓ اور ابن زیاد کی تقریریں ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں۔

قیام عدل اور رعایا کی داد رسی: عدل و انصاف کے قیام اور رعایا کی داد رسی میں امیر معاویہ ؓ کو اتنا اہتمام تھا کہ وہ دربار میں آنے سے پہلے روزانہ مسجد میں جا کر رعایا کی شکایتیں سننے کے لیے بیٹھتے اور ان کے سامنے کمزور و ناتوان، دیہاتی عورتیں، بچے اور لاوارث ہر طبقہ کے لوگ پیش کیے جاتے۔ یہ سب اپنی اپنی شکایتیں بیان کرتے۔ امیر معاویہ ؓ اسی وقت اس کے تدارک کا حکم دیتے تھے۔ اس کے

بعد دربار میں جاتے اور اشراف کو باریاب کرتے اور ان سے کہتے کہ تم لوگ اشراف اس لیے کہلاتے ہو کہ تم کو دربار میں کم رتبہ لوگوں پر شرف عطا کیا گیا ہے، اس لیے جو لوگ میرے پاس نہیں آتے ان کی ضرورت مجھ سے بیان کیا کرو (مروج الذهب مسعودی ج ۴، ص ۴۲۳ حاشیہ فتح الطیب)

بیت المال : امیر معاویہ ؓ پر جو الزام لگائے جاتے ہیں ان میں ایک بڑا الزام بیت المال میں بیجا اسراف کا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ امیر معاویہ ؓ نے خلفائے راشدین ؓ کی طرح فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے بیت المال کو محض قوم و ملک کے مصارف تک محدود نہیں رکھا، بلکہ حکومت کی ضروریات کے ساتھ وہ اپنے آرام و آسائش پر بھی صرف کرتے تھے، لیکن بیت المال کے کسی سابق مصرف کو انہوں نے بند نہیں کیا اور اس سے بہت سے مفید کام انجام دیئے۔ اکابر صحابہ ؓ کے جو وظائف جاری تھے وہ برابر جاری رہے۔ اسی بیت المال سے انہوں نے فوجیں تیار کیں، بحری بیڑے بنوائے، فتوحات میں صرف کیا، قلعے بنوائے، پولیس کو ترقی دی، خبر رسانی کا حکمہ قائم کیا، دفاتر بنوائے، نہریں کھدوائیں، اسلامی نوآبادیاں قائم کیں اور بہت سے مفید کام انجام دیئے، اسی کے ساتھ انہوں نے اپنی حکومت کے استحکام میں بھی صرف کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عہد کے مسلمانوں کے سامنے خلافت راشدہ کا نمونہ تھا۔ اسی لیے وہی خصوصیات وہ امیر معاویہ ؓ کی حکومت میں بھی ڈھونڈتے تھے، حالانکہ ان دونوں کا موازنہ ہی صحیح نہیں ہے۔ اگر ایک دنیاوی حکمران کی حیثیت سے ان کے عہد پر نظر ڈالی جائے تو بہت سے اعتراض خود بخود ان پر سے اٹھ جاتے ہیں۔

امیر معاویہ ؓ کی مخالفت اور غلط واقعات کی شہرت کے اسباب : امیر معاویہ ؓ کے خلاف پروپیگنڈے کا سب سے بڑا سبب بنی ہاشم اور بنی امیہ کی پرانی چشمک اور خلافت کے بارے میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال ہے۔ اس سوال نے خلفائے راشدین تک کا دامن محفوظ نہ چھوڑا، جو خلاصہ امت تھے تو

امیر معاویہ ؓ کس شمار میں ہیں۔ امیر معاویہ ؓ کی مخالفت کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ اموی تھے پھر حضرت علی ؓ کے خلاف صف آرائی کی اور ان کی مخالفت کا کوئی دقیقہ اٹھانے نہیں رکھا۔ ان پر سب و شتم کا طریقہ جاری کیا، پھر حسن ؓ پر فوج کشی کی، یزید کو ولی عہد بنایا، جس کے زمانہ میں حضرت حسین ؓ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں جس کے بانی امیر معاویہ ؓ، شیعان علی ؓ پر سختیاں ہوئیں، اس لیے وہ قدرتاً امیر معاویہ ؓ کے خلاف تھے۔ انہوں نے ان واقعات سے جنہیں عام طور سے ناپسند کیا جاتا تھا، فائدہ اٹھا کر ان کو ہر طرح کے الزاموں کا نشانہ بنادیا، ممکن تھا ان کی آواز کچھ عرصہ کیلئے دب جاتی لیکن انہی واقعات کی بنیاد پر بنی عباس ؓ نے حکومت کی تعمیر شروع کر دی، ان کا داعی اعظم ابو مسلم خراسانی اور ان کے بہت سے وزراء اور عمال حکومت شیعہ تھے۔ اس لیے سیاسی مصالح کی بنا پر سینکڑوں افسانے تراش کر بنی امیہ اور امیر معاویہ ؓ کی جانب منسوب کر دیئے گئے اور ان کی جانب سے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے ان کی پوری تشہیر کی گئی۔ بنی عباس ؓ کی حکومت سندھ سے لے کر اسپین تک تھی اور کم و بیش چھ سو سال تک رہی۔ اس لیے امیر معاویہ ؓ اور بنی امیہ کے مثالب جو سیاسی مصالح کی بنا پر گھڑے گئے تھے، مشرق سے مغرب تک پھیل گئے۔ انہی کے زمانہ میں تاریخیں لکھی گئیں، یہ تاریخ نویسی کا بالکل ابتدائی دور تھا۔ واقعات کی تحقیق و تنقید مورخ کا فرض نہ سمجھا جاتا تھا، بلکہ وہ اسی کو تاریخ دیانت سمجھتے تھے کہ انہیں جو معلومات حاصل ہوں، انہیں بے کم و کاست اپنی رائے ظاہر کیے بغیر تاریخوں میں داخل کر لیں۔ اس لیے صحیح واقعات کے ساتھ بہت سی کمزور روایات اور غلط واقعات بھی تاریخوں میں داخل ہو گئے۔ انہی میں امیر معاویہ ؓ کے مثالب بھی ہیں۔ بنی امیہ سے بنی عباس ؓ کی نفرت و عداوت کا یہ حال تھا کہ آخری اموی فرمانروا مروان الحمار کی شکست کے بعد خاندان بنی امیہ کے نوے افراد گرفتار ہوئے۔ یہ غریب کھانا کھانے کے لیے جمع کیے گئے، عین اس وقت بنی ہاشم کے ایک

معمولی غلام شبل بن عبداللہ نے بنی امیہ پر اشتعال دلانے والے چند اشعار پڑھ دیئے، انہیں سن کر سفاح عباسی بانی دولت عباسیہ کے چچا عبداللہ بن علی نے اسی وقت کل اموی قیدیوں کو خیمہ کی چوبوں سے پٹوا کر مروا ڈالا اور نیم بل لاشوں کے ڈھیر پر دسترخوان بچھوا کر کھانا کھایا اور فرش کے نیچے دم توڑنے والوں کی سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔ ان کے علاوہ جہاں اموی ملے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیئے گئے۔ صرف شیر خوار بچے اور وہ لوگ باقی بچے جنہوں نے بھاگ کر اسپین میں پناہ لی۔ یہ تو زندوں کے ساتھ سلوک ہوا۔ مردوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس سے بھی زیادہ عبرت آموز ہے۔ تمام خلفائے بنو امیہ کی قبریں کھدوا کر اور ان کی ہڈیاں نکلوا کر پھینکوا دیں، ہشام کی لاش سالم نکلی تھی، اسے سولی پر لٹکا کر آگ میں جلوا دیا گیا۔ (ابوالفداء ج ۱، ص ۲۱۲)

بنی امیہ کے ساتھ جن لوگوں کی دشمنی کا یہ حال ہوا، ان کے بارے میں ان کے عہد کے مشہور کردہ واقعات اور ان کے عہد کی مرتب کردہ تاریخوں کا کیا اعتبار۔ مسلمان مورخین کی اہمیت پھر بھی لائق ستائش ہے کہ ان حالات میں بھی انہوں نے جرات و صداقت سے کام لے کر ان واقعات کے ساتھ ساتھ بنی امیہ کے محاسن بھی قلم بند کر دیئے۔ دوسری قوم کے مورخین مشکل سے جس کی ہمت کر سکتے تھے۔

بنی امیہ کے متعلق غلط روایات کے اندراج کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں شیعہ سنی اختلافات نے یہ شکل اختیار نہ کی تھی۔ اس کی زیادہ تر حیثیت پولیٹیکل تھی۔ اس پر مذہب کا رنگ اتنا گہرا نہ چڑھا تھا، اس لیے مورخین تو مورخین، محدثین تک ان کی روایتیں قبول کرتے تھے۔ چنانچہ صحاح میں بھی ان کی روایتیں ہیں۔ اس لیے بنی امیہ کے متعلق بھی ان کے بیانات کتابوں میں داخل ہو گئے، گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ بنی امیہ کے بارے میں ان کے بیانات کا کیا درجہ ہو گا۔

فضل و کمال : علمی اعتبار سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی دامن نہ تھے۔ ابتداء سے

لکھنے پڑھنے میں مہارت رکھتے تھے۔ اسی بنا پر ان کو آنحضرت ﷺ نے کاتب وحی بنایا تھا۔ مذہبی علوم میں اتنا درک تھا کہ صاحب علم و افتاء صحابہ ؓ میں شمار تھا۔ (اعلام المتوعین ج ۱، ص ۱۳) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ ان کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے۔ (بخاری مناقب معاویہ ؓ قرآن مجید کی تفسیر و تاویل پر بھی نظر تھی۔ ۱۶۳ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے نام بھی ہیں۔ شعر و ادب کا بھی مذاق رکھتے تھے اور اشعار کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ تقریر فصیح ہوتی تھی۔ ان کی متعدد تقریریں تاریخوں میں موجود ہیں۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبيين میں بھی ایک تقریر نمونہ درج کی ہے۔ (کتاب العمدہ ص ۱۰) غرض وہ اس عہد کے جملہ مروجہ علوم میں کچھ نہ کچھ درک رکھتے تھے۔

تاریخ کی پہلی کتاب: تاریخ اسلام میں اس وقت تک فن تاریخ کے اوراق بالکل سادہ تھے۔ سب سے پہلے امیر معاویہ ؓ نے اس زمانہ کے ایک ممتاز اخباری عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات اور زبانوں کی ابتداء اور اس کے پھیلنے کی تاریخ لکھائی۔ یہ مسلمانوں میں تاریخ کی سب سے پہلی کتاب تھی۔ (کتاب البیان والتبيين ج ۱، ص ۱۱۲، ۱۱۳)

سیرت معاویہ ؓ: امیر معاویہ ؓ فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں میں تھے۔ انہیں صحبت نبوی ﷺ سے استفادہ کا زیادہ موقع نہ مل سکا تھا۔ اس لیے ان میں علم و عمل کا وہ جوہر پیدا نہ ہو سکا جو مہاجرین کا طغرائے امتیاز ہیں، وہ صحابی رسول تھے اس لیے ان کا دامن اخلاقی فضائل سے خالی نہ تھا۔

خوف و خشیت الہی: انہیں دنیا کی مختلف آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑا، جن میں وہ بحیثیت صحابی رسول ﷺ اپنا دامن نہ بچا سکے لیکن ان کا دل خوف و خشیت الہی سے خالی نہ تھا۔ وہ مواخذہ قیامت کے خوف سے لرزہ بر اندام رہتے تھے اور اس کے

عبرت آموز واقعات سن کر زار و زار روتے تھے۔ (فہرست ابن الندیم ص ۳۲)

دنیاوی ابتلاء پر تاسف و پشیمانی: دنیاوی ابتلاء کا پورا احساس و اعتراف تھا اور اس پر ندامت و پشیمانی تھی۔ ایک مرتبہ وہ سفر میں تھے کہ ایک مقام پر منزل ہوئی۔ ایک اونچے اور بلند مقام پر فرش بچھا دیا گیا۔ سامنے سے ان کے خدم و حشم اونٹ گھوڑے، لونڈی اور غلام قطار در قطار گزرنے لگے، انہیں دیکھ کر امیر معاویہ ؓ نے اپنے ساتھی ابن مسعود سے کہا، اللہ ابو بکر ؓ پر رحم کرے، نہ انہوں نے دنیا کو چاہا نہ دنیا نے انہیں چاہا۔ عمر ؓ کو دنیا نے چاہا لیکن انہوں نے اس کو نہ چاہا۔ عثمان ؓ کو کچھ دنیا میں مبتلا ہونا پڑا اور ہم لوگ تو بالکل اسی میں آلودہ ہو گئے، وہ یہ کہہ رہے تھے اور ان پر ندامت و پشیمانی کے آثار طاری تھے۔ (ترمذی ابواب الزہد)

مرض الموت میں ان آزمائشوں کو یاد کر کے کہتے تھے۔ ”کاش میں ذی طویٰ (نام مقام) کا ایک معمولی قریشی ہوتا اور ان معاملات میں نہ ہوتا۔“ (طبری ج ۷ ص ۲۱۲)

امہات المؤمنینؓ کی خدمت: تمام خلفاء امہات المؤمنینؓ کی خدمت باعث سعادت سمجھتے تھے۔ امیر معاویہ ؓ بھی اس سعادت سے محروم نہ رہے وہ ایک ایک مشیت ایک ایک لاکھ رقم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۸۷)

عام فیاضی: ان کی یہ فیاضی امہات المؤمنین تک محدود نہ تھی بلکہ صحابہ کرام ؓ اکابر قریش اور دوسرے اعیان و شرفاء پر ان کا ابر کرم برستار رہتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس، ابن زبیر، عبداللہ بن عمر ؓ اور آل ابی طالب کے افراد امیر کے بڑے مخالفوں میں تھے، لیکن امیر معاویہ ؓ کی فیاضیاں ان کے لیے بھی یکساں تھیں۔ یہ بزرگ انہیں برا بھلا کہتے تھے اور امیر ان کی خدمت کرتے تھے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵) ایک مرتبہ حضرت علی ؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب کو چالیس

ہزار کی ضرورت تھی۔ انہوں نے امیر معاویہ ؓ کے پاس جا کر ان سے بیان کی۔ اسی کے ساتھ بھرے مجمع میں انہیں اور ان کے والد ابوسفیان کو برا بھلا بھی کہا، امیر نے سنا اور سن کر مظلومہ رقم پیش کی۔ (اسد الغابہ تذکرہ عقیل بن ابی طالب) تمام اکابر صحابہ ؓ کے وظائف مقرر تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ جو ان کے خلاف لیکن ان کی فیاضی کے معترف تھے، کہا کرتے تھے کہ جو لوگ معاویہ ؓ کے پاس جاتے ہیں وہ ایک وسیع وادی میں اترتے ہیں۔ (طبری ج۔ ۷، ص۔ ۲۲۵)

حلم: حلم ان کا سب سے بڑا اور ممتاز وصف تھا، ان کا یہ وصف تاریخی مسلمات میں ہے۔ اس کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔

یزید اول بن معاویہ ؓ

(۶۰ھ تا ۶۴ھ مطابق ۶۸۰ء تا ۶۸۳ء)

امیر معاویہ ؓ کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا یزید اول تخت نشین ہوا۔ یہ میسون بنت جہل کے بطن سے تھا، اس کی پیدائش امیر معاویہ ؓ کے دور امارت میں ہوئی تھی۔ اس لیے عیش و تنعم کے گہوارہ میں اس نے پرورش پائی۔ اس کی زندگی شاہزادوں اور امیر زادوں کی تھی۔ سیر و شکار کا بڑا شائق تھا، لیکن سپہ گری کے جوہر موجود تھے۔ لڑائیوں میں شریک ہوتا تھا، قسطنطنیہ کی مشہور مہم میں بھی تھا، اور ایک روایت کے مطابق فوج کا سپہ سالار تھا (۴۱ھ تا ۵۹ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۶۶۹ء)

خلافت: امیر معاویہ ؓ اس کی بیعت اپنی زندگی میں لے چکے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد جب ۶۰ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

حضرت حسین اور عبداللہ بن زبیر ؓ سے بیعت کا مطالبہ: اوپر امیر معاویہ ؓ کے حالات میں گذر چکا ہے کہ حضرت حسین، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ وغیرہ نے یزید کی ولی عہدی تسلیم نہیں کی تھی۔ اس لیے تخت نشینی کے بعد یزید کے سامنے سب سے پہلے ان

بزرگوں کی بیعت کا سوال پیدا ہوا۔ عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمن بن ابی بکر ؓ سے تو کوئی خاص خطرہ نہ تھا، لیکن حسین ؓ اور عبداللہ بن زبیر ؓ کی جانب سے دعویٰ خلافت کا یقین تھا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ ساری دنیائے اسلام خصوصاً حجاز اور عراق میں یزید کے خلاف انقلاب برپا ہو جاتا۔ جیسا کہ آگے چل کر ابن زبیر ؓ کے دعویٰ خلافت کے زمانہ میں پیش آیا۔ اس لیے تحت نشینی کے ساتھ ہی اس نے ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کو ان دونوں بزرگوں سے بیعت لینے کا تاکید حکم بھیجا۔ اس کو اس کی تعمیل کے خطرات معلوم تھے۔ اس نے مروان بن حکم سے مشورہ کیا، اس نے رائے دی کہ دونوں کو بلا کر فوراً بیعت لے لو، اگر ذرا بھی تاہل کریں تو سر قلم کر دو، اگر ان کو معاویہ کی موت کی خبر ہوگئی تو ان میں سے ہر ایک ایک مقام پر خلافت کا دعویٰ کر رہا ہو جائے گا۔ اس وقت بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ چنانچہ ولید نے حضرت حسین اور ابن زبیر ؓ کو بلا بھیجا۔ ابھی تک امیر معاویہ ؓ کے انتقال کی خبر مدینہ نہ پہنچی تھی، لیکن دونوں بزرگوں کو قرآن سے اس کا اندازہ ہو گیا اور وہ اس طلبی کا یہ مقصد سمجھ گئے، تاہم وہ ولید کے بلاؤے پر اس کے پاس گئے۔ اس نے امیر معاویہ ؓ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا حکم سنایا۔ حضرت حسین ؓ نے ﴿ان اللہ﴾ پڑھی اور امیر کے لیے دعائے خیر کی۔ پھر فرمایا میرے جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں کر سکتا اور نہ میرے لیے یہ زیبا ہے۔ جب عام لوگوں کو بلاؤ گے اس وقت میں بھی آ جاؤں گا، ولید نیک فطرت اور امن پسند شخص تھا، راضی ہو گیا اور آپ لوٹ گئے۔

عبداللہ بن زبیر ؓ ایک دن کی مہلت لے کر راتوں رات مکہ نکل گئے۔ ولید کو خبر ہوئی تو اس نے آدمی دوڑائے، لیکن ابن زبیر ؓ ورجا چکے تھے، مکہ پہنچ کر وہ حرم میں پناہ گزیں ہو گئے۔

مروان نے حضرت حسین ؓ سے بیعت لیے بغیر ان کو چھوڑ دینے پر ولید کو بڑی ملامت کی اور کہا، بیعت لینے کا موقع تم نے کھو دیا۔ اب قیامت تک تم ان پر قابو

نہیں پاسکتے۔ اس نے جواب دیا کہ میں حسین ؑ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگیں نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت حسین ؑ کا سفر مکہ: حضرت حسین ؑ یزید کی غیر شرعی موروثی بادشاہت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے، لیکن بغیر بیعت کے مفر کی کوئی صورت نہ تھی۔ عراق کے شیعان علی ؑ کا میلان آپ کی طرف تھا۔ اس لیے آپ بڑی کشمکش میں مبتلا ہو گئے، لیکن مدینہ میں بغیر بیعت کے قیام ناممکن تھا۔ اس لیے محمد بن حنفیہ کے مشورہ سے شعبان ۶۰ھ میں مع اہل و عیال کے مکہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک محب اہل بیت عبداللہ بن مطیع ملے، انہوں نے پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ فرمایا مکہ جاتا ہوں، ابن مطیع نے عرض کیا، وہاں جانے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اللہ کے لیے کوفہ کا قصد نہ فرمائیے گا، وہاں کے لوگ بڑے غدار ہیں۔ انہوں نے آپ کے والد بزرگوار اور محترم بھائی دونوں کو دھوکا دیا۔ آپ اہل حجاز کے سردار ہیں۔ حرم میں بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ لوگوں کو اپنی دعوت دیجئے! حرم کا گوشہ ہرگز نہ چھوڑیے گا، مکہ پہنچ کر آپ نے شعب ابی طالب میں قیام فرمایا۔

اہل کوفہ کے دعوتی خطوط اور مسلم بن عقیل کا سفر کوفہ: عراق کے شیعان علی ؑ ابتداء سے امیر معاویہ ؓ کے خلاف تھے۔ ان کی وفات کے بعد انہوں نے خلافت کا منصب اہل بیت میں منتقل کرنے کی کوشش کی اور حضرت حسین ؑ کے مکہ پہنچنے کے بعد آپ کے پاس بلاوے کے خطوط لکھے۔ پھر عمائد کوفہ نے خود آکر کوفہ چلنے کی درخواست کی۔ اس درخواست پر آپ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو حالات کی تحقیق کے لیے کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کو لکھا:

”تمہارے خطوط ملے، تمہاری خواہش معلوم ہوئی، میں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو حالات کی تحقیق کے لیے بھیجتا ہوں۔ جیسا کہ تم نے لکھا ہے اور تمہارے آدمیوں کا بیان ہے۔ اگر واقعی تم لوگ میری خلافت پر متفق ہو، تو مسلم وہاں

کے حالات دیکھ کر مجھے اطلاع دیں گے میں فوراً روانہ ہو جاؤں گا۔“

یہ خط لے کر مسلم کوفہ پہنچے اور مختار بن ابی عبید کے گھر میں قیام کیا۔ ان کی آمد کی خبر سن کر ان کے پاش شیعان علیؑ کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ کوفہ کے حاکم نعمان بن بشیر کو اس کی خبر ہو گئی، لیکن وہ بڑے دیندار نیک فطرت اور امن پسند آدمی تھے، اس لیے کسی قسم کی سختی نہیں کی بلکہ لوگوں کو بلا کر انہیں سمجھا دیا کہ:

”فتنہ و اختلاف میں نہ پڑو، اس میں جان و مال دونوں کی ہلاکت و بربادی ہے، جب تک کوئی شخص میرے مقابلہ کے لیے نہ کھڑا ہوگا اس وقت تک میں محض بدگمانی پر کسی سے باز پرس نہ کروں گا۔“

عبید اللہ بن زیاد کی آمد: لیکن یزید کے جاسوسوں نے دمشق اطلاع بھیج دی کہ مسلم بن عقیل کوفہ آ گئے ہیں اور لوگوں کو برگشتہ کر رہے ہیں، اگر حکومت کی بقا منظور ہے تو فوراً اس کا مذاکرہ کیا جائے۔ اس اطلاع پر یزید نے عبید اللہ بن زیاد والی بصرہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ جا کر جس طرح ممکن ہو مسلمؑ کو نکال دیا انہیں قتل کر دو۔ یہ حکم پا کر وہ فوراً کوفہ پہنچا اور اہل کوفہ کے سامنے تقریر کی۔

”باشندگان کوفہ! امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم مقرر کر کے بھیجا ہے اور مظلوموں کے ساتھ انصاف، مطیع و فرمانبردار کے ساتھ احسان و سلوک اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں اس حکم کو پورا کروں گا۔ مطیع و منقاد کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آؤں گا، لیکن مخالفوں کے لیے سم قاتل ہوں۔“ (ابن اثیر ج ۴، ص ۱۰)

اور ہر محلہ کے چوہدری کو اس کے محلہ کا ذمہ دار بنایا کہ وہ اپنے اپنے محلہ کے فتنہ پرداز خوارج اور مشتبہ لوگوں کے نام لکھ کر اطلاع دیں، جو شخص اس میں کوتاہی کرے گا اس کے دروازہ پر اس کو سولی لٹکایا جائے گا۔

مسلم بن عقیل کی خفیہ کوششیں: ان انتظامات کو دیکھ کر مسلم بن

عقیل، مختار کے گھر سے ایک دوسرے محبت اہل بیت ہانی بن عروہ مذحجی کے ہاں منتقل ہو گئے۔ انہیں ٹھہرانے میں تامل ہوا، لیکن پاس مروت سے انکار نہ کر سکے اور بادل نحواستہ انہیں جگہ دے دی۔ یہاں بھی شیعان علیؑ کی آمد و رفت برابری جاری رہی اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی، انہوں نے حضرت حسینؑ کو خط لکھ بھیجا کہ حالات موافق ہیں آپ فوراً تشریف لائیے۔

مسلم کی گرفتاری اور قتل: عبید اللہ بن زیاد برابر مسلم کی جستجو میں لگا ہوا تھا، لیکن پتہ نہ چلتا تھا، آخر میں اس کے غلام معتقل نے شیعان علیؑ کا بھیس بدل کر پتہ چلا لیا اور مسلم سے مل کر عبید اللہ بن زیاد کو خبر کر دی۔ ہانی بن عروہ عمائد کوفہ میں تھے اس لیے کوفہ کے والیوں کے ہاں ان کی آمد و رفت رہتی تھی، لیکن جب سے مسلم ان کے گھر آ گئے تھے اس وقت سے انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کے پاس آنا جانا بند کر دیا تھا۔ ایک دن وہ بعض شرفائے کوفہ کے ساتھ عبید اللہ کے پاس گئے۔ اس نے پوچھا تم نے مسلم کو چھپایا ہے؟ اور لوگوں کو ان کی بیعت کے لیے جمع کرتے ہو؟ انہوں نے انکار کیا، ان کے انکار پر معتقل نے شہادت دی۔ اس عینی شہادت کے بعد انکار کی گنجائش نہ تھی، ہانی نے اقرار کر لیا اور اصل واقعہ بیان کر دیا کہ میں نے ان کو بلایا نہیں تھا، وہ خود میرے ہاں آئے تھے، مجھے انہیں ٹھہرانے میں تامل تھا، لیکن مروت سے انکار نہ کر سکا، اگر یہ فعل آپ کے خلاف مزاج ہے تو میں ابھی جا کر ان کو نکالے دیتا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا تم یہاں سے نہیں جاسکتے یہیں ان کو بلا کر ہمارے حوالہ کر دو۔ ہانی کی غیرت نے اس کو گوارا نہ کیا۔ انہوں نے کہا میں اپنے پناہ گزیں کو تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا۔ ان کے انکار پر ابن زیاد نے انہیں پٹوا کر قید کر دیا۔ کوفہ میں خبر پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے۔ یہ افواہ سن کر مسلم اپنے اٹھارہ ہزار عقیدت مندوں کو لے کر نکل پڑے اور عبید اللہ ابن زیاد کو قصر امارت میں گھیر لیا۔ اس وقت ابن زیاد کے پاس حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا۔ صرف پچاس آدمی۔ ان میں کچھ پولیس کے آدمی اور

چند اشرف کوفہ تھے۔ ابن زیاد نے انہیں حکم دیا کہ وہ لوگ اپنے اپنے قبیلہ اور اثر والوں کو واپس کر دیں اور اعلان کرادیا جو شخص امیر کی اطاعت کرے گا وہ انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اور جو مخالفت کرے گا اسے سخت سزا دی جائے گی کچھ لوگ اس دھمکی کے خوف سے اور کچھ اشرف کے سمجھانے سے مسلم ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ کچھ لوگوں کے اعزہ و اقربا انہیں واپس لے گئے۔ غرض مسلم کے ساتھ صرف تیس رہ گئے اس وقت وہ بہت گھبرائے اور ایک بوڑھی عورت کے گھر میں پناہ لی۔ ابن زیاد نے یہ بھی اعلان کرادیا کہ مسلم جس کے گھر سے برآمد ہوں گے اسے سخت سزا دی جائے گی اور جو انہیں گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی گھروں کی تلاشی شروع کرادی۔ اس اعلان سے خوفزدہ ہو کر بوڑھی عورت کے لڑکے نے بتا دیا۔ ابن زیاد نے اسی وقت محمد بن اشعث کو گرفتاری کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے مکان کا محاصرہ کر دیا۔ مسلم نے جب دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں تو جان پر کھیل کر نکل آئے اور تن تنہا پوری جماعت کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گئے۔ اس وقت محمد بن اشعث جان بخشی کا وعدہ کر کے انہیں ابن زیاد کے پاس لے آیا اور اس سے کہا میں انہیں امان دے چکا ہوں۔ ابن زیاد نے ڈانٹا کہ میں نے تم کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا تمہیں امان دینے کا کیا حق تھا؟ یہ سن کر مسلم نے محمد بن اشعث سے کہا کہ میرا بچانا تمہارے بس میں نہیں ہے، لیکن اتنا کرنا کہ حسین ﷺ کو میرے انجام کی خبر کر کے کہلا دینا کہ کوفہ والوں پر ہرگز ہرگز اعتبار نہ کریں اور جہاں تک پہنچ چکے ہوں وہیں سے لوٹ جائیں۔ ابن اشعث نے ایفاء کا وعدہ کیا۔ پھر عمر بن سعد سے جو ان کا قریبی عزیز اور اموی حکام میں تھا وصیت کی کہ میں نے سات سو درہم اہل کوفہ سے قرض لیے تھے انہیں ادا کر دینا اور میری لاش کو دفن کر دینا اور حسین ﷺ کو اطلاع دے کر راستہ سے واپس کر دینا۔ ان وصیتوں کے بعد ابن زیاد نے ان کو قتل کرادیا۔ ان کے قتل سے حضرت حسین ﷺ کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔

حضرت حسینؑ کی مکہ سے روانگی : اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مسلم نے حضرت حسینؑ کو کوفہ کے حالات کی اطلاع دے کر آپ کو بلا بھیجا تھا۔ اس اطلاع پر آپ نے روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں تھیں۔ اہل مکہ اور حضرت حسینؑ کے اعزہ کو فیوں کی غداری سے پوری طرح واقف تھے، اس لیے انہیں جب آپ کی تیاریوں کی خبر ملی تو تمام ہی خواہوں نے روکا۔

عمرو بن عبد الرحمنؓ نے کہا میں نے سنا ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔ وہاں آپ کے دشمنوں کی حکومت ہے ان کے حکام موجود ہیں، ان کے ہاتھ میں فوج اور خزانہ ہے، عوام بندہ زرہوتے ہیں، جن لوگوں نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا ہے وہی آپ سے لڑیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سمجھایا کہ اللہ کے لیے اس ارادہ سے باز آئیں، اگر عراقیوں نے شامی حکام کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو تو بے شک جاؤ اور اگر مخالفین کی حکومت قائم ہے تو یقین مانو کہ عراقیوں نے تم کو محض لڑنے کے لیے بلایا ہے۔ شامی حکام کے ہوتے ہوئے کوئی تمہارا ساتھ نہ دے گا، سب تم کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے، جن لوگوں نے تم کو بلایا ہے وہی تم کو جھٹلائیں گے اور تمہارے خلاف لڑیں گے، حضرت حسینؑ نے جواب دیا میں استخارہ کروں گا۔

ابن زبیرؓ نے کہا آپ مکہ ہی میں قیام کر کے اپنی خلافت کی کوشش کیجئے، ہم سب آپ کی مدد کریں گے۔ حضرت حسینؑ نے جواب دیا، میں نے والد سے سنا ہے کہ حرم کا ایک مینڈھا ہے، جس کی وجہ سے حرم کی حرمت اٹھ جائے گی، میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا۔ دوسرے دن پھر حضرت ابن عباسؓ نے سمجھایا کہ میرا دل کسی طرح نہیں مانتا۔ اس راہ میں تمہاری جان کا خوف ہے۔ عراقی غدار ہیں۔ ہرگز ان کے ہاں نہ جاؤ، مکہ ہی میں رہو، تم حجازیوں کے سردار ہو، اگر عراقی واقعی تمہارے حامی ہیں تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے تمہارے دشمنوں کو اپنے ہاں سے نکال دیں، اس وقت تم

وہاں کا قصد کرو، لیکن اگر تم نے جانے ہی کا فیصلہ کر لیا ہے اور مکہ میں نہیں رہنا چاہتے تو عراق کی بجائے یمن جاؤ، وہ ایک الگ تھلگ مقام ہے، وہاں تمہارے والد کے حامی موجود ہیں، ہر طرح کی حفاظت کا سامان ہے، وہاں بیٹھ کر اپنی خلافت کی کوشش کرو، اس طرح آسانی سے تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ حضرت حسین ؑ نے فرمایا مجھے معلوم ہے ہے کہ آپ میرے سچے ہی خواہ ہیں، لیکن اب میں پختہ عزم کر چکا ہوں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا اگر نہیں مانتے تو کم از کم اہل و عیال کو ساتھ نہ لے جاؤ، مجھ کو ڈر ہے کہ عثمان ؓ کی طرح تم بھی بال بچوں کے ساتھ ذبح کیے جاؤ گے۔ لیکن مشیت کچھ اور تھی اس لیے خیر خواہوں کی ساری کوششیں بے کار گئیں اور حضرت حسین ؓ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مع اہل و عیال مکہ سے کوفہ روانہ ہو گئے۔ مکہ سے نکلنے کے بعد فرذوق شاعر جو کوفہ سے آ رہا تھا، ملا۔ اس نے بتایا کہ کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ۔ آپ کی روانگی کے بعد آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ ؓ بن جعفر نے عمرو بن سعید اموی حاکم مکہ سے خط لکھوا کر بھیجا کہ آپ لوٹ آئیے اس راہ میں ہلاکت ہے، میں ہر طرح سے آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں، آپ اطمینان و سکون کے ساتھ مکہ میں رہیں، میں ہر طرح سے آپ کی مدد کروں گا، یہ خط آپ کو راستہ میں ملا، آپ نے اس کے جواب میں عمرو بن سعید کو شکریہ کا خط لکھا مگر واپس نہ ہوئے۔

ابن زیاد کے انتظامات : شامی حکومت کو آپ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی۔ اس نے آپ کو اطلاع اور آپ کے اور اہل کوفہ کے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ منقطع کرنے کے لیے تمام راستوں پر پہرہ بٹھا دیا تھا، چنانچہ آپ کے ایک قاصد قیس بن مسہر صیداوی جنہیں آپ نے کوفہ کے حالات کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا، گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے، مقام ثعلبیہ میں پہنچ کر آپ کو کوفہ کے ایک مسافر سے مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی، یہ خبر سننے کے بعد آپ کے ارادہ میں کچھ تغیر ہوا، ہوا خواہوں نے بھی واپسی

کے لیے اصرار کیا، لیکن اب مسلم کے بھائیوں نے انکار کیا اور کہا ہم یا تو مسلم کے خون کا بدلہ لیں گے یا خود ڈکڑ کر جان دے دیں گے۔ ان کے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ جب تم ہی لوگ نہ ہو گے تو میری زندگی کس کام کی۔ غرض سفر جاری رہا، کچھ دور چل کر محمد بن اشعث اور عمرو بن سعد کے قاصد جنہیں ان دونوں نے مسلم کی وصیت کے مطابق حضرت حسین ؑ کو روکنے کے لیے بھیجا تھا، ملے۔ ان سے کوفہ کے تفصیلی حالات سننے کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا، مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن قطر کے قتل کی خبریں موصول ہو چکی ہیں۔ ہمارے حامیوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے، اس لیے تم میں سے جو شخص لوٹنا چاہے وہ خوشی سے لوٹ سکتا ہے، میری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں، یہ سن کر عوام کا جوم جو راستہ سے ساتھ ہو گئے تھے، چھٹنے لگا اور صرف وہی جان نثار باقی رہ گئے، جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے۔

حر بن یزید تمیمی کی آمد: آگے چل کر مقام ذی شتم میں حر بن یزید تمیمی ایک ہزار سپاہ کے ساتھ جسے ابن زیاد نے حضرت حسین ؑ کو گھیر کر لانے کے لیے بھیجا تھا، ملا۔ اس سے آپ نے فرمایا کہ میں خود سے نہیں آیا ہوں، بلکہ تم لوگوں کے خطوط اور آدمی آئے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ آ کر ہماری راہنمائی کیجئے، اگر تم لوگ اس بیان پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر چلوں ورنہ یہیں سے لوٹ جاؤں۔ حرا اور اس کے ساتھیوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے کوفیوں کے تمام خطوط حر کے سامنے ڈھیر کر دیئے۔ اس نے کہا ہم کو اس سے بحث نہیں، ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں کہیں مل جائیں آپ کو لے جا کر ابن زیاد کے پاس پہنچا دیں۔ یہ سن کر حضرت حسین ؑ نے قافلہ کو لوٹنا چاہا۔ حر نے روکا، دونوں میں تیز گفتگو ہو گئی، لیکن حر نے آپ کے مرتبہ کا پورا لحاظ رکھا اور عرض کیا اگر میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستہ سے جدا ہو، میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں، آپ یزید کو لکھیے، ممکن ہے مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں، حضرت حسین ؑ اس پر

راضی ہو گئے۔

خطبہ : مقام بیضہ میں حضرت حسین ؑ نے ایک پر جوش خطبہ دیا :

”لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الہی کو حلال کرنے والے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑنے والے اللہ اور رسول کی مخالفت اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً و عمل اس پر غیرت نہ آئی تو اللہ کو حق ہے کہ اس شخص کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کر دے، لوگو! خبردار ہو جاؤ، ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی اور رحمن کی اطاعت چھوڑ دی ہے، ملک میں فساد پھیلایا ہے۔ حدود الہی کو معطل کر دیا ہے۔ مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں۔ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے اس لیے مجھ کو غیرت آنے کا زیادہ حق ہے۔“

عذیب الحجابات پہنچ کر طرماح بن عدی نے جو کوفہ سے آرہے تھے، قیس بن مسہر کے قتل کی خبر سنائی اور کوفہ کے جنگی انتظامات کا حال بیان کر کے اپنے ہاں چلنے کی دعوت دی لیکن آپ نے قبول نہ فرمائی۔

کربلا میں ورود : نینوی میں حر کو ابن زیاد کا حکم ملا کہ حسین ؑ کو ایسے چٹیل میدان میں اتارو جہاں کوئی اوٹ اور پانی وغیرہ نہ ہو۔ حر نے حضرت حسین ؑ کو یہ حکم سنا دیا لیکن اس کی تعمیل پر کوئی اصرار نہیں کیا اور ۱۲ محرم ۶۱ھ کو حضرت حسین ؑ نے کربلا میں قافلہ اتارا۔ تیسری محرم کو عمر بن سعد چار ہزار فوج لے کر کربلا پہنچا۔ یہ حضرت حسین ؑ کا قریبی عزیز تھا۔ بڑی کشمکش کے بعد حکومت کی طمع میں اس نے یہ مہم اپنے سر لی تھی، لیکن اس کا ضمیر برابر ملامت کر رہا تھا۔ اس کے کربلا آنے کے بعد مفاہمت کی بڑی کوشش کی۔ حضرت حسین ؑ سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں کوفیوں کے بلاوے پر آیا تھا۔ اب واپس جانے کے لیے تیار

ہوں، لیکن وہاں سے حکم آیا کہ پہلے ان سے بیعت لے لو اس کے بعد غور کیا جائے گا، اس کے بعد ہی دوسرا حکم پانی بند کر دینے کا پہنچا۔

پیدانی کیلئے کشمکش: اس حکم کے بعد عمر بن سعد نے ۱۷ محرم ۶۱ھ سے فرات پر پہرہ بٹھا دیا۔ حضرت حسینؑ کے سوتیلے بھائی عباس بن علیؑ بڑے بہادر تھے یہ چند آدمیوں کو لے کر زبردستی پانی لے آئے۔

شمر ذی الجوشن کی آمد: عمر بن سعد کو حکومت کی طمع میں حضرت حسینؑ سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا تھا، لیکن تلوار اٹھانے کی ہمت نہ پڑتی تھی اور اس امید پر جنگ کو نال رہا تھا کہ شاید مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ ابن زیاد کو اس کا اندازہ ہو گیا۔ اس نے شمر ذی الجوشن کو بھیجا اور عمر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ میں نے تم کو حسینؑ کی خیر خواہی اور ان کو بچانے کے لیے نہیں بھیجا تھا، میرا حکم پہنچتے ہی ان سے بیعت لے کر ان کو میرے پاس بھیج دو اگر تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو فوج ذی الجوشن کے حوالہ کر دو۔ ابن سعد پر یہ حکم بہت گراں گزرا، لیکن رے حکومت، حکومت کا چھوڑنا اس سے زیادہ دشوار تھا۔ اس لیے بادل ناخواستہ اس کی تعمیل کے لیے تیار ہو گیا اور محرم کی نویں تاریخ کو خود حضرت حسینؑ سے مل کر ان سے آخری گفتگو کی، لیکن مصالحت کی کوئی صورت تھی ہی نہیں۔ حضرت حسینؑ بیعت نہیں کر سکتے تھے اور شام کی حکومت بغیر بیعت لیے ہوئے، ان کو چھوڑ نہیں سکتی تھی، اس لیے آخری گفتگو بھی ناکام رہی اور حضرت حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

”لوگو! موعودہ وقت آپہنچا، اس لیے میں تم کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں، میرے اہل بیت کو ساتھ لے کر لوٹ جاؤ۔“

عوام کی بھیڑ پہلے ہی چھٹ چکی تھی صرف خواص اور اعزہ باقی رہ گئے تھے، ان کی واپسی کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اس کے جواب میں سب نے جان نثاری کا اظہار کیا۔ حضرت حسینؑ نے اہل بیت کے خیموں کی حفاظت کے انتظامات کر کے صبح

کو بہتر جان نثاروں کی مختصر فوج مرتب کی، مہمنہ پر زبیر بن قیس کو، میسرہ پر حبیب بن مطہر کو متعین کیا اور عباس ؓ کو علم مرحمت فرمایا اور آغا جنگ سے بارگاہ ایزدی میں دعا کی:

”اللہ! تو ہر تکلیف میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں سہارا ہے مجھ پر جو وقت آئے ان میں تو ہی میرا پشت پناہ تھا، غم و اندوہ میں دل کمزور پڑ جاتا ہے، کامیابی کی تدبیریں کم ہو جاتی ہیں اور رہائی کی صورتیں گھٹ جاتی ہیں، دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اور دشمن شامت کرتے ہیں۔ میں نے ایسے نازک وقتوں میں سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا، تجھی سے اس کی شکایت کی ہے، تو نے مصائب کے بادل چھانٹ دیئے اور ان کے مقابلہ میں میرا سہارا بنا، تو ہی ہر نعمت کا والی ہے، ہر بھلائی کا مالک اور ہر آرزو اور تمنا کا منتہی ہے۔“

اس دعا کے بعد اتمام حجت کے لیے دشمنوں کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی۔ اس میں آپ نے اپنی شخصیت بتائی اور اپنے آنے کے اسباب بیان کر کے واپسی کی اجازت چاہی، لیکن اب اس کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ جواب ملا کہ اپنے ابن عم کی بیعت کر لو، تمہاری ہر خواہش پوری کر دیں گے اور تمہارے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہ ہوگا۔ حضرت حسین ؓ نے جواب دیا ”اللہ کی قسم میں ذلیل کی طرح یزید کی بیعت کر کے غلام کی طرح اس کی خلافت تسلیم نہ کروں گا۔“ آپ کے بعد آپ کے جان نثاروں نے تقریریں کیں لیکن عراقی فوج پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، البتہ حر بن یزید تمیمی عراقیوں کا ساتھ چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔

جنگ و شہادت: اور جنگ شروع ہو گئی، پہلے ایک ایک آدمی میدان میں آیا اور حسین فوج کے چند آدمی مارے گئے، اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی، دونوں کی قوت میں تناسب نہ تھا۔ ایک طرف چار ہزار مسلح سپاہ تھی، دوسری طرف کل ۷۲ آدمی، تاہم یہ مٹھی بھر آدمی بڑی شجاعت سے لڑے، دو پہر تک حضرت حسین ؓ کے بہت

سے آدمی کام آگئے۔ ان کے بعد باری باری سے حضرت علی اکبرؑ، عبداللہ بن مسلم، جعفر طیار کے پوتے عدی، عقیل کے فرزند عبدالرحمن، ان کے بھائی، حضرت حسنؑ کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکر وغیرہ میدان میں آئے اور شہید ہوئے۔ ان کے بعد حضرت حسینؑ نکلے۔ عراقیوں نے ہر طرف سے یورش کر دی، آپ کے بھائی عباسؑ، عبداللہؑ، جعفر اور عثمانؑ آپ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور چاروں نے شہادت حاصل کی۔ اب حسینؑ بالکل خستہ اور نڈھال ہو چکے تھے۔ پیاس کا غلبہ تھا، فرات کی طرف بڑھے، پانی لے کر پینا چاہتے تھے کہ حسین بن نمیر نے تیر چلایا، چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ آپ فرات سے لوٹ آئے، اب آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی۔ عراقیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ ذر بن شریک تمیمی نے ہاتھ اور گردن پر وار کئے، سنان بن انس نے تیر چلایا اور آپؑ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے، آپ کے گرنے کے بعد سنان بن انس نے سر اقدس تن سے جدا کر دیا۔ یہ حادثہ عظمیٰ ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ستمبر ۶۸۱ء میں پیش آیا۔ اس معرکہ میں ۷۲ آدمی شریک ہوئے، جن میں بیس خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ شہادت کے دوسرے دن غازیہ والوں نے شہدا کی لاشیں دفن کیں۔ حضرت حسینؑ کا جسد مبارک بغیر سر کے دفن کیا گیا، سر ابن زیاد کے ملاحظہ کے لیے کوفہ بھیج دیا گیا۔ (طبری ج۔ ۷، ص ۷۵-۷۳ و اخبار الطوال ص ۳۷۲-۳۷۱) اہل بیت کا سفر شام اور یزید کا تاثر: حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل بیت کا قافلہ ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا۔ اس نے معائنہ کے بعد شام بھجوا دیا۔ یہ حادثہ عظمیٰ یزید کی لاعلمی میں اور بغیر اس کے حکم کے پیش آیا تھا، کیونکہ اس نے صرف بیعت لینے کا حکم دیا۔ لڑنے کی اجازت نہ دی تھی، اس لیے جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا ”اگر تم حسینؑ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا، ابن سمیہ (ابن زیاد) پر اللہ کی لعنت ہو، اگر میں موجود ہوتا تو اللہ کی قسم حسینؑ کو معاف کر دیتا، اللہ ان پر اپنی رحمت فرمائے۔ اس کے بعد جب اہل بیت کا

قافلہ شام پہنچا تو یزید ان کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا، اور ان سے کہا ”اللہ ابن مرجانہ کا برا کرے، اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا، اور اس طرح تم کو نہ بھیجتا، فاطمہ بنت علیؑ کا بیان ہے، جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کیے گئے تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہو گئی، ہمارے ساتھ بڑی نرمی اور ملاحظت سے پیش آیا اور ہمارے متعلق احکام دیئے۔ (طبری ج۔ ۷ ص۔ ۳۷۷)

پھر حضرت حسینؑ کے سر کی طرف اشارہ کر کے درباریوں سے کہا کہ ان کا یہ انجام اس لیے ہوا کہ یہ کہتے تھے کہ ان کے باپ علیؑ میرے باپ سے، ان کی ماں فاطمہؑ میری ماں سے اور ان کے جد رسول اللہؐ میرے جد سے بہتر اور وہ خود مجھ سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے، سو ان کے باپ نے اللہ سے محاکمہ چاہا اور دنیا کو معلوم ہے کہ اس نے کس کے حق میں فیصلہ دیا، باقی ان کی ماں میری عمر کی قسم میری ماں سے بہتر تھیں اور کوئی مسلمان جو اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے کسی کو رسول اللہؐ کے برابر نہیں سمجھ سکتا، مگر افسوس انہوں نے ﴿اللہم مالک المملک﴾ الخ، کافر مان الہی نہیں پڑھا تھا۔ (ابن اثیر ج۔ ۴ ص۔ ۷۳)

یزید کسے گھر میں ماتم: یزید کا پورا کنبہ اہل بیت نبویؐ کا عزیز تھا اس لیے انہیں حرم سرانے شاہی میں ٹھہرایا گیا۔ جیسے ہی محذرات عصمت ماب زمان خانہ میں داخل ہوئیں، یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا اور تین دن تک ماتم پیا رہا۔ یزید امام زین العابدین کو اپنے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھلاتا تھا۔ (طبری ج۔ ۷ ص۔ ۳۷۸)

نقصان کی تلافی: حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد اموی فوج کے وحشی سپاہیوں نے اہل بیت کا کل سامان لوٹ لیا تھا۔ یزید نے پوچھ پوچھ کر جتنا مال لٹا تھا اس کا دونا دلویا۔ سکینہ بنت حسینؑ کا شریف اور منت پذیر دل اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوا، وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے منکرین میں میں نے یزید سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ (طبری

ص ۴۱) یزید کی دلی خواہش تھی کہ حضرت حسین ؑ کے خونین حادثہ کے بعد کوئی ناگوار واقعہ نہ پیش آئے، اس لیے اس نے ہر ممکن طریقہ سے اہل حجاز کو مائل کرنے کی کوشش کی، عثمان بن محمد حاکم مدینہ نے اشرف مدینہ کا وفد شام بھیجا دیا۔ یزید نے اس کی بڑی پذیرائی کی۔ انہیں بڑے بڑے عطیے دیے، حضرت عبداللہ بن حنظلہ انصاری کو ایک لاکھ اور ان کے آٹھ بیٹوں کو دس دس ہزار دیئے۔ منذر بن زبیر کو ایک لاکھ کی رقم عطا کی۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۴۱) لیکن ان بزرگوں پر اس کی داد و دہش کا کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ وہ شام سے زیادہ بد دل ہو کر لوٹے اور عبداللہ بن حنظلہ نے مدینہ واپس آ کر یزید کی مخالفت شروع کر دی۔ اس کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے نعمان بن بشیر انصاری کو چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ بھیجا کہ وہ اہل مدینہ اور ابن زبیر ؑ کو سمجھائیں کہ ”میں امن و عافیت چاہتا ہوں، وہ لوگ مخالفت کر کے فتنہ نہ پیدا کریں۔ (اخبار الطوال ص ۲۷۳) انہوں نے جا کر پہلے پہل اہل مدینہ کو سمجھایا کہ تم لوگ امن و اطاعت سے کام لو، فتنہ و فساد کا انجام برا ہے۔ تم میں شامیوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور لوگ خود نعمان سے بگڑ گئے، اس لیے وہ لوٹ گئے۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۴۰) پھر مدینہ سے مکہ جا کر ابن زبیر ؑ و یزید کا پیغام پہنچایا کہ میں امن و عافیت چاہتا ہوں اس لیے تم طاعت و جماعت سے الگ ہو کر اختلاف نہ پیدا کرو۔ یہ پیغام سن کر ابن زبیر ؑ نے نعمان کے ایک اور ساتھی ابن عصاة سے پوچھا کیا تم حرم میں خون بہانا پسند کرو گے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر تم بیعت نہ کرو گے تو میں اس میں بھی دریغ نہ کروں گا۔

یہ جواب سن کر ابن زبیر ؑ نعمان بن بشیر کو الگ لے گئے اور اپنا اور یزید کا موازنہ کر کے ان سے پوچھا کیا اس کے بعد بھی تم مجھ کو یزید کی بیعت کا مشورہ دو گے، نعمان نے ان کے فضائل کا اعتراف کیا اور کہا میں کبھی آپ کو اس کا مشورہ نہ دوں گا اور نہ آئندہ آپ کے پاس اس مقصد کے لیے آؤں گا۔ (اخبار الطوال ص ۳۷۴)

عبداللہ بن زبیرؓ کا دعویٰ خلافت اور حجاز میں انقلاب: نعمان بن بشیر کی واپسی کے بعد حجاز میں انقلاب پیا ہو گیا۔ ابن عباس اور حضرت علی کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؓ کے علاوہ کل اہل حجاز نے ابن زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور تمام اموی عمال کو مدینہ سے نکال دیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۷۴) اہل مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کرنے کے بعد عبداللہ بن حنظلہ انصاری کو اپنا امیر بنایا اور مدینہ میں جو بنی امیہ مقیم تھے ان کو گھیر لیا۔ ان لوگوں نے مدد کے لیے شام آدمی بھیجے۔ ان سے یزید کو حالات معلوم ہوئے۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۴) ایک روایت یہ ہے کہ ابن زبیرؓ نے تمام امویوں کو نکال دیا تھا اور خود امویوں کی زبانی یزید کو حالات معلوم ہوئے۔

واقعه حرہ: اس انقلاب کی خبر سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوج کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ پہلے اہل مدینہ کو اطاعت کی دعوت دینا جب وہ انکار کریں اس وقت تلوار اٹھانا اور انہیں شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ کو لوٹنا لیکن علی بن حسینؓ و نقصان نہ پہنچنے پائے۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۵) اہل مدینہ کو مسلم بن عقبہ کی آمد کی خبر ملی تو انہوں نے مقابلہ کے انتظامات کیے اور محصور امویوں کو قتل کر دینا چاہا، لیکن پھر اس شرط کے ساتھ ان کو رہا کر دیا کہ وہ مسلم کو یہاں کے انتظامات کی خبر نہ کریں گے، یہاں سے چھوٹ کر یہ لوگ آگے بڑھ کر مسلم کی فوج سے مل گئے اور ان کو اہل مدینہ کا نقشہ جنگ بتا دیا۔ مسلم نے مدینہ پہنچ کر یزید کی ہدایت کے مطابق چند آدمیوں کو بلا کر ان سے کہا کہ امیر المومنین تم کو اپنی اصل و بنیاد سمجھتے ہیں، اس لیے میں تمہاری خوزری پسند نہیں کرتا تم کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں، اس میں خوب غور کر لو، اگر تم نے اپنی روش کو چھوڑ کر حق کو قبول کر لیا تو میں مکہ چلا جاؤں گا، ورنہ اس کے بعد ذمہ داری پوری کروں گا۔ تین دن کے بعد پھر مسلم نے آخری مرتبہ پوچھا کہ تم لوگ صلح چاہتے ہو یا جنگ؟ اہل مدینہ نے جواب دیا جنگ۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۴۵)

ص ۴۶) اب جواب کے بعد مسلم بن عقبہ نے جنگ شروع کر دی، تین دن تک نہایت خونریز معرکہ ہوا۔ اہل مدینہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن حکومت کی فوج کا مقابلہ دشوار تھا۔ اس لیے آخر میں بڑی فاش شکست کھائی۔ اس جنگ میں بہت سے اکابر و اشراف قریش اور انصار کام آ گئے۔ فضل بن عباس بن ربیعہ، عبداللہ بن حظلہ، عبداللہ بن مطیع ایک ایک کر کے قتل ہوئے شکست دینے کے بعد شامی فوجیں تین دن تک مدینہ الرسول ﷺ کو لوتی اور قتل عام کرتی رہیں۔ چوتھے دن امن قائم ہوا، لیکن اس وقت بھی یہ اعلان تھا کہ جو شخص بھی بیعت نہیں کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا، لیکن اب مدینہ بالکل تباہ ہو چکا تھا، کسی میں سکت باقی نہ رہ گئی تھی، اس لیے باقی ماندہ لوگوں نے بیعت کر لی۔ (واقعہ حرہ کی تفصیلات تاریخ میں بہت طویل ہیں ہم نے صرف خلاصہ لکھا ہے) مدینہ الرسول ﷺ کی تباہی یزید کا سب سے سیاہ کارنامہ ہے، لیکن اس کی ذمہ داری سے اہل مدینہ بھی بری نہ تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کی مخالفت کا انجام یہی ہوگا۔ اگر ابتداء سے وہ بیعت کر لیتے تو اس کی نوبت نہ آتی۔

ابن زبیر کا محاصرہ: مدینہ کو تاراج کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ ابن زبیر کے مقابلہ کے لیے مکہ روانہ ہو گیا۔ وہ عرصہ سے بیمار تھا، مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اس کا وقت آ گیا اور وہ حمین بن نمیر کو اپنا قائم مقام بنا کر چل بسا اور حمین محرم ۶۴ھ میں مکہ پہنچا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ حرم میں پناہ گزیں تھے، حمین نے محاصرہ کر کے سنگباری شروع کر دی، اس سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ حرم کے اندر سے مدافعت کرتے رہے۔ ابھی محاصرہ جاری تھا کہ یزید کا وقت آخر ہو گیا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی ایک سیاسی غلطی: یزید کی موت کے بعد خاندان بنی امیہ میں کوئی ایسا عالی دماغ اور حوصلہ مند نہ رہ گیا تھا، جو ان مخالف حالات میں حکومت سنبھال سکتا، جو دو چار افراد تھے وہ مختلف مقامات پر منتشر تھے مروان اور عبدالملک وغیرہ حمین بن نمیر کے ساتھ مدینہ ہی میں تھے۔ ان میں اس وقت کوئی ہمت و حوصلہ نہ تھا۔

ان حالات میں حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر ؓ سے لڑنا مناسب نہ سمجھا اور ان سے صلح کر لی اور کہا اب بنی امیہ کا معاملہ کمزور پڑ چکا ہے۔ آپ سے زیادہ کوئی خلافت کا اہل نظر نہیں آتا۔ میں آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ شام کے تمام عمامہ میرے ہمراہ ہیں۔ آپ میرے ساتھ شام چلے چلیے وہاں ایک شخص بھی آپ کی مخالفت کرنے والا نہیں ہے۔ ابن زبیر شجاع و بہادر تھے، لیکن موقع شناس نہ تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک ایک ایک جازی کے بدلے دس دس شامیوں کا سر قلم نہ کر لوں گا اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ جواب سن کر حصین بولا جو شخص آپ کو عرب کا مدبر کہتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ میں آپ سے راز کی بات کہتا ہوں آپ چلا کر اس کا جواب دیتے ہیں، میں خلافت دلانا چاہتا ہوں اور آپ جنگ و خونریزی پر آمادہ ہیں۔ آخر میں ابن زبیر ؓ اس پر راضی ہو گئے کہ مکہ ہی میں ان کی بیعت کی جائے، وہ شام نہ جائیں، لیکن حصین نے کہا کہ یہاں بیعت بیکار ہے۔ شام میں چند بنی امیہ موجود ہیں، ان کی موجودگی میں بغیر آپ کے گئے ہوئے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ابن زبیر ؓ اس پر راضی نہ ہوئے اور حصین مایوس ہو کر شام لوٹ گیا۔ (مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ ابن زبیر ؓ و ابن اثیر ج ۳، ص ۴۹) اس طرح ابن زبیر ؓ نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے ایک بہترین موقع کھو دیا۔ اگر انہوں نے ابن نمیر کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو آج بنی امیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا۔

فتوحات : یزید کے عہد حکومت میں حسین ؓ کے خون بے گناہی، مدینہ النبیہ الرسول ﷺ کی پامالی اور حرم محترم کی بے حرمتی کے سیاہ اعمال کے ساتھ ساتھ ملکی مفاد کے بھی کام انجام پائے، بعض باغی علاقوں کی بغاوت فرو ہوئی اور کئی فتوحات حاصل ہوئیں۔

تسرکستان کی فتوحات : خوارزم کے قریب ترکستان کے تمام فرمانرواؤں نے ایک مرکز بنالیا تھا جہاں وہ صلاح و مشورہ کے لیے جمع ہوا کرتے تھے۔ ان کا اجتماع مسلمانوں کے خلاف تھا، خراسان کی فوج نے کئی مرتبہ اس پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی،

مگر خراسان کے والی اجازت نہ دیتے تھے۔ ۶۱ھ میں یزید نے مسلم بن زیاد کو خراسان کا والی بنایا۔ اس نے مہلب بن ابی صفرہ سے اجازت حاصل کر کے اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے امراء نے صلح کر لی۔ اس مصالحت میں پانچ کروڑ نقد مسلمانوں کو ملا اور ترکستان کے فرمانرواؤں کے اجتماع کے خطرات کا انسداد ہو گیا، اسی سنہ میں سمرقند اور بخندہ کے نواح میں فوج کشی ہوئی۔

افریقہ کی فتوحات : شمالی افریقہ میں بہت سی نئی فتوحات حاصل ہوئیں، بلکہ اس کا بڑا حصہ فتح ہو گیا، لیکن پھر یہاں کے ایک والی ابوالہجرجی غلطی سے نکل گیا۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ افریقہ کے برابر بڑے سرکش اور جنگجو تھے۔ بار بار مسلمانوں کے لیے اٹھتے تھے، چنانچہ ۶۲ھ میں بھی انہوں نے اجتماع کیا، چونکہ اس سے پہلے وہ کئی مرتبہ بغاوت کر چکے تھے، اس لیے اس مرتبہ عقبہ بن نافع والی افریقہ نے قسم کھالی کہ ساری عمران سے لڑتے رہیں گے اور اپنے لڑکوں کو وصیت کر کے ۶۲ھ میں باغہ پہنچے۔ یہاں بڑی تعداد میں رومی اور بربری جمع تھے۔ عقبہ نے ایک خونریز معرکہ کے بعد انہیں شکست دی وہ شکست کھا کر شہر میں پناہ گزیں ہو گئے۔ عقبہ نے محاصرہ کر لیا، لیکن محصورین نے شہر سے باہر قدم نہ نکالا، اس لیے عقبہ انہیں چھوڑ کر رومیوں کے دوسرے مرکز لیس پہنچے۔ اس زمانے میں یہ رومیوں کا بہت بڑا شہر تھا۔ انہیں شکست دے کر فزان پر فوج کشی کی۔ یہاں کے حکمران نے صلح کر لی۔ اس کے بعد وہ دو انقصہ اور قسطلیہ کی بغاوت فرو کرتے ہوئے واپس آئے۔ تھوڑے وقفہ کے بعد پھر زاب کے علاقہ کی طرف بڑھے اور اربہ میں رومیوں کو شکست دیتے ہوئے تاہرت کا رخ کیا۔ یہاں رومیوں اور بربریوں کا بڑا انبوه جمع تھا۔ ان دونوں کے ساتھ بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ قلت تعداد کی بنا پر مسلمان مشکل میں پھنس گئے، لیکن بالآخر شکست رومیوں اور بربریوں کو ہوئی اور مسلمانوں کو بہت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ تاہرت کے بعد ستبتہ کا رخ کیا۔ یہاں کے فرمانروا نے صلح کر لی، پھر ستبتہ سے طنجہ پہنچے، یہ بحر روم کے کنارے شمالی

افریقہ کا آخری شہر اور یہاں کے سب سے بڑے حکمران کا دار السلطنت تھا۔ مغرب کے تمام حکمران اس کے باجگوار تھے، اسے شکست دے کر عقبہ نے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ (کتاب المونس ص ۲۸)

طنجہ کے بعد خشکی کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے عقبہ یہاں سے سوس اونی کی طرف بڑھے اور یہاں کے بربریوں کو شکست دے کر یعلیٰ اور نفیس پر قبضہ کرتے ہوئے سوس اقصیٰ پہنچے۔ یہاں بھی بربریوں کا مقابلہ ہوا۔ عقبہ نے انہیں شکست دے کر ورعہ پر قبضہ کر لیا اور بحر محیط کے ساحل تک بڑھتے چلے گئے۔ (کتاب المونس ص ۲۸) سمندر نظر پڑتے ہی اللہ کے حضور عرض کیا۔ ’اے اللہ اگر یہ سمندر درمیان میں حائل نہ ہو جاتا تو جہاں تک تیری زمین ملتی میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا (ابن اثیر ج ۳، ص ۴۳) اور گھوڑے کو پانی میں اتار کر کہا اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں وہی چاہتا ہوں جو تیرا ولی ذوالقرنین چاہتا تھا کہ تیرے سوا دوسرا نہ پوجا جائے۔‘ (کتاب المونس ص ۲۹)

کسیلہ بن کمرم کسی بغاوت اور افریقہ میں انقلاب : ان فتوحات کے بعد افریقہ میں مسلمانوں کی حریف کوئی قوت باقی نہ رہ گئی تھی۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسلمانوں کا سکہ بیٹھ گیا کہ دفعۃً کسیلہ بن کمرم کی بغاوت نے سارے افریقہ میں انقلاب برپا کر دیا۔

کسیلہ بن کمرم کا فرمانروا اور افریقہ کا نہایت ممتاز آدمی تھا۔ عقبہ کے پیشرو والی، ابوالمہاجر کے زمانہ میں وہ مسلمان ہو گیا تھا اور مسلمانوں سے اس کے بڑے تعلقات ہو گئے تھے۔ عموماً وہ ابوالمہاجر ہی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ اس کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ ابوالمہاجر کے بعد جب عقبہ افریقہ کے والی مقرر ہوئے تو ابوالمہاجر نے عقبہ سے کسیلہ کا تعارف کرا کے اس کے مرتبہ کا لحاظ اور اس سے احتیاط کرنے کی ہدایت کر دی تھی، لیکن عقبہ ابوالمہاجر کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے ان کی ہدایت کی پرواہ نہ کی اور ایک

موقع پر کسیلہ کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کیا۔ کسیلہ نے اپنے ظاہری طرز عمل میں کوئی فرق نہ آنے دیا، لیکن دل میں عقبہ کا دشمن ہو گیا اور بدلہ لینے کے موقع کا منتظر رہا۔ عقبہ کی ناصیقت اندیشی سے جلد ہی اس کو موقع مل گیا۔ افریقہ کی فتوحات کی مہم سے واپسی کے وقت اس اطمینان میں کہ اب کوئی مخالف و مزاحم باقی نہیں رہا۔ انہوں نے فوجوں کو منتشر کر دیا اور خود چند آدمیوں کے ساتھ پیچھے آ رہے تھے۔ کسیلہ کے دار الحکومت طبنہ کے قریب مقام میودہ میں انہوں نے رومیوں کو اسلام کی دعوت دی وہ ان کو اتنی کم تعداد میں دیکھ کر مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ عقبہ کے ساتھ کسیلہ کی عداوت کا ان کو علم تھا۔ انہوں نے اس کو خبر کر دی کہ عقبہ سے بدلہ لینے کا یہ بہترین موقع ہے۔ کسیلہ موقع کی تلاش ہی میں تھا۔ فوراً ایک جم غفیر لے کر پہنچ گیا۔ عقبہ کے ساتھ صرف چند آدمی تھے۔ اس وقت عقبہ نے افریقہ کے سابق والی ابوالمہاجر کو جنہیں مخالفت میں قید کر رکھا تھا، رہا کر کے ان سے کہا تم مسلمانوں کو دیکھو میں شہادت حاصل کرتا ہوں۔ ابوالمہاجر نے کہا میری بھی یہی آرزو ہے، چنانچہ دونوں نے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ نہایت بہادری سے مقابلہ کر کے جان دی۔ عقبہ اور ابوالمہاجر کے بعد بربریوں اور رومیوں کا مقابلہ کرنے والا کوئی باقی نہ تھا۔ اس لیے سارے افریقہ میں بغاوت پھیل گئی اور ہر جگہ کے رومی اور بربری اٹھ کھڑے ہوئے۔ کسیلہ انہیں لے کر قیروان پہنچا۔ عقبہ کے نائب زہیر بن قیس بلوی نے لوگوں کو مقابلہ کے لیے ابھارا، لیکن کوئی آمادہ نہ ہوا اور سب شہر چھوڑ کر نکل گئے، جو لوگ باقی رہ گئے وہ کسیلہ کی امان میں آ گئے اور قیروان پر اس کا قبضہ ہو گیا اور زہیر بن قیس برقہ چلے گئے۔ (کتاب المونس ص ۲۹ و ابن اثیر ج ۳ ص ۴۳)

وفات: ابھی اس بغاوت کا کوئی تذکرہ ہوا کہ ربیع الاول ۶۲ھ میں حوران میں یزید کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت کل ۳۸ سال کی عمر تھی۔ مدت حکومت ۳ سال ۹ مہینے۔

اولاد: یزید کی کئی بیویاں تھیں۔ ان سے بہت سی اولادیں تھیں۔ معاویہ، خالد، ابوسفیان، عبداللہ، عبداللہ الاصغر، عمر، ابو بکر، عتبہ، حرب اور عبدالرحمن۔

معاویہ ثانی بن یزید

(۶۴ھ مطابق ۶۸۵ء)

یزید کی موت کے بعد ربیع الاول ۶۴ھ میں اس کا نوجوان لڑکا معاویہ تحت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر کل اکیس سال کی تھی، لیکن بڑا دیندار اور صالح تھا۔ یزید کے زمانہ میں جو حوادث اور واقعات پیش آئے۔ انہیں دیکھ کر معاویہ کا دل سلطنت و حکومت سے پھر گیا تھا۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۳۰۲) اس لیے تین مہینے کے بعد وہ خلافت سے دستبردار ہو گیا اور مسلمانوں کے سامنے تقریری کی۔

”مجھ میں حکومت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں ہے، میں نے چاہا تھا کہ ابو بکر ؓ کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنا دوں یا عمر ؓ کی طرح چھ آدمیوں کو نامزد کر کے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دوں، لیکن نہ عمر جیسا کوئی نظر آیا اور نہ ویسے چھ آدمی ملے، اس لیے میں اس منصب سے دست بردار ہوتا ہوں، تم لوگ جسے چاہو اپنا خلیفہ بناؤ۔“ (طبری ج ۷، ص ۶۸۸)

حکومت سے دستبرداری کے بعد معاویہ خانہ نشین ہو گیا اور چند مہینوں کے بعد انتقال کر گیا۔ اس کی سیرت، دست برداری کے واقعہ سے ظاہر ہے، حضرت حسن ؓ کے بعد دستبرداری کی یہ دوسری مثال تھی۔

عبداللہ ابن زبیر ؓ اور مروان بن الحکم

(۶۴ھ تا ۷۳ھ بمطابق ۶۸۵ء تا ۶۹۵ء)

(۶۴ھ تا ۶۵ھ بمطابق ۶۸۵ء تا ۶۸۵ء)

ترجمہ عبداللہ بن زبیر ؓ: حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ مشہور صحابی اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھی کے بھائی حواری رسول حضرت زبیر ؓ بن عوام کے

صاحبزادے تھے۔ ان کی ماں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔ ان رشتوں سے ابن زبیر ؓ کی ذات میں بہت سی خصوصیات جمع ہو گئی تھیں۔ ابن زبیر ؓ ۲ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ہجرت کے بعد بہت دنوں تک مہاجرین کے اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ یہ ان کے سحر کا نتیجہ ہے کہ عین اسی زمانہ میں عبد اللہ پیدا ہوئے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان کی ولادت کی بڑی خوشی ہوئی۔ سات آٹھ سال کی عمر میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، بچپن سے وہ بڑے بہادر شجاع اور حوصلہ مند تھے اور اسی زمانہ میں ان میں بڑائی کے آثار نمایاں تھے۔ سن شعور کے بعد وہ اکثر مہمات میں شریک رہے۔ طرابلس انہی کی کوششوں سے فتح ہوا تھا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۸۰۷۹) جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت میں پیش پیش تھے۔ ان کی حفاظت میں اس بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چور ہو گیا تھا۔ پورے جسم میں چالیس سے زیادہ زخم آئے تھے۔ (اصابہ تذکرۃ ابن زبیر ؓ) امیر معاویہ ؓ اور یزید کے زمانہ میں ان کے ساتھ جو واقعات پیش آئے وہ ان کے حالات میں اوپر گزر چکے ہیں۔

تجرجمہ مروان بن حکم : مروان بن امیہ کی دوسری شاخ بنی العاص سے تھا۔ مروان کا باپ حکم بن العاص حضرت عثمان ؓ کا حقیقی چچا تھا۔ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا، لیکن اس کے دل میں اسلام راسخ نہ ہوا تھا۔ اندرونی طور پر مسلمانوں کا دشمن رہا اور ان کے اسرافاش کیا کرتا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کو طائف جلاوطن کر دیا تھا۔ مروان اس زمانہ میں صغیر السن تھا، اس لیے وہ بھی باپ کے ساتھ طائف میں رہا۔ آخر زمانہ میں حضرت عثمان ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی واپسی کی اجازت حاصل کر لی تھی اور اپنے زمانہ میں انہوں نے اس کو واپس بلا لیا۔ آپ کو حکم اور مروان دونوں سے بڑی محبت تھی۔ حکم کی موت کے بعد مروان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اسے

اپنا سیکرٹری بنالیا تھا۔ آپ کی مہر وغیرہ اس کی تحویل میں رہتی تھی۔ اسی نے حضرت عثمان ؓ کی طرف سے مصر کے والی کو خط لکھ دیا تھا کہ مصری باغیوں کے سرغنہ پکڑ کر قتل کر دیئے جائیں، جس کے نتیجے میں حضرت عثمان ؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین کے معرکوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر معاویہ ؓ کے ساتھ تھے۔ امیر معاویہ ؓ نے اپنے زمانہ میں اسے مدینہ کا والی بنا دیا تھا۔ ابن زبیر ؓ کے دعویٰ خلافت تک وہ اسی عہدہ پر تھا۔

ابن زبیر ؓ کی خلافت: وہ پر معلوم ہو چکا تھا کہ یزید کی زندگی ہی میں اہل حجاز نے ابن زبیر ؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تھی۔ واقعہ حرہ کے بعد مسلم بن عقبہ نے بزور شمشیر دوبارہ اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لے لی تھی۔ یزید کی موت کے بعد پھر وہ ابن زبیر ؓ کے ساتھ ہو گئے۔ ابن زبیر ؓ کی شخصیت ہر لحاظ سے محترم تھی اور معاویہ بن یزید کے بعد بنی امیہ میں کوئی حوصلہ مند کھڑا بھی نہیں ہوا۔ اس لیے حجاز و عراق اور مصر و شام تمام بڑے بڑے ملک ابن زبیر ؓ کے ساتھ ہو گئے اور یہاں ان کے حکام اور دعاۃ پہنچ گئے۔ خود بنی امیہ کے پایہ تخت شام میں اردن کے والی حسان بن بحدل کے علاوہ باقی تمام صوبوں کے حکام اور عمائد ابن زبیر ؓ کے حامی و مددگار بن گئے تھے اور یہاں کے باشندوں نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تھی۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۳۳-۳۴)

بصرہ کو اہل بیت عبید اللہ بن زیاد نے سنبھالنے کی کوشش کی اور اہل بصرہ کو جمع کر کے تقریر کی:

”میرا مولد و منشا یہی ہے، میں نے ہر شعبہ کو اتنی ترقی دی کہ جس وقت یہاں کا والی ہوا ہوں، اس وقت فوجی دفاتر کا خرچ کل ستر ہزار تھا اور آج ایک لاکھ ہے، حکام کے دفاتر کے اخراجات کل نوے ہزار تھے اور آج ایک لاکھ چالیس ہزار ہیں۔ جتنی مخالف طاقتیں تھیں سب کو جیل میں بھر کر ختم کر دیا۔ اب کوئی قوت ایسی

نہیں ہے جس سے تمہیں خطرہ ہو، یزید کا انتقال ہو چکا ہے اور شام میں اختلاف
 بپا ہے۔ تم لوگ دولت و ثروت اور قوت و شوکت ہر چیز میں سب میں ممتاز ہو،
 اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کا لحاظ کر کے تم جسے اپنا امیر بناؤ گے میں بھی اس
 کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا اور اہل شام کسی اور کو منتخب کریں اور تم بھی اسے پسند
 کرتے ہو تو اسے مان لینا، ورنہ اپنا امیر الگ منتخب کرنا، تم کو دوسرے ملکوں کی
 تائید و حمایت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ دوسرے ملک خود تمہارے
 محتاج ہیں۔“ (ابن اثیر ج ۳، ص ۵۲)

یہ تقریر سن کر اہل بصرہ اس کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہو گئے،
 لیکن اس نے انکار کیا۔ جب اہل بصرہ زیادہ مصر ہوئے تو وہ آمادہ ہو گیا۔ اہل عراق
 کی فطرت میں نفاق تھا۔ اس لیے اس وقت بھی جب کہ وہ اس کے ہاتھوں پر بیعت کر
 رہے تھے دل سے اس کے خلاف تھے، چنانچہ جب بیعت کر کے باہر نکلے تو ہاتھوں کو
 دیوار پر رگڑ کر صاف کرتے اور کہتے، ابن مرجانہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم اتفاق اور اختلاف
 ہر حالت میں اس کی اطاعت کریں گے۔ اہل بصرہ کی بیعت کے بعد ابن زیاد نے
 کوفہ آدمی بھیجا۔ اس نے جا کر اہل کوفہ سے کہا کہ بصرہ والوں نے ابن زیاد کے
 ہاتھوں پر بیعت کر لی ہے اس لیے تم لوگ بھی جماعت میں شامل ہو جاؤ۔ یہاں بڑی
 مخالفت ہوئی۔ کوفہ والوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہم کو ابن سمیہ سے نجات دی ہے اب
 ہم دوبارہ اس کو اپنے اوپر مسلط نہ کریں گے۔ اہل بصرہ پہلے سے، دل سے ابن زیاد
 کے خلاف تھے، کوفہ والوں کا جواب سن کر انہوں نے علانیہ مخالفت شروع کر دی۔ ابن
 زیاد نے بہت سنبھالنے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوا اور اس کی مخالفت اتنی بڑھی کہ
 اسے عراق چھوڑ کر شام بھاگ جانا پڑا۔ ابن زیاد کے عراق چھوڑنے کے بعد اہل کوفہ
 اور بصرہ نے بڑے اختلاف اور ہنگاموں کے بعد ابن زبیر ؓ کو خلیفہ مان لیا۔ (ابن
 اثیر ج ۳، ص ۵۲)

ابن زبیرؓ کی ایک سیاسی غلطی اور اس کا نتیجہ : اس وقت قریباً کل دنیائے اسلام میں ابن زبیرؓ کی خلافت مسلم ہو گئی تھی کہ عین اس وقت انہوں نے ایک فاش غلطی کی کہ بنی امیہ کی اکھڑی ہوئی حکومت پھر قائم ہو گئی۔ یاد ہوگا کہ انہوں نے مکہ اور مدینہ سے بنی امیہ کو نکلوا دیا تھا، لیکن واقعہ حرہ کے بعد یہ لوگ پھر لوٹ آئے تھے۔ یزید کی موت کے بعد ان کی ہمت اتنی پست ہو چکی تھی کہ مروان ابن حکم اموی تک جو مدینہ کا حاکم تھا، ابن زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کیلئے آمادہ ہو گیا تھا (ابن اثیر میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے، ہم نے صرف نتیجہ لکھ دیا ہے) لیکن ابن زبیرؓ کو بنی امیہ سے اتنی نفرت تھی کہ انہوں نے انجام کو سوچے بغیر کل بنی امیہ کو جن میں مروان اور اس کا لڑکا عبدالملک بھی تھا مدینہ سے نکلوا دیا۔ اس وقت عبدالملک چچک میں مبتلا تھا۔ اس لیے مروان کے لیے مدینہ چھوڑنا مشکل تھا، لیکن ابن زبیرؓ نے اسے ایک لمحہ کے لیے بھی نہ تکتے دیا اور مروان کو اسی حالت میں عبدالملک کو لے کر نکل جانا پڑا۔ بعد میں ابن زبیرؓ کو اس غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اس کی تلاش میں آدمی دوڑائے لیکن وہ نکل چکے تھے۔ (ابوالفدا ج۔ ۱ ص ۱۹۲) اس واقعہ نے ابن زبیرؓ اور بنی امیہ دونوں کی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ اگر اس وقت بنی امیہ کو ابن زبیرؓ نے روک لیا ہوتا تو پھر ان کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

شام میں مروان کسی بیعت : مروان مدینہ سے نکل کر شام پہنچا، یہاں کی حالت اس وقت نہایت اتر تھی۔ شام کے کل اضلاع میں ابن زبیرؓ کا اثر تھا، اور یہاں ان کی احکام اور داعی موجود تھے۔ اس کے علاوہ جن قبائل پر بنی امیہ کی قوت کا د اثر تھا، ان میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ قبیلہ قیس ابن زبیرؓ کی حمایت میں تھا، ضحاک بن قیس والی دمشق اس کے لیڈر تھے۔ بنی کلب، بنو امیہ کے ساتھ تھے، لیکن ان میں دو جماعتیں ہو گئی تھیں۔ ایک جماعت مروان بن حکم کی طرفدار تھی اور دوسری خالد بن یزید کی حمایت میں تھی خالد کی دادی، یعنی یزید کی ماں قبیلہ کلب کی تھی اس لئے عام کلبیوں کی ہمدردی اس

کے ساتھ تھی ایک تیسرا نام عمرو بن سعید بن العاص کا بھی لیا جاتا تھا۔ یہ صورت دیکھ کر شام پہنچنے کے بعد بھی مروان نے ابن زبیر ؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لینے کا ارادہ کیا، لیکن اسی دوران میں عبید اللہ بن زید پہنچ گیا۔ اس نے روکا کہ آپ قریش کے سردار ہو کر ابن زبیر ؓ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں؟ ابھی وقت نہیں گیا ہے ہمیں کوشش کرنی چاہیے، مروان کے شام آنے کے بعد بنی امیہ کے موالی اور ان کے حامی اس کے پاس جمع ہو گئے۔ شام میں عبید اللہ بن زبیر ؓ مروان بن حکم اور خالد بن یزید کے حامیوں میں باہم بڑا اختلاف اور ہنگامہ مچا ہوا، لیکن آخر میں بڑے اختلافات کے بعد مقام جابیہ میں بنی امیہ کے حامیوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی اس میں اموی حکومت کے تمام ارکان و عمائد اور سرداران قبائل جمع ہوئے۔ کئی ہفتہ کے اختلاف رائے اور بحث و مباحثہ کے بعد بنی امیہ کے ایک عالی دماغ خیر خواہ روح ابن زباع جذامی نے ایک پر جوش تقریر کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ ”خاندان بنی امیہ میں مروان سے زیادہ تجربہ کار اور سن رسیدہ کوئی نہیں ہے، اس لئے اسے خلیفہ بنانا چاہیئے اور اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید کی حمایت میں تھے انہوں نے بھی اس کی صغریٰ کی وجہ سے مروان ہی کی تاکید کی اور بلا اختلاف سب نے اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور ذیقعد ۶۴ھ میں وہ خلیفہ منتخب ہو گیا۔ مروان کی بیعت سے بنی امیہ کی گرتی ہوئی عمارت سنبھل گئی اور معاویہ بن یزید کی موت کے بعد جو انتشار پیدا ہو گیا تھا وہ جاتا رہا اور بنو امیہ کے کل حامی ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔ اس لئے اسے خلیفہ بنانا چاہیئے اور اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید کی حمایت میں تھے انہوں نے بھی اس کی صغریٰ کی وجہ سے مروان ہی کی تاکید کی اور بلا اختلاف سب سے اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور ذیقعد ۶۴ھ میں وہ خلیفہ منتخب ہو گیا۔ مروان کی بیعت سے بنی امیہ کی گرتی ہوئی عمارت سنبھل گئی اور معاویہ بن یزید کی موت کے بعد جو انتشار پیدا ہو گیا تھا وہ جاتا رہا اور بنو امیہ کے کل حامی ایک مرکز پر جمع ہو گئے۔

مرج رابطہ کا فیصلہ کن معرکہ اور شام پر مروان کا

قبضہ: بنی امیہ کے پایہ تخت دمشق پر ابن زبیر ؓ کے حامی اور قبیلہ قیس کے سردار ضحاک بن قیس کا قبضہ تھا، انہوں نے شروع میں بنی امیہ کی بڑی مخالفت کی تھی، لیکن حالات کا رخ دیکھ کر پھر ان کی طرف مائل ہو گئے تھے، اور جابیہ کانفرنس کے مجوزین میں یہ بھی تھے، لیکن بعد میں پھر خلاف ہو گئے، اور کانفرنس کے زمانہ ہیں میں وہ مرج راہط چلے آئے تھے، اور یہاں بنی امیہ کے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ شام کے ان تمام حکام و عمال نے جو ابن زبیر ؓ کے حامی تھے، انکی مدد کی، چنانچہ نعمان بن بشیر والی حمص، زفر بن حارث والی تفسرین، ناقل بن قیس والی فلسطین نے اپنی اپنی فوجیں بھیجیں۔ ضحاک کے دمشق سے ہٹنے کے بعد بنی امیہ کے ایک حامی یزید بن ابی النعمس نے ان کے نائب کو دمشق سے نکال کر خزانہ اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا اور مال اور اسلحہ سے مروان کی بڑی مدد کی اس سے اس کو بڑی تقویت پہنچی اور اس کے حامی اس کو لے کر ضحاک کے مقابلہ کے آئے مرج راہط پہنچے، محرم ۶۵ھ میں دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی، ضحاک نے فاش شکست کھائی، وہ خود اس معرکہ میں مارے گئے، اور ان کے قبیلہ قیس کی بڑی تعداد کام آئی، شام میں ابن زبیر ؓ کا سب سے بڑا حامی و مددگار یہی قبیلہ تھا، اس لئے اس کی شکست شام کے تمام زبیری داعیوں کی شکست تھی، چنانچہ جہاں جہاں شکست کی خبر پہنچی، ابن زبیر ؓ کے حامی بھاگ نکلے نعمان بن بشیر والی حمص کو اہل حمص نے پکڑ کر قتل کر دیا، زفر بن حارث نے بھاگ کر قریقیسیا میں پناہ لی اور ناقل بن قیس والی فلسطین ابن زبیر ؓ کے پاس بھاگ گئے، اس طرح شام دوبارہ بنی امیہ کے قبضہ میں آ گیا۔

مصر پر قبضہ: شام پر قابض ہونے کے بعد مروان نے مصر پر فوج کشی کی، ایک طرف سے خود بڑھا اور دوسری طرف سے عمرو بن سعید کو روانہ کیا، مصر کی حدود میں داخل ہونے کے بعد ابن زبیر ؓ کا مصری داعی عبدالرحمن بن جحدم مقابلہ کے لئے نکلا، پشت سے عمرو بن سعید پہنچ چکے تھے، اس لئے ابن جحدم کے نکلنے ہی وہ مصر

میں داخل ہو گئے، ابن جہم کو اس کی خبر ہوئی تو لڑنا بیکار سمجھ کر مروان سے بیعت کر لی، اس طرح بغیر کشت و خون کے مصر پر بھی مروان کا قبضہ ہو گیا، مصر پر قابض ہونے کے بعد عبید اللہ بن زید کو عراق روانہ کیا۔ (طبری اور یعقوبی وغیرہ)

ولسی عہدی میں تغیر: یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مروان کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو ابن سعید ولی عہد نامزد ہوئے تھے، لیکن چند مہینوں کے بعد مروان نے ان دونوں کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالملک اور اس کے بعد عبدالعزیز کو ولی عہد بنا دیا۔

وفات: رمضان ۶۵ھ میں مروان نے ذمتِ بغیر کسی علالت کے انتقال کیا، عام خیال یہ ہے کہ اس کی بیوی ام خالد نے اسے مار ڈالا، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مروان کو سیاہی کی حالت کی بنا پر مجبور ہو کر خالد بن یزید کو ولی عہد ماننا پڑا تھا۔ لیکن اس کی ولی عہدی اس کی نگاہ میں براہِ کفایت تھی چنانچہ خالد کی تدبیر کے لئے اس کی بیوہ ماں سے شادی کر لی اور ایک موقع پر اس نے علاقہ خالد اور اس کی ماں و دلوں کے لئے مازیا کلمات استعمال کئے خالد نے اپنی ماں سے اس کی شکایت کی اس نے زہر دے کر یا گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ (طبری اور یعقوبی وغیرہ) انتقال کے وقت مروان کی عمر ۶۳ سال کی تھی اور عدتِ خلافت کل ۱۰ مہینے، اس مختصر مدت میں اسے حکومت کے نظم و نسق کے قیام کا کیا موقع مل سکتا تھا اس لئے بنی امیہ کی حکومت کے قیام کے سوا اس کے عہد کا کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے۔

عبدالملک بن مروان اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

(۶۵ھ تا ۸۶ھ بمطابق ۶۸۶ء تا ۷۰۷ء)

توجہ عبدالملک بن مروان: عبدالملک ۲۶ھ میں پیدا ہوا، تخت نشینی کے وقت ۳۹ سال عمر تھی۔ مروان کی طائف جلا وطنی سے واپسی کے بعد برابر مدینہ میں رہا اور یہاں کے اربابِ علم و کمال سے پورا استفادہ کیا۔ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں سے تھا۔ اس عہد کے بڑے ائمہ اس کے علمی کمالات کے معترف تھے، اگر زمانہ نے اس کو تخت سلطنت پر نہ بٹھادیا ہوتا تو وہ مدینہ کی مسندِ علم کی زینت ہوتا۔

دولتِ علم کے ساتھ ساتھ وہ بڑا امداد، حوصلہ مند، مستقل مزاج اور بجا در تھا۔ بنی امیہ کی تاریخ میں اس کا دور پر آشوب تھا۔ جس وقت اس نے تختِ حکومت پر قدم رکھا ہے، ملک کے تمام اہم حصوں میں انقلاب مچا تھا اور بیک وقت مختلف طاقتیں، عبداللہ بن زبیر، شجاع علی، حوارج، مختار ثقفی، بنی امیہ کے خلاف اور ان سے برسرِ پیکار تھیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی اندرونی اور بیرونی شورشوں کے طوفان مچا ہوئے۔ عبدالملک کے پاس صرف مسرور شام تھے۔ باقی دنیا اسلام کے کل حصے اب زبیر علیہ السلام کے ساتھ تھی ان میں بھی طوائفِ الملوکی تھی۔

عبدالملک نے ان تمام مخالف حالات کا مقابلہ کر کے ان پر قابو حاصل کیا، وہ مشکل سے مشکل اور نازک سے نازک موقع پر ٹکھراتا نہ تھا بلکہ مشکلات و مصائب کے جھوم میں اس کی ہمت و استقلال کے جوہر اور زیادہ چمکتے تھے، اس کی تفصیلات آئندہ معلوم ہوں گی۔

تختِ نشین بنی: مروان کی وفات کے بعد رمضان ۶۵ھ میں عبدالملک تخت نشین ہوا۔ تنویرین کا خروج و خاتمہ: اس کی تخت نشینی کے بعد ہی نو ائمہ کا جو مروان کے زمانہ میں بڑے زور و شور سے اٹھے تھے، خاتمہ ہوا۔ ان کی تاریخ یہ ہے کہ کوفہ ایک ممتاز بزرگ سلیمان بن مرہد جنہیں شرفِ صحابیت بھی حاصل تھا، حضرت علی علیہ السلام کے بڑے فرمایوں میں تھے۔ یہیں سے آپ کو بلاوے کے خطوط جاتے تھے لیکن جب حضرت حسین علیہ السلام کو فتنہ پھیلنے لگا تو سلیمان بن مرہد اور ان کے ساتھی آپ کی کوئی مدد نہ کر سکے اور کر بلا کا خونیں حادثہ پیش آ گیا۔ اس غلطی پر ان کو اور ان کی پوری جماعت کو بڑی مذمت و شرمندگی تھی۔ انہوں نے اس کے کفارہ میں قاتلین حسین علیہ السلام

سے انتقام لینا اپنا فرض قرار دیا اور "لو ائین" اپن لقب رکھا۔ اس جماعت نے یزید ہی کے زمانہ سے خفیہ تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ بہت سے لوگ جو حضرت حسینؑ کا ساتھ نہ دے سکے تھے، اس دعوت میں شریک ہو گئے تھے۔ مروان کے زمانہ ۶۵ھ میں جب ان کی قوت مضبوط ہو گئی تو یہ لوگ سچے ہزار کی جمیعت کے ساتھ نکلے اور حضرت امام حسینؑ کے مزار کی زیارت کرتے ہوئے شام کی طرف بڑھے۔

اس زمانہ میں عبید اللہ بن زید عراق کی بعض مہموں میں مصروف تھے۔ اس لیے اس کا اور لو ائین کا سامنا ہو گیا۔ دلوں میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی، لو ائین بڑی جانبازی سے لڑے لیکن آخر میں شکست ہوئی۔ سلیمان بن صرد اور ان کے تمام بڑے بڑے ساتھی کام آئے اور سچے ہزار لو ائین میں سے بہت چھوڑی تعداد زندہ رہی۔ اس جماعت کا آغاز مروان کے زمانہ سے ہوا تھا لیکن خاتمہ عبدالملک کے زمانہ میں ہوا۔

مسند ابن ابی عیوبہ ثقفی کا خروج اور عواقب پو فیضہ: ۲۲ھ میں ایک شخص مختار بن ابی عبید ثقفی، خون حسینؑ کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا اور عراق پر قابض ہو گیا۔ یہ ایک معمولی اور بے دین لیکن عالمی دماغ اور حوصلہ مند شخص تھا، اس دور کی بد نظمی اور طواغیت اہملو کی دیکھ کر اسے بھی قسمت آزمائی کا حوصلہ ہوا۔ (اخبار المطول ص ۳۱۳)

اس زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کا زور تھا۔ اس لیے وہ حصول مقصد کے لیے ان کے ساتھ ہو گیا اور ان کے مزاج میں بڑا سروسخ پیدا کر لیا۔ (اب سعد ج ۵، ص ۷۱) لیکن جس مقصد کے لئے وہ ان سے ملا تھا، اس کے حصول کی صورت یہاں نظر نہ آتی، تو وہ لو ائین کی تحریک میں جو اسی زمانہ میں اٹھی تھی، مثال ہو گیا۔ یہ تحریک اس مقصد کے لئے بہت مفید تھی۔ اس لیے لو ائین کے خاتمہ کے بعد خود اس کا راہنما بن گیا لیکن عبداللہ بن زبیرؓ سے بھی تعلق قائم رکھا اور ان پر اس کو ظاہر نہ ہونے دیا اور اس تحریک کو دھوکہ دینے کے لیے حضرت زین العابدینؑ سے سر پرستی قبول کرنے کی درخواست کی۔ اس تحریک کے ساتھ ہی اس نے بہت سے گراہن عطا کر اختراع کیے تھے جن سے امام موصوف واقف تھے، اس لیے انہوں نے اس کی درخواست رد کر دی اور مسجد نبویؐ میں تقریر کر کے اس کے کمزور کارکردہ فاش کیا اور فرمایا اس شخص نے محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اہل بیت کی دعوت کو آڑ بٹلا ہے ورنہ اس کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان سے مایوس ہونے کے بعد ان کے سوتیلے چچا محمد بن حنفیہ سے سر پرست بننے کی درخواست کی۔ امام زین العابدینؑ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو روکا کہ اس نے محض لوگوں کو اپنے دام میں پھنسانے کے لیے محبت اہل بیت کا روپ بدلا ہے۔ حقیقت میں اس کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ وہ ان کا دشمن ہے۔ میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیے۔ محمد بن حنفیہؑ نے حضرت عبداللہ بن عباسؑ سے رائے لی۔ اس زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ ان دلوں بزرگوں کو اپنی بیعت کے لیے مجبور کر رہے تھے اور ان کو ان کی جانب سے بڑا خطرہ تھا۔ اس لیے مختار کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ابن عباسؑ نے محمد بن حنفیہؑ کو سر پرستی قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔ (مروج الذهب مسعودی ج ۲ ص ۸۰ ملخصاً حاشیہ الطیب)

محبان اہل بیت کا مرکز عراق تھا، یہ تحریک وہاں زیادہ کامیاب ہو سکتی تھی اس کے علاوہ انقلابی تحریکوں کے لیے وہاں کی آب و ہوا زیادہ سازگار تھی۔ اس لیے محمد بن حنفیہؑ کو سر پرست بنانے کے بعد مختار ان سے عراق میں کام کرنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے ابن زبیرؓ کے خطرہ سے بچنے کے لئے اس کی سر پرستی قبول کر لی تھی لیکن ان کو خود اس پر اعتماد نہ تھا، اس لیے اجازت تو دے دی لیکن اس کی گہرائی کے لیے اپنا ایک آدمی عبداللہ بن کمال ہمدانی ساتھ کر دیا اور اس کو مختار سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کر دی۔ (ابن سعد ج ۵، ص ۷۱)

مختار بڑا عاقب اندیش اور چالاک آدمی تھا، اس لیے اب بھی اس نے ابن زبیرؓ سے تعلق منقطع نہیں کیا کہ اگر اس کی تحریک میں کامیابی نہ ہو، تو ابن زبیرؓ کا دوازدہ اس کے لیے کھلا ہے۔ انہیں اس نے یہ دھوکا دیا کہ عراق میں اس کا قیام ان کے لیے زیادہ مفید ہوگا اور وہاں جا کر شیعان بنی ہاشم کو اپنی امیہ کے مقابلہ میں ان کی مدد پر آمادہ کر لگا۔ ابن زبیرؓ نے بھی اجازت دے دی۔ (مروج الذهب ص ۷۵)

ان دلوں سے اجازت لے کر وہ عراق پہنچا۔ حضرت امام حسینؑ کے حقیقی چائیں امام زین العابدینؑ تھے لیکن وہ مختار کے گون (مطلب) کے نہ تھے، اس لیے اس نے چالاک سے اہل بیت کی تحریک کا رخ آل فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محمد بن حنفیہؑ کی طرف پھیر دیا اور ابن عباسؑ کی طرف علیؑ کا جانشین، ان کا وصی اور مہدی وقت ظاہر کر کے ان کی دعوت شروع کر دی۔ (فرق الشیعہ کوئٹہ ص ۲۳-۲۴) اپنے متعلق نزول وحی کا دعویٰ کیا۔ بدیع یعنی اللہ تعالیٰ سے غلطی کا امکان کا عقیدہ ایجاد کیا اور ایک کرسی کو حضرت علیؑ کی طرف منسوب کر کے اسے بنی اسرائیل کے نبوت سیکڑ کی طرح مقدس اور وسیلہ نقل و نقل قرار دیا۔ (المہمل وائل شہستانی ج ۱، ص ۱۹۹) ان عقائد نے ایک فرقہ کی بنیاد پائی یہ مختاریہ

پیدا کر دیا۔ لوتختی کے بیان کے مطابق کیسان مختار کا لقب تھا۔ اسی نسبت سے اس کا پیدا کردہ فرقہ کیسانہ اور مختاریہ کہلاتا تھا۔ فرقہ اشعر (ص ۲۳، ۲۶) لیکن شہرستانی کے بیان کے مطابق یہ دونوں فرقے تھے۔ کیسانہ حضرت علیؑ کے ایک ساتھی یا غلام کی طرف منسوب ہے۔ (الممل وائل ج ۱ ص ۱۹۶)

کوفہ خدیجان علیؑ کا مرکز تھا۔ یہیں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس سے پہلے لوایتین کی تحریک اٹھ چکی تھی۔ اس لیے مختاریہ تحریک کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے اور اس کا گھر خدیجان علیؑ کا مرکز بن گیا۔

عبد اللہ بن مطہج نے جو اہل زہر بھیجی جانب سے کوفہ کے والی تھے اور ایسا بن نصر افسر پولیس نے اس کی سرگرمی دیکھ کر روک ٹوک شروع کی۔ اس وقت تک مختاریہ دعوت میں زیادہ تر عوام شریک ہوئے تھے۔ کوئی ممتاز اور مقتدر آدمی مددگار نہ تھا۔ اس لیے اس وقت وہ خاموش رہا اور کوفہ کے ایک مقتدر آدمی رکن بن ابراہیم بن اشتر کو جو پرانے خدیجان علیؑ میں تھے لیکن مختاریہ تحریک میں شامل نہ تھے، محمد بن حنفیہ کی جانب سے ایک فرضی خط دے کر ان کو اپنا مددگار بنایا اس کی سماعت حاصل ہو جانے کے بعد مختار کا زور بہت قوی ہو گیا اور ان کے ساتھ مل کر اس نے بے خوف و خطر کار شروع کر دیا۔ (اخبار المطال ص ۲۹۸)

ایسا نے ابراہیم کو بھی روکا اور انہیں دھمکی دی کہ اگر تم نے مختار کے پاس کی آمدورفت نہ چھوڑی تو تم کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ با اثر آدمی تھے۔ انہوں نے اس دھمکی کے جواب میں خود ایسا کو قتل کر دیا۔ عبد اللہ بن مطہج والی کوفہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ابراہیم کی گرفتاری کے لیے آدمی بھیجے۔ انہوں نے ان کو شکست دے کر ان کو مطہج کا محاصرہ کر لیا۔ اب ابراہیم اور مختاریہ طاقت اتنی بڑھ چکی تھی کہ انہیں مطہج مقابلہ نہ کر سکے اور انہیں جان بخشی کر کے چاہا پڑی۔ اب مطہج کی شکست کے بعد کوفہ اور اس کے ساتھ سارے عراق پر مختار کا قبضہ ہو گیا۔ صرف بصرہ اہل زہر کے پاس رہ گیا۔ (اخبار المطال ص ۳۰۰)

مسجد حنبلہ کی قیادت اور رہائی: حجاز میں محمد بن حنفیہ اور اہل زہر عباس نے اہل زہر بھیجی بیعت نہ کی تھی۔ وہ عرصہ سے ان سے بیعت لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن اب تک جبر نہ کیا تھا۔ عراق پر مختار کے قبضہ کے بعد جب ان پر اس کی حقیقت ظاہر ہوئی اور محمد بن حنفیہ اور اہل زہر عباس سے اس کا تعلق معلوم ہوا، اس وقت انہوں نے اہل زہر پر دباؤ ڈالا اور ان کو بعض روایتوں کے مطابق اہل زہر عباس سے اس کا تعلق معلوم ہوا، اس وقت انہوں نے اہل زہر پر بیعت نہ کر کے لوٹنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن کوفہ کے والی نے ان کو قتل کر دیا۔ اس نے فوراً ان کو چھڑانے کے لیے تھوڑی سی فوج اور چار لاکھ درہم بھیج دی۔ اس فوج نے مکہ پہنچ کر محمد بن حنفیہ کو قید سے نکالا۔ (اہل زہر ج ۲ ص ۲۰۶، ۲۰۷)

قتال میں حسینؑ سے انتقام: اس کے بعد کوفہ کے ان تمام لوگوں کا پیٹ لگا کر جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت میں کسی قسم کا حصہ لیا تھا، قتل اور ان کا مال و متاع ضبط کیا۔ (اہل زہر ج ۲ ص ۲۰۶، ۲۰۷)

اور پھر واقعہ کربلا کی شامی فوج کے افسروں کے قتل کے لیے فوجیں روانہ کیں اور چند دنوں میں شہر ذی الجوشن، نعلی، عمرو بن سعد اور عبد اللہ بن زید وغیرہ قاتلین حسینؑ کا چن چن کر خاتمہ کر لیا اور ان زیادہ تر کلمہ کر کے حضرت زین العابدینؑ کے ملا حظہ کے لیے مدینہ بھیجا، اس کی یہ کارگزاری ایسی تھی کہ امام موصوف بھی بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکے اور ان زیادہ تر کلمہ کر آپ کے لیے پڑھنے لگی۔

عربوں کی تحقیر اور ان سے جنگ: مختاریہ قوت بازو زیادہ تر بھیجی تھے۔ انہی کے مل پر اس کی تحریک چل رہی تھی۔ عرب اس میں کم شریک تھے۔ اس لیے حصول اقتدار کے بعد اس نے عجمیوں کے مراتب بڑھائے انہیں اکرام و انعام سے نوازا، ان کے مقابلہ میں عربوں کے ساتھ اس کا سلوک نہایت حقارت آمیز تھا۔ اس لیے اشراف عرب اس سے بگڑ گئے اور انہوں نے کہا، یہ کذاب، بنی ہاشم کی سماعت کے پردہ میں دنیا طے کرتا ہے اور سب اس کے مقابلہ کے لیے متحیر ہو گئے۔ مختار کو اس کا علم ہوا تو اس نے عجمیوں سے کہا کہ "عرب صرف تمہاری جبر سے میرے خلاف ہو گئے ہیں، اس لیے تم کو وفاداری کا ثبوت دینا چاہیے" اور انہیں لے کر عربوں کے مقابلہ کے لیے نکلا اور سین موقع پر اس نے بعض قبائل عرب کو ملا لیا۔ اس لیے عرب شکست کھا گئے اور ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی، مختار نے قیدیوں کے سر کلمہ کر دیا۔

مصعب بن زبیر اور مختار کا مقابلہ: انہیں شکست دینے کے بعد کوفہ کے عرب عمائد و شرفاء کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ اس لیے یہ لوگ بھاگ کر بصرہ پہنچے اور ان زہر بھیجی کے بھائی مصعب سے، جو ان کی جانب سے بصرہ کے والی تھے، فریاد کی کہ اس کذاب نے ہمارے اچھے لوگوں کو قتل کیا، ہمارے گھروں کو ڈھا دیا، ہمارا شیرازہ برہم کیا، عجمیوں کو ہمارے سروں پر مسلط کیا، ہمارا مال ان میں لٹایا۔ آپ ان کے مقابلہ کے لیے نکلے، ہم سب آپ

کے ساتھ ہیں۔

مختار مصعب کا حریف بنی تھا، عربوں کا سپہا را پا کر وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور اپنے نامور سالار مہلب بن ابی صفر کو، جو خارجیوں سے برسرِ پیکار تھے، واپس بلا کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے ایک افسر احمد بن سلیط کو ساتھ بڑا فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ دوسری طرف سے مصعب خود فوجیں لے کر نکلے۔ مدار میں دونوں کا مقابلہ ہوا، ایک خون ریز معرکہ کے بعد احمد بن سلیط نے شکست کھائی۔ اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ باقی حصہ کو فلولٹ کیا۔ مصعب اتفاقاً قہر کرتے ہوئے کوفہ تک چلے گئے۔

مستحضر کا خیال ہے: احمد بن سلیط کی شکست کے بعد مختار جو کوفہ بنی میں موجود تھا، خود مقابلہ میں آیا لیکن اس نے بھی فاش شکست کھائی اور اس کی فوج بری طرح محلول ہوئی اور پسا ہو کر گوز میں تلبہ بند ہو گیا۔ مصعب نے محاصرہ کر لیا، کال چار مہینے تک محاصرہ قائم رہا۔ مختار نے جب دیکھا کہ رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی، چلو وہ جان پر کھیل کر نکل آیا اور اپنے معتد علیہ امیر سائب بن مالک کلبن سے کہا کہ: "اب وقت آ گیا ہے کہ ہم دین کے لیے نہیں بلکہ حسب کے لیے آخری مقابلہ کر لیں۔" اس وقت سائب پر اس کی حقیقت ظاہر ہوئی، انہوں نے کہا: "دو تیاو اب تک یہ سمجھتی تھی کہ تم دین کے لیے یہ جان بازی دکھا رہے ہو۔" مختار نے جواب دیا: "نہیں، میری عمر کی قسم، یہ سب محض حصول دنیا کے لیے تھا۔ میں نے دیکھا کہ شام عبدالملک کے پاس ہے، حجاز عبداللہ بن زبیرؓ کے قبضہ میں ہے، بصرہ مصعب کے زیرِ حکومت ہے، مروزش پر خیز خوری قابض ہے اور خراسان پر عبداللہ بن حازم کا قلعہ ہے اور میرے حصہ میں کچھ بھی نہیں، اس لیے میں نے بھی قسمت آزمائی کی لیکن خون حسینؓ کے انتقام کی دعوت کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی تھی اس لیے اس کو حصول مقصد کا آلہ بنایا۔" (اخبار الطوال ص ۳۱۳)

اس کے بعد اپنے خاص دستہ کو لے کر ہر گھلا اور بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ مصعب کا مقابلہ کیا لیکن اب اس کی قوت ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے اس کو شکست ہوئی اور اس کا حفاظتی دستہ پسا ہو کر قصر مارٹ میں داخل ہو گیا لیکن مصعب کے آدمیوں نے مختار کو داخل نہ ہونے دیا اور چند سو آدمیوں کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا اور لڑتے لڑتے مارا گیا۔ مصعب نے اس کا سر قلم کر کے ابن زبیرؓ کے پاس بھیجا۔ مختار کے قتل کے بعد اس کے قوت بازو شتر بن مالک ابن زبیرؓ کے ساتھ ہو گئے اور عراقی پھر ابن زبیرؓ کے قبضہ میں آ گیا۔ (اخبار الطوال ص ۳۱۴)

خارجیوں کا ہند گناہ: مختار کے علاوہ عبداللہ بن زبیرؓ کو دوسری جس مخالف قوت کا مقابلہ کرنا پڑا، وہ خارجی تھے۔ یہ اصل میں بنی امیہ کے حریف تھے بلکہ ان کی بنیاد ہی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے اختلاف کے سلسلے میں پڑی تھی، چنانچہ معاویہؓ اور زبیرؓ دونوں کے زمانہ میں اٹھے اور بڑید اور ابن زبیرؓ کی جنگ میں انہوں نے ابن زبیرؓ کا ساتھ دیا تھا لیکن اپنے عقیدہ میں بڑے سخت تھے۔ شیعینؓ کے علاوہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو (نعموذاہد) گمراہ اور ان کے ماننے والوں کو کافر اور مباح الدم سمجھتے تھے۔ اس لیے ابن زبیرؓ سے بھی ان کے نزدیک جہاد واجب تھا۔ پہلے انہوں نے بڑید کی مخالفت میں ان کا ساتھ دے دیا تھا لیکن بعد میں اس پر مدامت ہوئی اور انہوں نے ابن زبیرؓ سے حضرت عثمانؓ کے بارے میں ان کی رائے پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ: "میں ان کا دوست اور ان کے دشمنوں کا دشمن اور تم لوگوں کے عقائد سے بری ہوں۔" یہ جواب سن کر ان کا سر دارا بنخ بن اریق ان کا ساتھ چھوڑ کر عراقی چلا گیا۔

عراق اس وقت ابن زبیرؓ کے قبضہ میں تھا۔ اس لیے خوارج ان کے مقابلہ میں آ گئے اور انہوں نے عراق میں بڑی شورش مچا کی۔ ابن زبیرؓ کے بھری والی عبداللہ بن حارث نے ان کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں، مانع مارا گیا لیکن خوارج کا زور نہ ٹوٹا اور ان کی شورش کی وجہ سے بصرہ کی آبادی خطرہ میں آ گئی۔ اہل بصرہ نے عبداللہ بن زبیرؓ سے فریاد کی۔ انہوں نے مہلب بن ابی صفر کو خارجیوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ انہوں نے بڑی خون ریز لڑائیوں کے بعد جس میں فریقین کے بہت سے آدمی کام آئے، بصرہ سے خارجیوں کو ہٹا، یہاں سے لپٹے کے بعد وہ فارس کی طرف نکل گئے۔

اسی زمانہ میں مانع بن اریق کا ایک ساتھی خبرہ بن عامر حروری اپنی علیحدہ جماعت، بنا کر بحرین میں اٹھا اور یہاں کے حاکم اور عرب سرداروں کو شکست دے کر یمامہ صنعا اور عمان و غیرہ پر قابض ہو گیا لیکن پھر اس کی جماعت میں پھوٹ پڑ گئی۔ کچھ لوگ اس کے خلاف ہو گئے۔ انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنا سپردار بنالیا۔ خبرہ روپوش ہو گیا۔ ابن زبیرؓ کے آدمیوں نے اسے ڈھونڈ کر قتل کر دیا۔

خوارج بڑے بہادر اور جانناز تھے۔ ان کی قوت عارضی طور سے دب جاتی تھی لیکن لوثی مذہبی اور وہ موقع پاتے ہی پھر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اس لیے مہلب بن ابی صفر بھی ان کا اتھصال نہ کر سکے اور ۶۸ھ میں فارس کے

خارجیوں نے پھر زور پکڑا۔ مصعب نے مہلب کو ہٹا کر عمر بن عبد اللہ بن عمر کو ان کی جگہ مامور کیا۔ انہوں نے مصر اور سیلو وغیرہ میں انہیں شکست فاش دی۔ فارس میں شکست کھانے کے بعد انہوں نے پھر عراق کا رخ کیا۔ عمر بن عبد اللہ بھی تعاقب میں نکلے۔ دوسری طرف سے مصعب روکنے کے لیے بڑھے۔ خارجی اپنے کو دوستوں سے محصور دیکھ کر مدائن چلے گئے اور یہاں کے باشندوں پر بڑے مظالم ڈھائے۔ عورتوں اور بچوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالے اور سلاطین ایسے ہی وحشیانہ مظالم کرتے ہوئے کوفہ کی طرف بڑھے۔ ابراہیم بن اشتر اہل کوفہ کو لے کر مقابلہ کے لیے آئے۔ انہیں دیکھ کر خارجی مدائن سے ہوتے ہوئے شہر سے کی طرف چلے گئے۔ یہاں کے والی یزید بن حارث نے مقابلہ کیا۔ خوارج نے انہیں قتل کر دیا۔ شہر سے کے بعد اصغہاں کا رخ کیا۔ یہاں کا والی عتاب بن مہنیہ تک مدافعت کرتا رہا۔ جب اس کا کل سامان ختم ہو گیا۔ اس وقت باہر نکل کر اس نے مقابلہ کیا اور خوارج کے سردار زبیر بن حور گوئل کر دیا اور اس کا کل سامان ان کے قبضہ میں آیا۔ زبیر کے قتل کے بعد خارجیوں نے قنفرہ بن ثبأت کو اپنا سردار بنایا اور مختلف مقاموں پر تاخت و تاراج شروع کر دی۔ ان کی شورش دیکھ کر مصعب نے پھر مہلب بن ابی صفرہ کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا۔ انہوں نے کابل آٹھ مہینوں تک پوری کامیابی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ انہیں یہ مقابلہ جاری تھا کہ ابن زبیر ۱۱ھ کا خاتمہ ہو گیا اور خوارج کا رخ عبد الملک کی طرف مڑ گیا۔ جس کے حالات عبد الملک کے دور میں آئیں گے۔ (طبری ابن اثیر وغیرہ میں ان لڑائیوں کی تفصیل بہت طویل ہے، ہم نے صرف خلاصہ لکھا ہے)

عبد اللہ بن الحارث بن اعرجی کی مخالفت ۶۸۰ھ میں ایک ویدار بزرگ عبد اللہ بن الحارثی نے عراق میں مصعب بن زبیر ۱۱ھ کے خلاف علم بلند کیا۔ یہ خلافت راشدہ کا زمانہ دیکھتے ہوئے تھے اور اس دور کی مہمات میں شریک رہ چکے تھے۔ اس لیے اس زمانہ کے مدعیان خلافت کو خالص و نیا ارتقا ور کرتے تھے اور اس کی روش کو پسند نہ کرتے تھے۔ مصعب اور حارث کے مقابلہ میں انہوں نے مصعب کا ساتھ دیا تھا لیکن پھر ان کی بدسلوکی کی وجہ سے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور دلوں میں عرصہ تک محرک آرائی ہوتی رہی۔ ان کی مخالفت میں عبد اللہ عبد الملک سے مل گئے۔ اس نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مال اور فوج سے ان کی مدد کی اور عبد اللہ پھر مقابلہ میں آ گئے لیکن حارث بن ربیعہ والی کوفہ نے موقع نہ دیا اور فوراً ان سے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کر دیں۔ عبد اللہ کے ساتھیوں نے عذر کیا کہ وہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس لیے انہوں نے تنہا مقابلہ کیا اور اس ہپا دردی سے لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چور ہو گیا۔ جب لڑنے کی سکت باقی نہ رہی تو سختی پر بیچھ کر نکل جانا چاہا لیکن ایک شخص نے پکڑ لیا۔ عبد اللہ نے جب دیکھا کہ وہ دشمن کے حوالے کر دیے جائیں گے تو وہ بیچ اس آدمی کے کتے سے کود پڑے اور دلوں غرق ہو گئے۔

عمر بن سعد اموی کا قتل: اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مروان نے خالد بن یزید اور عمرو بن عبد کا نام ولی عہد سے خارج کر کے اپنے لڑکے عبد الملک کو ولی عہد بنایا تھا۔ خالد کم سن تھا۔ اس میں کوئی حوصلہ بھی نہ تھا۔ اس لیے خاموش ہو گیا لیکن عمرو بن سعید میں جان تھی۔ اس کی جانب سے عبد الملک کو ہمیشہ فخر رہا چنانچہ وہ اس کو اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

۶۹ھ میں عبد الملک، زفر بن حارث والی ترقیسیا کے مقابلہ کے لیے جو ان بن زبیر ۱۱ھ کا حامی تھا، نکلا۔ یقوتی کا بیان ہے کہ عمرو بن سعید حسب معمول اس کے ساتھ تھا، لیکن قمر بن سے موقع پا کر دمشق لوٹ گیا۔ (یعقوبی ج ۳، ص ۳۲۲، ۳۲۳) ابن اثیر وغیرہ کا بیان ہے کہ عبد الملک نے اسے دمشق میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ ہر حال عبد الملک کی عدم موجودگی میں عمرو بن سعید نے اس کے نائب عبد الرحمن بن عثمان کو نکال کر دمشق پر قبضہ کر لیا۔ عبد الملک کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً دمشق واپس آیا عمرو بن سعید نے مقابلہ کیا لیکن عبد الملک نے مصلحتاً اسے ولی عہد مان کر صلح کرنی اور دمشق داخل ہو گیا لیکن ان میں سے کسی کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ تھا، دلوں ایک دوسرے سے کھینچتے تھے۔ عبد الملک موقع کا منتظر رہا اور بالآخر ایک دن جب عمرو بن سعید حسب معمول عبد الملک کے پاس گیا یا اس نے خود بلا بھیجا اور پہلے سے آدمی چھپا دیے، جیسے ہی عمرو پہنچا، عبد الملک نے اسے زنجیروں میں کسوا کر قتل کر دیا۔ عمرو بن سعید کہتا رہا: "یہ دھوکہ ہے" عبد الملک نے جواب دیا: "وَلَوْ اَنَّكَ بَحْثُوكَ اَنَّكَ لَتَقِيَنَّ هَؤُلَاءِ دُولُوكَ" کے ایک ساتھ رہنے میں کوئی ناگوار صورت نہ پیش آئے گی اور میری رعایت کے ساتھ تم بھی میرے ساتھ رعایت کرو گے میں تم کو چھوڑ دیتا لیکن دو حکمران ایک ملک میں نہیں رہ سکتے۔ یقیناً ایک دوسرے کو نکالنے کی کوشش کرے گا۔ (یعقوبی ج ۳، ص ۳۲۲، ۳۲۳ و ابن اثیر ج ۳، ص ۱۱۶، ۱۱۷)

شمام یسر رومیوں کا حملہ اور ان سے صلح: ۷۰ھ میں رومیوں نے شام پر حملہ کے لیے اجتماع کیا،

عبدالملک کو اس وقت ابن زبیر سے پناہ تھا اس لیے اس نے ایک ہزار دینار فی ہفتہ پر صلح کر لی۔

بصرہ پر عبدالملک کی فوج کشی اور مصعب بن زبیر کا خاتمہ: حجاز کے خاتمہ کے بعد ابن زبیر کا اصل حریف عبدالملک کے مقابلہ میں آتا مبینی تھا، اس کے علاوہ عراق پر مصعب کا قبضہ عبدالملک کے لیے بہت مضرت تھا۔ اس لیے عمرو بن سعید کی جانب سے اطمینان اور قصر روم سے مصالحت کے بعد اٹھ مہینوں پوری قوت کے ساتھ اس نے عراق پر فوج کشی کر دی۔ مصعب بن زبیر بھی پوری تیاری کے ساتھ مقابلہ میں آئے لیکن عین موقع پر عبدالملک نے مصعب کے بہت سے آدمیوں کو رشوت کے ذریعہ ملا لیا۔ عراق کے مروانی بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ مصعب کے دست راست ابراہیم بن اشتر کو بھی ملانے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہیں ہوئی۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۱۱۹)

دیر جاٹین میں دونوں کا مقابلہ ہوا، اگرچہ مصعب کی قوت کی قوت کمزور پڑ چکی تھی لیکن بڑی شجاعت کے ساتھ انہوں نے مقابلہ کیا۔ ابراہیم نے جن کو مبینی امیہ سے بڑی نفرت تھی، بڑی جاہ بازی دکھائی اور اموی فوج کو کمزور کر دیا لیکن تا زہم امداد نے ان کے حالت سنبھال لی۔ (اخبار الطوال ص ۳۷، طبری ج ۸، ص ۸۰۳)

ابراہیم کی شجاعت دیکھ کر قبیلہ ربیعہ میں جو مصعب کی فوج کا اہم حصہ تھا۔ محض رشک و حسد کی بنا پر جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس سے مصعب کی قوت اور زیادہ کمزور ہو گئی لیکن ابراہیم کی شجاعت نے اس کی کوششوں نہ ہونے دیا۔ اس لیے اموی فوج ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑی اور ان کا کام تمام کر دیا۔ ان کے بعد مصعب کے لڑکے عیسیٰ نے اسی بھاری دے سے لڑ کر جان دے دی۔ ان دونوں کے قتل سے مصعب کی قوت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ تاہم وہ تنہا ہی مقابلہ کرتے رہے۔

عبدالملک اور مصعب کے تعلقات بہت قدیم تھے۔ سیاست کی بازی نے ایک کو دوسرے کا حریف بنا دیا تھا۔ اس لیے عبدالملک ان کے خون سے بچنا چاہتا تھا اور اب اس کو ان سے کوئی خطرہ بھی باقی نہ رہ گیا تھا، چنانچہ اس نے اپنے مشیروں کی مخالفت کے باوجود ان کے پاس جان بخشی کا پروانہ بھیج دیا کہ وہ جہاں چاہیں نکل جائیں لیکن عین اس وقت ایک شامی عبید اللہ بن علیسان نے ان کو قتل کر دیا۔ (طبری ج ۸، ص ۸۰۶) اور ان کا سر کلم کر کے عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا، اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا کہ اب قریش میں ایسے آدمی کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مصعب کے قتل کے بعد عراق پر عبدالملک کا قبضہ ہو گیا اور عراقیوں نے اس کی بیعت کر لی۔ (مروج الذهب مسعودی ج ۲، ص ۵۲۲، ۵۲۳)

حرم کا محاصروہ اور ابن زبیر کا خاتمہ: مصعب کے قتل اور عراق پر عبدالملک کے قبضہ کے بعد ابن زبیر کا مابقی حالت اور فوجی قوت کمزور ہو گئی اور عبدالملک کے لیے ان کا زیر کر لینا آسان ہو گیا، چنانچہ اٹھ مہینوں میں اس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن زبیر سے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ و حرم میں تلخہ بند تھے۔ حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر کے سب باری شروع کر دی۔ کئی مہینے تک مسلسل محاصرہ قائم رہا اور بڑی شدت کی تنگداری ہوئی رہی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔ (طبری ج ۸، ص ۸۲۳)

ابن زبیر نے بڑی شجاعت اور استقلال کے ساتھ مدافعت کرتے رہے لیکن ان کی مدد کے تمام ذرائع بند ہو چکے تھے۔ باہر سے کسی قسم کی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی اور کوئی مدد پہنچانے والا بھی باقی نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے کچھ دنوں میں ان کا سامان و سرد بالکل ختم ہو گیا اور مکہ میں نہایت سخت قحط پڑ گیا۔ ہر چیز سونے کے بھاؤ بکھنے لگی۔ محصورین کو کھوڑے ذبح کر کے کھانے کی کوبت آ گئی۔ ان حالات سے گھبرا کر ابن زبیر کے دس ہزار آدمی حجاج کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے لیکن ابن زبیر کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور وہ اس حالت میں بھی براہِ لڑتے رہے آخر میں ان کے لڑکوں تک نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ (ابن اثیر ج ۲، ص ۲۸۶)

عبدالملک، ابن زبیر کے ساتھ رعایت کرنے کے لیے آمادہ تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مقابلہ جاری رکھنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو اپنی ماں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے امیر! میرے تمام سامانی ایک ایک کر کے مجھ سے الگ ہو گئے ہیں۔ میرے لڑکوں تک نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ جو چند جان نثار باقی رہ گئے ہیں ان میں بھی مقابلہ کی تاب نہیں ہے۔ ہمارا دشمن ہمارے ساتھ رعایت کرنے پر آمادہ ہے۔ ایسی حالت میں آپ کیا فرماتی ہیں۔ اس سوال پر صدیق اکبر کے بیٹی نے آمادہ قتل سے بڑے کوجو جواب دیا اس پر عورتوں کی نارنجی ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ 'فرمایا بیٹا! تم کو اپنی حالت کا اندازہ خود ہوگا۔ اگر تم حق پر ہو اور حق کے لیے لڑتے ہو اب بھی اس کے لیے لڑو کہ تمہارے بہت سے ساتھیوں نے اس کے لیے جان دی ہے اور اگر دنیا علی کے لیے لڑتے تھے تو تم سے برا کون اللہ کا بندہ ہوگا کہ خود اپنے آپ کو بلا کرت میں ڈالا اور اپنے ساتھ کتنوں کو ہلاک کیا، اگر یہ عذر ہے کہ حق پر ہو لیکن اپنے مددگاروں کی وجہ سے مجبور ہو گئے ہو تو یہ درکھو شرابیوں اور پنداروں کا یہ شوق نہیں ہے۔ تم

کو کب تک دنیا میں رہنا ہے، جاؤ حق پر جان دینا، دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔“ یہ جواب سن کر امین زہیر رحمہ اللہ نے کہا: ”اماں مجھے خوف ہے کہ میرے دل کے بعد نبی امیر میری لاش کو منسلک کر کے سوئی پراٹھا میں گئے۔“ یہاں درماں نے جواب دیا: ”بیٹا ذبح ہونے کے بعد بکری کی کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ جاؤ اللہ سے دعا مانگ کر اپنا کام پورا کرو۔“

اس کے بعد امین زہیر رحمہ اللہ نے اپنے صفائی پیش کی۔ حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”میں ہر حالت میں صبر و شکر سے کام لوں گی، اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تو صبر سے کام لوں گی اور اگر کامیاب ہوئے تو تمہاری کامیابی پر خوش ہوں گی۔“ پھر بیٹے کو دعا کیں دیں اور گئے گا کر رخصت کیا کہ ”جاؤ بسم اللہ اپنا کام پورا کرو۔“ ماں سے رخصت ہو کر وہ سیدھے رزمگاہ پہنچے اور بڑی شجاعت و بہادری کے ساتھ لڑے۔ ان کے صف شکن حملوں کو دیکھ کر شاہیوں نے پورا زور صرف کر دیا اور بڑھتے ہوئے حرم کے چھانک تک پہنچ گئے۔ امین زہیر رحمہ اللہ کے ساتھ بہت چھوڑے آدمی رہ گئے۔ وہ شاہیوں کے ریلے کی تاب نہ لائے لیکن امین زہیر رحمہ اللہ نے منہ نہ موڑا اور اسی بہادری کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔

یہ واقعہ برادری الثانی ۳۷ھ میں پیش آیا۔ (یہ واقعات مستدرک حاکم ج ۳، مذکرہ عبد اللہ بن زہیر و امین اشیر ج ۲، ص ۲۸۸، ۲۸۹ اور اخبار الطوال سے منسلک مآخذ میں)

امین زہیر رحمہ اللہ کا فطرہ بالکل صحیح نکلا۔ حجاج نے لاش کو لی پراٹھا لی کئی دن کے بعد حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہا کا گزر ادھر سے ہوا۔ انہوں نے دیکھ کر فرمایا: ”ابھی یہ مہسوار سواری سے نہیں اتر آئے۔“ (یعنی ج ۲، ص ۳۲۸)

عبدالملک کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حجاج کو لکھ کر لاش واپس دلائی اور قریش کا یہاں مورفہ زندہ مقام جنوں میں سہرہ خاک کیا گیا۔ قتل ہونے کے وقت ۷۷ سال کی عمر تھی، مدت خلافت سات برس۔

نظام حکومت: امین زہیر رحمہ اللہ چند سال تک قریب قریب کل دنیا سے اسلام اور سات برس تک حجاز اور عراق کے حکمران رہے لیکن اس مدت میں ان کو ایک دن کے لیے بھی سکون و اطمینان میسر نہ آیا اور پوری مدت جنگ و جدل میں بسر ہوئی۔ اس لیے ان کے دور پر انتظامی اور تعمیری حیثیت سے نظر ڈالنا بے کار ہے۔ ایسے مخالف حالات میں سات برس تک اپنی جگہ پر قائم رہنا ہی ان کا بڑا کارنامہ ہے۔

تعمیر و کعبہ: تاہم ان حالات میں بھی انہوں نے بعض مفید اور یادگار کام انجام دیے۔ ان میں خانہ کعبہ کی ازسر نو تعمیر ان کا قابل ذکر کارنامہ ہے۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل قریش نے ایک مرتبہ خانہ کعبہ کی عمارت جو بہت بوسیدہ ہو گئی تھی، ازسر نو تعمیر کی تھی، لیکن سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اس کا تھوڑا سا حصہ جسے اب ”حطیم کہتے ہیں چھوٹ گیا تھا۔

یہ چھوٹا حصہ اصل بنیاد پر ابھی قائم تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ کی خواہش تھی کہ اسے بھی مثالی کر کے بنیاد پر ابھی پر دوبارہ عمارت تعمیر کی جائے اور اس کا دروازہ جسے قریش نے عمدہ آس لیے زمین سے اونچا رکھا تھا نہایت بغیر اجازت کے کوئی شخص اس کے اندر نہ داخل ہو سکے، زمین کے برابر کر دیا جائے اور مشرق و مغرب کی جانب دروازے کھول دیے جائیں لیکن ابھی لوگوں کے دلوں سے جاہلیت کے اوہام پوری طرح سے دور نہ ہوئے تھے۔ اس ترمیم سے قریش کے بھڑک جانے کا خطرہ تھا، اس لیے آپ اس خواہش کو عمل میں نہ لائے۔ (بخاری باب فضل مکہ و بنیائے)

نبی امیر اور امین زہیر رحمہ اللہ کے معرکوں میں کعبہ کی عمارت کو زیادہ نقصان پہنچا۔ اس لیے امین زہیر رحمہ اللہ نے اسے گرا کر آنحضرت ﷺ کے پیش نظر نقشہ کے مطابق ازسر نو تعمیر کرایا۔

اس تعمیر میں انہوں نے حطیم کے چھوٹے ہوئے حصہ کو بھی عمارت میں شامل کر کے طول میں دس ہاتھ کا اضافہ کر دیا اور مشرق و مغرب کی جانب دو دروازے زمین سے لگا کر کھول دیے کہ اندر جانے والوں کو زحمت نہ ہو۔ (مسلم نقش الکعبہ و بنیائے) یہ تاریخ کا عبرت انگیز واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پہلے حبشہ کے بادشاہ ابرہہ اشرم نے جو ہاتھوں کا غول لے کر کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا تھا، کعبہ کے مقابلہ میں اس کی مرکزیت کو ٹوٹنے کے لیے یمن میں ایک کیمپ تعمیر کر لیا تھا۔ امین زہیر رحمہ اللہ نے اسی عمارت کو گرا کر اس کے نقشہ پر پھر پچھڑا کر دوبارہ دوسرے عمارتی سامانوں کو خانہ کعبہ کی عمارت میں لگایا۔ (مروج الذهب مسعودی ج ۲، ص ۳۹۱)

فضائل و کمال: امین زہیر رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامن میں پرورش پائی تھی۔ اس لیے فضل و کمال کے لحاظ سے وہ اپنے معصروں میں ممتاز تھے۔ قرآن کے بہت اچھے قاری تھے۔ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رحمہ اللہ آپ کی قرأت کے مترف تھے۔ (بخاری کتاب المغیر باب ۱۱، تفسیر اذہانی الفار)

احادیث میں خود آنحضرت ﷺ حضرت زہیر بن عوام، حضرت عائشہ خلعائے راشدین اور بعض دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے خوشہ چینی کی تھی۔ ان کی ۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی

خاص و متبع ہے۔ (تہذیب التہذیب و تہذیب الکمال ترجمہ عبد اللہ بن زہیر رحمہ اللہ)۔۔۔ فقہ میں اتاد رک تھا کہ مدینہ کے صاحب علم و افتاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے۔ (اعلام المتوہین ج ۱، ص ۱۳) عربی کے علاوہ مختلف زبانوں سے واقفیت تھی۔ ان کے غلام مختلف قوم اور نسل کے تھے اور وہ ان سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ (متدرک ج ۳، ص ۵۴۹) بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ عثمان بن طلحہ کا بیان ہے کہ فصاحت و بلاغت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ (تاریخ الکھلفاء ص ۲۱۳) اس کی تصدیق ان تقریروں سے ہوتی ہے جو تاریخوں میں موجود ہیں، جاہل نے کتاب البیان و التمیز میں بھی ان کی ایک تقریر نمونہ نقل کی ہے)

فصل مسائل اخلاقی اور مہذبہ زندگی: فضائل اخلاق کے لحاظ سے ان کی زندگی نمونہ تھی۔ وہ عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ کا پیکر تھے۔ ان کی نماز ہو تو غنیمت ﷺ کی نماز کی تصویر تھی۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۲۸۹) اس سکون و استغراق کے ساتھ نماز پڑھتے تھے کہ قیام کی حالت میں بے جان ستون معلوم ہوتے تھے۔ (اصابہ ج ۳، ص ۷۰) رکوع اتنا طویل ہوتا تھا کہ دوسرے لوگ سورہ بقرہ ختم کر دیتے اور ان کا رکوع تمام نہ ہوتا۔ (اصابہ ج ۳، ص ۱۶۲) عہدہ کی طوالت اور استغراق سے چٹیاں اڑاڑ کر پیٹھ پر نہکتی تھیں۔ (ابن اثیر ج ۳، ص ۳۹۲) تاریخ الکھلفاء ص ۲۱۳) خانہ کعبہ کے محاصرہ کے زمانہ میں جب ہر طرف سے تنگباری ہوتی تھی، وہ نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ حکیم میں نماز پڑھتے تھے۔ (متدرک ج ۳، ص ۵۵۲) روزہ اور حج وغیرہ تمام ارکان سے نبی ذوق و شغف تھا، اس کے واقعات طبقات صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں مذکور ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رحمہ اللہ جو زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے، ان کی مذہبی زندگی کے مرقعہ تھے۔ (تاریخ الکھلفاء ص ۲۱۶)

پہا بندی سنت: کسی کام میں سنت نبوی ﷺ کا سرشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے اور ان کے بھائی عمرو بن زہیر رحمہ اللہ کے درمیان کسی معاملہ میں تنازع ہو گیا۔ سعید بن عاص حاکم مدینہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ اس نے دونوں کے مرتبہ کے خیال سے پہلو میں جگہ دی، عمرو کو بیٹھ گئے لیکن ابن زہیر رحمہ اللہ نے انکار کر دیا کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس طریقہ سے فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو حاکم کے سامنے بیٹھنا چاہیے۔ (بخاری کتاب الادب باب ابجر دائیں یہ واقعہ مفصل ہے)

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہما کی خدمت: امہات المؤمنین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ابن زہیر رحمہ اللہ کی خالہ تھیں۔ انہی کے دامن میں انہوں نے پرورش پائی تھی۔ اس لیے ان کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی فیاض تھیں۔ ابن زہیر رحمہ اللہ جو کچھ دیتے وہ سب خرچ کر ڈالتیں۔ ایک مرتبہ ابن زہیر رحمہ اللہ کی زبان سے اس کی شکایت نکل گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے تکلیف پہنچی۔ انہوں نے ابن زہیر رحمہ اللہ سے ترک کلامی کی قسم کھائی۔ ان کو اس سے بڑی پریشانی ہوئی اور مختلف ویلیوں سے غلو قصیر کی کوشش کی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی قسم توڑنے پر آمادہ نہ ہوئی تھیں۔ آخر میں بری دشواری، سفارشوں اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد لانے کے بعد کہ ”کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی قسم توڑ دی اور اس کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیے اور خالہ بھانجے میں پھر مہر و وصیت کے تعلقات قائم ہو گئے۔ (بخاری کتاب الاما زبانی باب برکتہ الاما زبانی مال)

شجاعت و بہادری: ابن زہیر رحمہ اللہ قریش کے شجاع ترین لوگوں میں تھے۔ ہر معرکہ میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان کی پوری زندگی شجاعانہ کارناموں سے معمور ہے جس کے واقعات اوپر گزر چکے ہیں۔ یہ ان کی شجاعت ہی تھی کہ نبی امیرؐ جیسی باجروں و حکومت کا ساتھ تک مقابلہ کرتے رہے۔

حوادث و حقی گوئی: شجاعت ہی کا ایک رخ برآئے ہو یا کی اور حین گوئی ہے۔ ابن زہیر رحمہ اللہ سے جری اور حین گوئی تھے کسی موقع پر ان کی زبان اظہار حین میں خاموش نہ ہوتی تھی۔ اسیر معاویہ رحمہ اللہ کے دہب و عھلو، پونہ کل تدبیروں اور زیاہتوں نے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں خاموش کر دی تھیں لیکن ابن زہیر رحمہ اللہ پر ان کا بس نہ پھل سکا۔ ان کے سامنے ان کی تمام تدبیریں کام زہر ہیں اور انہوں نے کسی طرح بزدلی کی وی عہدی کی بدعت تسلیم نہیں کی۔

مدالسی حدالت: ان کے والد حضرت زہیر رحمہ اللہ بن عوام قریش کے بڑے دولت مند لوگوں میں تھے۔ ان کا شمار فی کا رویا ریز او متبع تھا۔ اپنے بعد پانچ کروڑ سے زیادہ روپیہ چھوڑا اور ایک تہائی کی وصیت ابن زہیر رحمہ اللہ کے لیے کر گئے۔ فقہ کے علاوہ جاگیر اور مکا کوئی فنل میں الگ سرمایہ تھا۔ اس لیے ابن زہیر رحمہ اللہ کی زندگی شروع سے آخر تک نہایت فراغت اور اطمینان سے بسر ہوئی۔

عبدالملک بن مروان کا خالص دور

عبداللہ بن زبیر ؓ کے بعد عبدالملک کا کوئی حریف مقابل نہ رہا اور وہ تنہا دنیائے اسلام کا خلیفہ ہو گیا اور ۷۳ھ سے اس کی خالص حکومت کا دور شروع ہوا۔

خوارج کسی انقلاب انگیز شورش : خارجیوں کے اصل حریف بنی امیہ تھے۔ ان کا مرکز عراق و فارس تھا جو ابن زبیر ؓ کے بعد عبدالملک کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ اس لیے خوارج کا رخ عبدالملک کی طرف پھر گیا اور وہ سارے عراق اور فارس میں بڑے زور شور سے اٹھے۔ عبدالملک نے ان کے استیصال میں پوری قوت صرف کر دی، لیکن وہ ایسے بہادر و جانباز تھے کہ مدتوں حکومت کا مقابلہ کرتے رہے اور بڑی مشکلوں سے ان کا زور ٹوٹا۔ اس کی تفصیلات بڑی طویل ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابن زبیر ؓ کی جانب سے مہلب بن ابی صفرہ خوارج کے مقابلہ میں تھا۔ ابن زبیر ؓ کے بعد وہ عبدالملک کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ۷۳ھ میں خالد بن عبداللہ والی کوفہ نے مہلب کو خوارج کے مقابلہ سے ہٹا کر مالگوری کے محکمہ میں منتقل کر دیا اور ان کی جگہ اپنے بھائی عبدالعزیز کو مقرر کر کے مقاتل بن مسعم کو ان کی مدد پر مامور کیا۔ مہلب بڑے بہادر اور تجربہ کار تھے۔ ان کے بھتیجے ہی خوارج کا زور بڑھ گیا اور انہوں نے عبدالعزیز کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے خالد بن عبداللہ کو لکھا کہ تم نے مہلب جیسے آزمودہ کار کو ہٹا کر اپنے ناتجربہ کار بھائی کو مقرر کیا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ شکست تھا۔ مہلب کو فوراً اس کی جگہ پر بھیجو اور خوارج کے معاملہ میں بغیر مہلب کے مشورہ کے کوئی کارروائی نہ کرو۔ اس حکم کے ساتھ اپنے بھائی بشر بن مروان کو علیحدہ خوارج کے مقابلہ میں پانچ ہزار فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ اس حکم پر خالد نے مہلب کو خوارج کے مقابلہ میں بھیج دیا اور خود اہل بصرہ کے ساتھ ان کی مدد کے لیے اہواز پہنچا۔ بشر نے علیحدہ عبدالرحمن بن اشعث کو ۵ ہزار فوج دے کر بھیجا۔ انہوں نے مل کر مورچہ بندی کی۔ خوارج ان کے مقابلہ کی قوت نہ پا کر اہواز سے منتشر ہو گئے۔

بحرین پر ابو فدیك خارجی نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس لیے ۷۳ھ میں عبدالملک کے حکم سے عمر بن عبید اللہ دس ہزار فوجیں لے کر بحرین پہنچا۔ ابو فدیك نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن آخر میں مارا گیا۔ اس کے بہت سے آدمی مقتول اور بہت سے زندہ گرفتار ہوئے۔ ۷۴ھ میں عبدالملک خوارج کے استیصال پر براہ راست مہلب کا تقرر کیا اور بشر بن مروان والی کوفہ کو اس کی مدد کے لیے لکھا۔ بشر کو اپنے وسیلہ بغیر یہ تقرر بہت ناگوار ہوا۔ وہ اس حکم کی خلاف ورزی تو نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے عبدالرحمن بن مخنف کو پانچ ہزار کوفی سپاہ کے ساتھ مہلب کی مدد کے لیے بھیج دیا، لیکن اس کو خفیہ مہلب کی مخالفت اور اس کی تحقیر کی ہدایت کر دی۔ اس وقت خوارج کی یورش رامہر مز میں زیادہ تھی۔ اس لیے مہلب اور عبدالرحمن دونوں سیدھے یہیں پہنچے، لیکن ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی کہ بشر کی موت کی خبر آ گئی۔ یہ خبر سن کر کوفی فوج بغیر لڑے ہوئے لوٹ گئی۔ بشر کے نائب خالد بن عبداللہ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے کوفی فوج کو رامہر مز پر لوٹ جانے کا حکم دیا، لیکن وہ واپس نہ ہوئی اور خالد کے علی الرغم کوفہ چلی آئی۔ اہل عراق خصوصاً اہل کوفہ بڑے سرکش اور شورش پسند واقع ہوئے تھے اور ہمیشہ سے اپنے والیوں کی عدول حکمی کے عادی تھے۔ اس لیے اس واقعہ کے بعد عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو جو بڑا سخت گیر تھا۔ عراق کا حاکم بنا کر بھیجا۔ یہ کل بارہ سو سواروں کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوا اور سیدھا جامع کوفہ پہنچا اور تقریر کے لیے منادی کرا دی۔ اہل کوفہ تقریر سننے کے لیے جمع ہوئے، انہیں حجاج کے تقرر کا علم نہ تھا، وہ والیوں کی تحقیر کرنے کے عادی تھے اس لیے بہت سے لوگ حسب معمول کنکریاں لے کر مارنے کے لیے پہنچے۔ حجاج منہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھا، اس لیے کسی نے اس کو نہیں پہچانا، منبر پر چڑھنے کے بعد جب اس نے نقاب ہٹائی اس وقت اسے دیکھ کر لوگ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ ان کے ہاتھوں سے کنکریاں چھوٹ گئیں۔ حجاج نے انہیں مخاطب کر کے ایک شعلہ باز تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

”لوگو! اللہ کی قسم میں شر کو اس کی جگہ رکھتا ہوں اور اس کا پورا بدلہ دیتا ہوں۔ میں بہت سے سروں کو دیکھتا ہوں (پکی ہوئی کھیتی کی طرح) جن کے کلنے کا وقت آ گیا ہے، مجھ کو تمہارے عماموں اور ڈاڑھیوں کے درمیان خون ہی خون نظر آتا ہے۔ اب معاملہ آخری حد کو پہنچ چکا ہے۔ مجھ کو آسانی کے ساتھ نہیں دبایا جاسکتا۔ میں حوادث سے نہیں ڈرتا۔ امیر المؤمنین عبدالملک نے اپنے ترکش کے تمام تیروں کو جانچا، ان میں جو سب سے زیادہ سخت اور جگہ دروز تھا، وہ تمہارے سینہ کی طرف چلایا ہے۔ تم مدتوں سے بغاوت، مخالفت، فتنہ انگیزی اور نفاق و شقاق کے عادی چلے آ رہے ہو۔ اب تم سیدھے ہو جاؤ اور سر اطاعت خم کر دو، ورنہ اللہ کی قسم میں تم کو ذلت کا پورا مزہ چکھاؤں گا۔ تمہاری کجروی کو درست کر دوں گا، تمہیں لکڑی کی طرح چھیل اور بھول کی طرح جھاڑ ڈالوں گا۔ تمہیں سرکش اونٹ کی طرح ماروں گا کہ سرکشی بھول کر مطیع ہو جاؤ گے۔ تم پر اتنے مصائب نازل کروں گا کہ تم پست ہو جاؤ گے۔ اللہ کی قسم میں جو کچھ کہتا ہوں اسے کر دکھاتا ہوں اور جو اندازہ کرتا ہوں صحیح ہوتا ہے۔ اب مخالف جماعتیں ہیں اور میں ہوں۔ اللہ کی قسم اگر تم حق پر نہ آئے تو میری تلوار عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دے گی۔ اس وقت تم باطل سے باز آ جاؤ گے اور اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دو گے۔ نافرمانوں کی نافرمانی سے چشم پوشی کے معنی یہ ہیں کہ دشمنوں سے نہ لڑا جائے اور سرحدوں کو بیکار کر دیا جائے۔ اگر لوگوں کو جنگ کی شرکت پر مجبور نہ کیا جائے تو وہ خوشی سے لڑنے کے لیے نہ جائیں گے، جس بغاوت اور سرکشی سے تم نے مہلب کا ساتھ چھوڑا اس کا حال مجھے معلوم ہے۔ اللہ کی قسم آج کے تیسرے دن جو شخص واپس نہ گیا اور یہاں نظر آیا اس کا سر قلم کر دوں گا اور گھر لٹا دوں گا۔“

اس آتش بار تقریر کے بعد اہل کوفہ کے نام عبدالملک کافر مان پڑھنے کا حکم دیا۔

ابھی ابتدائی فقرہ ”اما بعد السلام علیکم“ پڑھا گیا تھا کہ حجاج نے روک دیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا:

”امیر المؤمنین تم کو سلام کہتے ہیں تم اس کا جواب نہیں دیتے۔ اللہ کی قسم میں تم کو ادب سکھا کر رہوں گا۔“ اس تادیب پر حاضرین نے ”سلام اللہ علی امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کہا اس کے بعد پھر فرمان پڑھنے کا حکم دیا۔ حجاج کی آتش بارتقریریں کر لوگوں کے دل دہل گئے اور عراقی ساری سرکشی اور شرارت بھول گئے یا تو وہ کسی کے روکے نہ رکھتے تھے اور مہلب کا ساتھ چھوڑ کر چلے آئے تھے یا اس تقریر کے بعد ہر شخص جلد سے جلد اپنے کو مہلب کے پاس پہنچانے کے لیے بے تاب تھا اور کوفہ کے پل پر اتنا اثر دہام ہو گیا کہ راستہ چلنا دشوار تھا۔ کوفہ کے بعد حجاج نے بصرہ جا کر ایسی ہی تہدید آمیز تقریر کی یہاں کے شورش پسند بھی درست ہو گئے۔ ایک شخص شریک بن عمر نے جسے سابق والی بشر بن مروان نے بیماری کی وجہ سے شرکت جنگ سے مستثنیٰ کر دیا تھا، عذر کیا۔ حجاج نے اس کا سر قلم کر دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ لوگ جوق در جوق فوج میں شرکت کے لیے بھاگنے لگے۔

البتہ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مصعب بن زبیرؓ نے اپنے زمانہ میں عراقی فوج کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا تھا۔ عبدالملک نے بھی اسے قائم رکھا تھا۔ حجاج نے اسے گھٹا دیا۔ ایک شخص عبداللہ بن جارود کے ساتھ ہو گیا اور بصرہ میں حجاج کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ حجاج کے پاس اس وقت حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا۔ ابن جارود نے اس کا خیمہ لوٹ لیا، لیکن حجاج کی خوش قسمتی سے خیمہ لوٹنے کے بعد ابن جارود خاموش ہو گیا۔ حجاج کے مشیروں نے اسے بصرہ چھوڑ دینے کی رائے دی، لیکن اس نے ہمت سے کام لیا اور اپنی کمزوری نہ ظاہر ہونے دی۔ دو چار دن کے بعد جب حجاج کے آدمی جمع ہو گئے، اس وقت ابن جارود پھر مقابلہ کے لئے اٹھا۔ اب حجاج کے پاس جھوڑی بہت قوت فراہم ہو گئی تھی۔ اس نے مقابلہ کیا،

لیکن ابن جبار و د کے ساتھ پوری فوج تھی۔ اس لیے جنگ میں اسی کا پلہ بھاری تھا، مگر اتفاق سے ابن جبار و کو تیر لگا اور وہ ختم ہو گیا۔ اس بغاوت کا سرغنہ یہی تھا، اس کے بعد باغیوں کی ہمت چھوٹ گئی۔ حجاج نے امن عام کی منادی کرا دی۔ اس منادی پر باغیوں نے سپر ڈال دی۔ اختتام جنگ کے بعد حجاج نے ابن جبار و کے تمام بڑے بڑے ساتھیوں کو قتل کرا دیا اور عراق میں ایک بڑا انقلاب ہوتے ہوتے رہ گیا۔ کوفہ اور بصرہ کی فوجوں کے مہلب کے پاس واپس جانے کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ ان کے پہنچنے کے بعد ان کی مدد سے مہلب نے خارجیوں کو رامہر مز سے ہٹا دیا۔ یہاں سے ہٹنے کے بعد وہ گار و دول میں جمع ہوئے۔ مہلب بھی ساتھ ساتھ پہنچے۔ دونوں میں عرصہ تک معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ اس کا سلسلہ جاری تھا کہ ۶۷ھ میں جزیرہ میں ایک عابد و زاہد شخص صالح بن مسرح تمیمی مظالم کے استیصال کی دعوت لے کر اٹھے۔ بہت سے آدمی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اسی زمانہ میں ایک اور خارجی سردار شیبہ بن نعیم شیبانی کا ظہور ہوا، چونکہ صالح کی دعوت بھی درحقیقت بنی امیہ کے خلاف تھی۔ اس لیے سردار شیبہ بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ جزیرہ کے حاکم محمد بن مروان نے عدی بن عدی کو صالح کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ عدی نیک فطرت تھا۔ اسے خوزیری پسند نہ تھی۔ اس لیے صالح کے پاس کہلا بھیجا کہ میں جنگ نہیں کرنا چاہتا۔ بہتر یہ ہے کہ تم ان اطراف سے چلے جاؤ، لیکن انہوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر عدی کو مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا، لیکن شکست کھائی۔ عدی کے شکست کھانے کے بعد محمد بن مروان نے خالد بن جرز کو بھیجا۔ آمد میں اس کا اور صالح و شیبہ کا مقابلہ ہوا۔ ایک پر زور مقابلہ کے بعد صالح اور شیبہ سکرہ کی طرف نکل گئے۔ حجاج کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے حارث بن عمیرہ کو کئی ہزار فوج دے کر روانہ کیا۔ اس نے صالح کو قتل کر دیا۔ شیبہ نے ایک قلعہ میں پناہ لی۔ شام ہو چکی تھی اس لیے حارث قلعہ کے پھانک پر آگ کا الاؤ لگا کر لشکر گاہ میں چلا آیا کہ صبح محصورین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے گا۔ شیبہ

کے ساتھی بڑے جانباز تھے، وہ حسن تدبیر سے آگ سے بچ کر نکل آئے اور حارث کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ بالکل ناگہانی تھا۔ حارث سخت زخمی ہوا اور اس کے کل سامان پر شیب نے قبضہ کر لیا۔ حارث کو شکست دینے کے بعد شیب نے عام تاخت و تاراج شروع کر دی۔ حجاج کو خبر ہوئی تو اس نے سفیان بن ابی العالیہ کو بھیجا۔ شیب نے اسے بھی شکست دی۔ اس کے بعد سورہ بن ابجر آیا۔ اس نے بھی شکست کھائی۔ ان پیہم شکستوں کو دیکھ کر حجاج نے جنرل بن سعید کندی کو چار ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ بھیجا۔ شیب نے محض چند آدمیوں کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن پھر پہلو کمزور دیکھ کر نکل گیا اور جائیداد اور فصلوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ حجاج نے ایک دوسرے بہادر سعید بن مبادلہ کو جنرل بن سعید کی مدد کے لیے بھیجا۔ دونوں نے مل کر شیب کا تعاقب کیا۔ مقام قطیطیا میں دونوں کا مقابلہ ہوا، اس مقابلہ میں سعید کام آگیا اور جنرل سخت زخمی ہو کر کوفہ لوٹ گیا۔ ان پیہم کامیابیوں سے شیب کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا کہ اس نے عراق کے پایہ تخت کوفہ کا رخ کیا۔ حجاج نے سعید بن عبد الرحمن اور عثمان بن قطن کو دو ہزار فوج کے ساتھ دو سمتوں سے روکنے کے لیے بھیجا۔ شیب کوفہ کے قریب پہنچ چکا تھا کہ اس کا اور سوید و عثمان کا سامنا ہو گیا۔ شیب بہادری سے لڑتا ہوا حیرہ کی طرف نکل گیا۔ پھر کچھ دور آگے جا کر چکر کاٹا ہوا کوفہ لوٹ آیا اور بڑی جرات اور دلیری سے کوفہ میں گھس کر بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے تیزی سے نکل گیا۔ اب حجاج نے زائدہ بن قدامہ اور اس کے ساتھ متعدد بہادر افسروں کو دس ہزار پیدل سپاہ اور زحر بن قیس کو سوار دستے کے ساتھ شیب کے تعاقب میں بھیجا۔ پیدل سپاہ تو پیچھے رہ گئی، زحر بن قیس نے تعاقب کیا، کچھ دور جا کر شیب نے پلٹ کر مقابلہ کیا اور زحر کو شکست دی۔ زحر کو شکست دینے کے بعد شیب پیدل فوج کے مقابلہ کے لیے جو زائدہ کی ماتحتی میں عقب سے آ رہی تھی، بڑھا، کوفہ کے قریب مقابلہ ہوا۔ اس مقام میں عام سپاہ کے علاوہ عراقی فوج کے کئی افسر مقتول ہوئے۔ خارجیوں کو بھی نقصان

پہنچا۔ اس لیے وہ مقابلہ چھوڑ کر دوسری سمت نکل گئے۔ حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ایک تجربہ کار افسر عبدالرحمن بن اشعث کو چھ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ بھیجا اور ہدایت کر دی کہ خارجی جہاں کہیں بھی ملیں تو تعاقب کر کے ان کا استیصال کیا جائے اور جو شخص شکست کھا کر واپس آئے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

عبدالرحمن نے پوری احتیاط اور مستعدی سے تعاقب کیا۔ جہاں منزل کرتا تھا، خوارج کے حملہ سے حفاظت کے لیے مورچہ بندی اور جنگ کا سامان کر لیتا تھا۔ یہ اہتمام دیکھ کر شعیب نے اس کے جواب میں یہ صورت اختیار کی کہ جیسے ہی عبدالرحمن قریب پہنچتا تھا شعیب رک جاتا اور جب عبدالرحمن مورچہ بندی اور جنگ کا سامان کر لیتا تو پھر آگے بڑھ جاتا۔ اس طرح سے اس نے عبدالرحمن اور عراقی فوجوں کو تھکا ڈالا۔ ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ بقر عید کا زمانہ آ گیا۔ شعیب نے فریقین کے عید منانے کے لیے صلح کا پیغام دیا۔ عراقی فوجیں تھک چکی تھیں۔ اس لیے عبدالرحمن نے منظور کر لیا۔ اس کے ایک مخالف عثمان بن قطن نے حجاج کو اس کی خبر کر دی وہ شعیب کے مقابلے میں کسی قسم کی نرمی پسند نہ کرتا تھا۔ اس لیے عبدالرحمن کو معزول کر کے عثمان کو افسر مقرر کر دیا۔ اس نے اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے فوراً مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شعیب بھی اپنی مختصر جماعت کے ساتھ پہنچ گیا اور ایک خونریز معرکہ کے بعد عثمان کو قتل کر دیا اور عراقی فوج نے فاش شکست کھائی۔

شعیب کی ان کامیابیوں کو دیکھ کر بہت سے شورش پسند عوام بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ ان کی بڑھتی ہوئی قوت اور عراقی فوجوں کی بے بسی سے عراق میں بڑے خطرہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ اس وقت حجاج نے اہل کوفہ کو جمع کر کے انہیں غیرت دلائی۔ ”کہ اگر تم دشمن کا مقابلہ اور اپنے ملک کی خود حفاظت نہیں کر سکتے تو میں تم سے زیادہ بہادر لوگوں کو یہ فرض سپرد کرتا ہوں“۔ یہ طعنہ سن کر ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں کہ ہم خود ڈریں گے اور ہر طرح امیر کی مدد کریں گے۔ ایک کھن سال اور تجربہ کار بہادر

زہرہ بن حویہ نے مشورہ دیا کہ اس مہم کے لیے ایسے جانباز اور سرفروش بہادروں کو منتخب کیجئے جو میدان سے منہ نہ موڑنا جانتے ہوں اور انہیں ایسے آزمودہ کار بہادر کے ساتھ بھیجئے جو فراق کو عار اور صبر و ثبات کو عزت و شرف سمجھتا ہو۔ حجاج نے کہا میری نظر میں تم ہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہو۔ زہرہ نے عذر کیا کہ میری بصارت جواب دے چکی ہے، ہاتھ پاؤں قابو میں نہیں ہیں۔ اس کے لیے ایسا شخص ہونا چاہیے جو تلوار اور نیزہ چلا سکے، البتہ بحیثیت مشیر کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ حجاج نے منظور کر لیا۔

عراق میں انتظامات کے ساتھ حجاج نے عبدالملک کو علیحدہ لکھا کہ اب شیب کی نظر کوفہ پر ہے۔ عراقی فوج کی پیہم شکستوں نے یہاں کے باشندوں کی ہمت پست کر دی ہے اس لیے شام سے فوجیں بھیجئے۔ اس خط پر عبدالملک نے سفیان بن ابرو کلبی اور حبیب بن عبد الرحمن حکمی کو چھ ہزار منتخب شامی فوج کے ساتھ بھیجا۔ یہ فوج حجاج نے خاص کوفہ کی حفاظت کے لیے منگائی تھی۔ اس لیے اس کے پہنچنے سے قبل عتاب بن ورقاء کو جنہیں مہلب کے ساتھ خوارج کے مقابلہ کا کافی تجربہ ہو چکا تھا۔ پچاس ہزار شامی فوج کے ساتھ شیب کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ شیب کو ان تمام انتظامات کی خبر تھی۔ اس لیے فوراً مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ ابھی راستہ میں تھا کہ مطرف بن مغیرہ والی مدائن نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ تم اپنے آدمی ہمارے پاس بھیجو وہ ہمیں قرآن سے تمہاری دعوت اور تمہاری تعلیم سمجھائیں کہ ہم کو تمہارا مقصد و منشاء معلوم ہو۔ اس پیام پر شیب نے اپنے چند علماء بھیج دیئے۔ ان میں اور مطرب میں مباحثہ ہوا، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور شیب اپنی مہم پر روانہ ہو گیا۔ ساباط کے قریب اس کا اور عتاب بن ورقاء کا سامنا ہوا۔ خوارج کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی اور عراقی فوج کا شمار چالیس ہزار کے درمیان تھا۔ اتنے فرق کے باوجود خارجیوں نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ عراقیوں نے پوری قوت صرف کر دی، لیکن خوارج کی جانبازی کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے۔ عتاب اور زہرہ دونوں مارے گئے اور عراقی

فوج نے بری طرح شکست کھائی، اس ذلیل شکست نے حجاج کو بہت برہم کر دیا۔ اس نے اہل کوفہ کو جمع کر کے سخت تنبیہ کی کہ تم لوگ کسی عزت کے مستحق نہیں ہو۔ جو تمہارا بھلا سوچے اللہ اسے رسوا کرے۔ تم کسی جنگ میں بھیجے جانے کے لائق نہیں۔ کوفہ چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے ساتھ حیرہ میں جا کر رہو۔ آئندہ سے غتاب کی فوج کا کوئی آدمی کسی جنگ میں نہ بھیجا جائے گا۔ ادھر عراقی فوج کو شکست دینے کے بعد شیبہ پھر کوفہ کی جانب بڑھا۔ اس درمیان میں عبدالملک کی بھیجی ہوئی شامی فوج کوفہ پہنچ چکی تھی۔ اس سے حجاج کو بڑی تقویت ہوئی۔ اس نے حارث بن معاویہ ؓ کو ایک ہزار سپاہ کے ساتھ شیبہ کو روکنے کے لیے بھیجا۔ شیبہ نے اسے قتل کر دیا اور کوفہ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس مرتبہ حجاج خود اپنے موالی اور شامی فوج کو لے کر نکلا۔ کوفہ کے باہر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ خارجی حسب معمول اپنی مشہور شجاعت کے ساتھ لڑے اور بہتوں کو قتل کیا، لیکن حجاج خود شامی فوجوں کا دل بڑھا رہا تھا۔ اس نے بڑی جان فروشی دکھائی۔ دودن کی خونریز جنگ کے بعد شیبہ کا بھائی مصداق جو اس کا قوت بازو تھا، مارا گیا، لیکن اس سے بھی شیبہ کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ وہ اسی شجاعت سے لڑتا رہا، مگر آخر میں خارجی شامیوں کے پیہم حملوں کی تاب نہ لاسکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس وقت شیبہ کو مجبوراً میدان چھوڑنا پڑا۔ یہ اس کے شکست کھا کر میدان چھوڑنے کا پہلا موقع تھا۔ شیبہ کی شکست کے بعد حجاج نے اعلان کر دیا کہ جو شخص شیبہ کا ساتھ چھوڑ کر چلا آئے گا، وہ مامون ہے۔ اس اعلان پر وہ عوام جو شخص شیبہ کی قوت کی وجہ سے اس کے ساتھ ہو گئے تھے، منتشر ہو گئے۔ اس سے اس کی قوت اور کمزور ہو گئی اور حجاج کے لیے اس کا زیر کر لینا آسان ہو گیا، چنانچہ اس نے فوراً حبیب بن عبدالرحمن حکمی کو تین ہزار شامی فوج کے ساتھ شیبہ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ شیبہ اتنا جری اور بہادر تھا کہ اس نے قلت تعداد کی کوئی پروا نہ کی اور اپنی مختصر جماعت کے ساتھ بڑی آن بان سے مقابلہ میں آ گیا اور صبح سے شام

تک جنگ ہوتی رہی۔ فریقین کے بہت سے آدمی کام آگئے، لیکن دونوں خصوصاً خارجی مسلسل لڑتے لڑتے اتنے چور ہو چکے تھے کہ ہاتھ پاؤں کام نہ دیتے تھے اس لیے شیب میدان چھوڑ کر آرام لینے کے لیے کرمان چلا گیا۔ لیکن حجاج نے اسے دم لینے کا موقع نہ دیا اور فوراً سفیان بن ابیہ کو شامی فوج کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ کیا اور اپنے داماد حکم بن ایوب والی بصرہ کو اس کی مدد کے لیے لکھا۔ اس نے علیحدہ چار ہزار امدادی فوجیں بھیجیں۔ ابوازی میں لب ساحل دونوں کا مقابلہ ہوا۔ صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی۔ خارجیوں نے شامیوں کے چھلکے چھڑا دیئے اور ان کا پلہ کمزور پڑنے لگا۔ یہ صورت دیکھ کر سفیان نے تیر بازی شروع کرادی۔ خارجیوں نے حملہ کر کے بہت سے تیر اندازوں کو ختم کر دیا۔ شام ہو چکی تھی اس لیے شیب نے دوسرے دن کے لیے جنگ ملتوی کر دی۔ شامیوں نے بھی ہاتھ روک لیا۔ شیب نے رات گزارنے کے لیے دریا کو عبور کر کے دوسری سمت نکل جانا چاہا کہ عین پل کے وسط میں اس کا گھوڑا بدکا اور مع شیب کے دریا میں ڈوب گیا۔ اس افسوسناک طریقہ سے اس جانباز بہادر کا جس نے مٹی بھر جماعت سے بنی امیہ کی افواج قاہرہ کو زچ کر دیا تھا، خاتمہ ہو گیا۔ یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے۔ اس کی لاش نکلو کر اس کا دل دیکھا گیا تو غیر معمولی جسامت کا اور نہایت سخت تھا۔ شیب کے بعد حجاج کو اس کی جماعت کی جانب سے تو اطمینان ہو گیا، لیکن کرمان میں خوارج کی ایک اور شاخ کا جو نافع بن ازرق کی نسبت سے ازراقیہ کہلاتی تھی، بڑا زور تھا۔ مہلب کامل اٹھارہ مہینے سے اس کے مقابلہ میں تھے، لیکن ان کا زور کسی طرح نہ ٹوٹتا تھا۔ شیب کے خاتمہ کے بعد حجاج ادھر متوجہ ہوا اور مہلب بن ابی صفرہ کی مدد کے لیے مزید فوجیں بھیجیں اور ازراقہ کے استیصال کی سخت تاکید لکھی۔ مہلب نے تازہ دم فوجوں کی مدد سے پورا زور صرف کر دیا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس زمانہ میں ازراقہ کا سردار قطری بن فجاء تھا۔ اتفاق سے اس کے ایک عہدے دار نے ایک خارجی کو قتل کر دیا تھا۔ خارجیوں نے اس کے

قصاص کا مطالبہ کیا۔ قطری نے کہا یہ قاتل کی خطائے اجتہادی تھی۔ اس لیے قصاص واجب نہیں ہے۔ اس سے ایک جماعت اس کے خلاف ہو گئی۔ مہلب کو اس اختلاف کا علم ہوا تو انہوں نے ایک نصرانی کو مقرر کیا کہ وہ خارجی بن کر خوارج کے سامنے قطری کو سجدے کرے۔ اس نے اس کی تعمیل کی۔ خارجی عقیدے میں بڑے سخت ہوتے ہیں۔ انہوں نے قطری سے کہا اس شخص نے تم کو اللہ بنالیا ہے اور اس نصرانی کو قتل کر دیا۔ اس سے اختلاف اور بڑھ گیا اور ایک جماعت نے قطری سے الگ ہو کر۔۔۔ عبد ربہ الکبیر کو اپنا سردار بنالیا۔ ان دونوں میں جنگ ہو گئی۔ یہ اختلاف دیکھ کر قطری اپنی جماعت کے ساتھ طبرستان چلا گیا۔ جب عبد ربہ الکبیر تنہا رہ گیا، اس وقت مہلب نے اس کو جیرفت میں گھیر لیا۔ عبد ربہ الکبیر کچھ دنوں تک بہادری سے مقابلہ کرتا رہا، لیکن جیرفت میں محصور ہونے کی وجہ سے کھل کر نہ لڑ سکتا تھا۔ اس لیے کسی طرح یہاں سے نکل گیا۔ مہلب نے آگے بڑھ کر گھیرا۔ خوارج نے اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ مہلب جیسے تجربہ کار افسر کے چھکے چھوٹ گئے، لیکن وہ جان پر کھیل کر جمارہا۔ بالآخر ایک پرزور معرکہ کے بعد عبد ربہ مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت کم آدمی زندہ بچے۔ اس کارگزاری پر حجاج نے مہلب کی بڑی قدر افزائی کی۔

عبد ربہ کے بعد حجاج نے سفیان بن ابرو کو شامی فوج کے ساتھ قطری کے مقابلہ کے لیے طبرستان بھیجا اور کوفہ کی فوج کو اس کی مدد پر مامور کیا۔ طبرستان کی ایک پہاڑی میں سفیان اور قطری کا مقابلہ ہوا۔ عین اس وقت قطری کے بہت سے آدمیوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ قطری نے نکل بھاگنا چاہا، لیکن اس کا وقت آخر ہو چکا تھا۔ گھوڑے سے گر کر سخت زخمی ہوا۔ اتفاق سے اس طرف ایک گبر کا گزر ہوا۔ قطری نے اس سے پانی مانگا۔ قطری کا لباس اور ساز و سامان بہت قیمتی تھا۔ گبر نے اس کی طمع میں اسے مار ڈالنا چاہا۔ شور سن کر شامی سپاہی پہنچ گئے۔ انہوں نے پہچان کر قتل کر دیا۔ قطری کے قتل کے بعد اس کا ایک ساتھی عبیدہ بن بلال اپنی مختصر جماعت کے ساتھ اٹھا، لیکن اس کے پاس

کوئی قوت نہ تھی۔ اس لیے سفیان نے اسے آسانی کے ساتھ زیر کر لیا اور عبیدہ مارا گیا۔ اس کے قتل کے بعد خوارج کی قوت بالکل ختم ہو گئی اور ان کے خطرات سے حکومت کو نجات مل گئی۔ (یہ تمام حالات طبری و ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

افریقہ کی مقبوضات پر دوبارہ قبضہ : اوپر یزید کے حالات میں گذر چکا ہے کہ ایک بربری کسیلہ بن کرم نے بغاوت کر کے شمالی افریقہ کے تمام اسلامی مقبوضات چھین لیے تھے۔ یزید کے زمانہ سے لے کر عبدالملک کی تخت نشینی تک برابر ایسے سیاسی انقلابات ہوتے رہے کہ کسی خلیفہ کو افریقہ کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ عبدالملک کی تخت نشینی کے بعد جب دوبارہ اموی حکومت قائم ہوئی تو اس نے افریقہ کی طرف توجہ کی اور ۶۹ھ میں زہیر بن قیس کو جنہیں افریقہ کے حالات کا کافی تجربہ تھا بڑے ساز و سامان کے ساتھ اس مہم پر روانہ کیا۔ ان کے افریقہ میں داخل ہونے کے وقت کسیلہ قیروان میں تھا، یہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور ایک محفوظ مقام ممش چلا گیا، زہیر کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قیروان میں دو چار دن قیام کرنے کے بعد کسیلہ کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ ممش کے قریب سامنا ہو گیا، کسیلہ کے ساتھ رومیوں اور بربریوں کی بڑی تعداد تھی، ان میں اور زہیر میں اتنی شدید اور خون ریز جنگ ہوئی کہ کسی فریق کے زندہ بچنے کی امید باقی نہ رہی، لیکن مسلمانوں کے استقلال اور جانبازی سے میدان ان کے ہاتھ رہا، کسیلہ نے نہایت فاش شکست کھائی، بربریوں اور رومیوں کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی، جن میں افریقہ کے بڑے بڑے ممتاز اُمراء و عمائد تھے، اس کامیابی سے مسلمانوں کی اکھڑی ہوئی ساکھ پھر قائم ہوئی اور زہیر قیروان ہوتے ہوئے برقعہ لوٹ گئے۔

زہیر کی شہادت اور افریقہ میں دوبارہ انقلاب : جس زمانہ میں زہیر افریقہ کی مہم میں مشغول تھا، رومیوں نے میدان خالی پا کر برقعہ پر حملہ کر دیا۔ یہاں مدافعت کی کوئی طاقت موجود نہ تھی۔ اس لئے بہت سے مسلمان مارے گئے۔ اس

درمیان میں زہیر واپس آ گئے۔ رومی بڑی تعداد میں تھے۔ زہیر میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لیکن مسلمانوں کی فریاد و نغان سن کر ان سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ رومیوں کے مقابلہ میں آ گئے لیکن دونوں کی طاقت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ اس لئے شکست ہوئی، زہیر قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بہت چھوڑی تعداد زندہ بچ گئی اور ان کے قتل ہونے کے بعد پھر افریقہ کے مقبوضات نکل گئے۔

افریقہ پر دوبارہ فوج کشی اور قبضہ: عبدالملک کو زہیر کے قتل کا بڑا صدمہ ہوا لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب وہ ہمہ تن ابن زبیر ؓ کے مقابلہ میں مشغول تھا۔ اس لئے اس وقت افریقہ کی طرف توجہ نہ کر سکا۔ ان سے فرصت پانے کے بعد ۷۴ ہجری میں اس نے حسان بن نعمان غسانی وائی برقہ کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ افریقہ بھیجا اور مصر کے خزانہ کی کنجی اس کے حوالہ کر دی کہ جس طرح وہ چاہے اس کو افریقہ کی مہم میں صرف کرے۔ (المونس ص ۳۱) ایک روایت یہ ہے کہ اتنا بڑا اسلامی لشکر اس سے پہلے افریقہ نہ گیا تھا۔

افریقہ کی بغاوت میں رومی بھی بربر یوں کے ساتھ ہو جاتے تھے اور سسلی اور اسپین تک کی رومی حکومتیں بربر یوں کی مدد کرتی تھیں۔ اس لئے اس مرتبہ حسان نے ان کا زور توڑنے کا عزم کیا۔ اس وقت شمالی افریقہ میں قرطاجنہ کی حکومت سب میں ممتاز اور قسطنطنیہ کی مرکزی حکومت باجگوار تھی۔ دارالسلطنت قرطاجنہ بحر روم کے ساحل پر نہایت خوبصورت اور مستحکم شہر تھا۔ اس لئے حسان قیروان ہوتے ہوئے قرطاجنہ پہنچے۔ یہاں پہلے سے رومیوں اور بربر یوں کا انبوه عظیم جمع تھا۔ اس میں اسپین اور سسلی تک کے رومی تھے۔ دونوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ رومیوں نے شکست کھائی اور قرطاجنہ پر حسان کا قبضہ ہو گیا اور انہوں نے یہاں کے تمام استحکامات مسمار کر دیئے۔ (المونس ص ۳۱، ابن اثیر ج ۲-۱۲۳)

قرطاجنہ کے ہزیمت خوردہ رومی اور بربری صطفورہ اور بینزت میں جمع

ہوئے۔ اس لئے قرطاجنہ کے بعد حسان صطفورہ پہنچے اور ان کو شکست دے کر سارے علاقہ میں فوجیں پھیلادیں۔ اس شکست سے رومیوں اور بربریوں میں بڑا خوف پھیل گیا اور رومی باجہ میں اور بربری بونہ میں قلعہ بند ہو گئے۔

حسان کسی شکست اور ملکہ دامیہ کا قبضہ: اس مرتبہ حسان نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ افریقہ کی ان تمام طاقتوں کا جن کا بربری اور رومی سہارا لے سکتے ہوں، خاتمہ کر دیں تاکہ پھر بغاوت کی ہمت نہ کریں اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ جائے۔

قرطاجنہ کی حکومت کے بعد اس زمانہ میں جبل اور اس کی ملکہ دامیہ کا جو کاہنہ کے لقب سے مشہور تھی، بڑا اثر تھا اور اسے سارے شمالی افریقہ کے حامی اور بربری مانتے تھے چنانچہ کیسلہ بن مکرم برنی کے قتل کے بعد وہ اسی کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ حسان کو معلوم ہوا کہ اگر اسے ختم کر دیا جائے تو پھر شمالی افریقہ میں ان کا کوئی مزاحم باقی نہ رہے گا۔ (المؤس ص ۳۲۳۱ و اخبار المغرب ص ۳۷)..... اس لئے چند دن قیروان میں آرام کرنے کے بعد انہوں نے جبل اور اس کا رخ کیا۔ ملکہ دامیہ کے پاس پہلے سے رومی اور بربری جمع تھے۔ انہیں لے کر وہ مقابلہ کے لئے نکلی۔ دریائے سکتانہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک خون ریز جنگ کے بعد حسان نے فاش شکست کھائی، بہت سے مسلمان قتل و گرفتار اور تمام اسلامی مقبوضات ملکہ دامیہ کے قبضہ میں آ گئے۔ (المؤس ص ۳۲۳۱ و اخبار المغرب ص ۳۷)

آخری فوج کشی اور افریقہ پر قبضہ: اس شکست کے بعد حسان برتہ چلے گئے اور عبدالملک کو اطلاع دی۔ اس وقت اندرون ملک خوارج کا ہنگامہ پھا تھا۔ اس لئے عبدالملک کوئی مدد نہ کر سکا اور پانچ سال تک ملکہ دامیہ شمالی افریقہ پر مسلط رہی۔ خوارج سے فراغت کے بعد ۷۸ ہجری میں عبدالملک نے تازہ دم فوجیں بھیج کر حسان کو پھر افریقہ پر فوج کشی کا حکم دیا..... گذشتہ جنگ میں جو مسلمان گرفتار ہوئے

تھے، ملکہ دامیہ نے ان سب کو رہا کر دیا۔ صرف ایک خالد بن یزید قیسی کو روک لیا تھا اور اسے اپنا لڑکا بنا کر اپنے بیٹوں کے ساتھ کر دیا تھا۔ حسان نے خالد کو خفیہ خط لکھ کر وہاں کے حالات پوچھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ”اس وقت رومی اور بربری منتشر ہو چکے ہیں، میدان بالکل خالی ہے۔“ یہ خط پا کر حسان فوراً روانہ ہو گئے۔ ملکہ کو اس کا علم ہو گیا۔ اس وقت اس کے پاس مدافعت کی کوئی قوت نہ تھی۔ اس لئے اسے اپنی حکومت کے خاتمہ کا یقین ہو گیا۔ تاہم اس نے مسلمانوں کو روکنے کی ایک تدبیر کی۔ اسے یقین تھا کہ مسلمان محض دولت کی طمع میں آتے ہیں۔ اس لئے اس نے حصول دولت کے تمام ذرائع بڑے بڑے شہروں، آبادیوں اور سرسبز و شاداب علاقوں کو جو دو ہزار میل میں پھیلے ہوئے تھے بالکل ویران کر دیا کہ مسلمان یہاں کا رخ نہ کریں اور اگر آئیں تو ان کے ہاتھ کچھ نہ لگے۔ اس ویرانی سے ملک تباہ ہو گیا اور یہاں کے اکثر باشندے آس پاس کے جزیروں میں نکل گئے۔ (ابن العذاری کے بیان کے مطابق حسان کو شکست دینے کے بعد ہی ملکہ دامیہ نے افریقہ کو ویران کر دیا تھا۔ ص ۳۸) اس دوران میں حسان پہنچ گئے۔ افریقہ کی ویرانی سے کل رعایا تباہ اور ملکہ دامیہ کے خلاف ہو رہی تھی۔ اس نے حسان سے فریاد کی اور ملکہ کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دیا، چنانچہ قابض اور قبضہ کے باشندوں نے جو اسلامی حکومت سے بغاوت کر چکے تھے، خود سے اطاعت قبول کر لی اور قسطلیلہ اور نفرزادہ پر بھی بلا مزاحمت کے قبضہ ہو گیا۔

اہل افریقہ کی مخالفت دیکھ کر ملکہ دامیہ کو اپنی شکست کا پورا یقین ہو گیا۔ اس وقت اس نے اپنے دونوں لڑکوں سے کہا کہ میں عنقریب قتل ہونے والی ہوں، تم خالد کے وسیلہ سے حسان کے پاس جا کر اپنی جان بخشی کر لو، اس کی ہدایت کے مطابق یہ دونوں حسان کے پاس چلے گئے۔

گو ملکہ دامیہ کو اپنی شکست کا یقین تھا، تاہم وہ حسان سے آخری مقابلہ کے لئے نکلی۔ دونوں میں نہایت خون ریز جنگ ہوئی۔ ملکہ دامیہ شکست کھا کر قتل ہوئی۔

شکست خوردہ بربر یوں نے حسان کی اطاعت قبول کر لی۔ ان میں بہت سے بربری مسلمان ہو گئے۔

ملکہ کے قتل کے بعد حسان نے اس کے لڑکوں کو جان بخشی کر دی اور نو مسلم بربریوں کی ایک فوج بنا کر ان کو اس کا افسر مقرر کیا۔ ملکہ دامیہ کے بعد افریقہ میں کوئی حریف باقی نہ رہا اور یہاں بکثرت اسلام پھیلا۔ اس مہم کی تکمیل کے بعد حسان قیروان واپس آئے۔ (کتاب المونس ص ۳۲ و ابن اثیر ج ۴ ص ۴۴)

رتبیل کی بغاوت اور پہلی فوج کشی: عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہنگامہ کے زمانہ میں سیتان کے علاقہ کا ایک ترک فرمانروا ربیل باغی ہو گیا تھا۔ ۷۴ ہجری میں امیہ بن عبداللہ وائے خراسان نے اپنے لڑکے عبداللہ کو اس کی تادیب پر مامور کیا۔ جب وہ بست پہنچے تو ربیل اطاعت قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا اور بہت سافقد و جنس پیش کر کے صلح کر لینی چاہی لیکن عبداللہ نے منظور نہ کیا اور پیش قدمی جاری رکھی۔ ربیل نے کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ عبداللہ کو راستہ دے دیا۔ یہ ناعاقبت اندیشی سے آگے بڑھے چلے گئے اور واپسی کے راستوں کی حفات کا کوئی سامان نہ کیا۔ سیتان کا علاقہ رتج در رتج اور پہاڑی ہے، عبداللہ جب رتج میں پہنچے اس وقت ربیل نے ناکہ بندی کر کے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اس وقت عبداللہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن اب ہر طرف سے محصور ہو چکے تھے، نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس لئے انہیں مجبور ہو کر ربیل سے راستہ چھوڑنے کی درخواست کرنی پڑی۔ اس نے آئندہ فوج کشی نہ کرنے کا تحریری وعدہ لے کر راستہ دے دیا اور عبداللہ جان بچا کرواپس ہوئے اور عبدالملک کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبداللہ کو معزول کر دیا۔

دوسری فوج کشی اور شکست: کچھ دنوں تک ربیل کا یہ رویہ درست رہا لیکن پھر اس نے سرکشی کر دی۔ اس لئے ۷۸ ہجری میں حجاج نے دوبارہ عبداللہ بن بکر کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ وہ ۷۹ھ میں سیتان پہنچے اور ربیل کے علاقہ

میں گھس کر بہت سے قلعے مسمار اور کئی مقامات پر قبضہ کر لیا لیکن انہوں نے بھی غلطی کی جو ان کے پیشرو عبداللہ بن امیہ کر چکے تھے اور بغیر واپسی کا سامان کئے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ اس لئے رتبیل نے ان کی بھی ناکہ بندی کر دی اور ابن ابی بکرہ کو سات لاکھ درہم دے کر جان چھڑانی پڑی لیکن ایک پر جوش مجاہد شریح بن ہانی کو یہ ننگ گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے کہا اگر تم نے یہ شرط منظور کر لی تو اس نواح میں اسلام ہمیشہ کے لئے کمزور ہو جائے گا، تم موت سے جس کا آنا ایک نہ ایک دن یقینی ہے، بھاگنا چاہتے ہو، یہ کہہ کر ایک جانباز جماعت کے ساتھ لڑ کر مردانہ وار جان دے دی اور باقی ماندہ لوگ کسی طرح مرتے کھپتے واپس آئے۔ بہت سے لوگ راستہ کی دشواریوں کا شکار ہوئے جن میں خود ابن ابی بکرہ بھی تھے۔ (فتوح البلدان ص ۶-۷۰۶)

تیسری فوج کشی اور کامیابی : اس معرکہ میں مسلمانوں کا کافی جانی و مالی نقصان ہوا۔ اس لئے حجاج نے ۸۰ ہجری میں پھر ایک تجربہ کار اور آزمودہ کار بہادر عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا۔ انہیں دیکھ کر رتبیل بہت گھبرایا اور اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا لیکن ابن اشعث نے منظور نہ کیا اور رتبیل کے مقبوضات میں گھس گئے۔ رتبیل نے انہیں بھی اسی جال میں پھنسانا چاہا لیکن وہ بڑے تجربہ کار تھے اس لئے جتنا علاقہ فتح کرتے تھے اس کی حفاظت اور واپسی کا پورا انتظام کر کے آگے بڑھتے تھے۔ اس طرح انہوں نے رتبیل کے علاوہ اس کا بڑا حصہ چھین لیا۔ سیتان کا پہاڑی علاقہ اور دشوار گزار تھا، اس لئے ایک حصہ فتح کرنے کے بعد فوجوں کو آرام دیتے، مقبوضہ علاقہ کا انتظام کرنے اور باقی حصہ کے جغرافیہ سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے باقی مہم آئندہ کے لئے ملتوی کر کے حجاج کو اس کی اطلاع دے دی۔

حجاج، ابن اشعث سے کبیدہ تھا، اس لئے ان کے خط کے جواب میں لکھا، ”کہ تمہارا خطر راحت پسند اور آرام طلب آدمی کا خط ہے۔ ایک ایسے دشمن کے مقابلہ میں

اس بغاوت کا آغاز اگرچہ حجاج کی مخالفت سے ہوا تھا، لیکن اس کا لازمی نتیجہ حکومت سے تصادم تھا۔ اس لئے عراق پہنچنے کے بعد فوج نے عبدالملک سے بھی فسخ بیعت کا اعلان کر دیا اور ابن اشعث کے ہاتھوں پر کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور گمراہوں سے جہاد پر بیعت کر لی۔

بصرہ پر ابن اشعث کا قبضہ: حجاج کو یہ حالات معلوم ہوئے تو عبدالملک کو اس کی اطلاع بھیج کر خود ابن اشعث کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ تستر کے قریب دونوں کا مقابلہ ہوا۔ حجاج کو شکست ہوئی اور وہ بصرہ لوٹ گیا۔ ابن اشعث نے اس کا تعاقب کیا۔

اہل عرب فطرۃ شورش پسند تھے اور حجاج کو زیادتیوں سے بھی بالاں تھے اس لئے ابن اشعث کا سہارا پا کر اہل بصرہ بھی حجاج کے خلاف ہو گئے۔ یہاں مخالفت کے آثار دیکھ کر حجاج بصرہ سے نکل گیا اور اہل بصرہ بھی ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے اور ذی الحجہ ۸۱ ہجری میں وہ بصرہ میں داخل ہو گیا۔

ابن اشعث کی پہلی شکست: حجاج بصرہ کے قریب ہی مقام زاویہ میں فوجوں کے ساتھ گھر گیا تھا۔ اس لئے بصرہ پر ابن اشعث کے قبضہ کے بعد آغاز ۸۲ ہجری میں پھر جنگ شروع ہو گئی۔ ابن اشعث نے بڑی شجاعت سے سے مقابلہ کیا۔ حجاج کے قدم اکھڑتے اکھڑتے رہ گئے۔ لیکن خون ریز معرکوں کے بعد آخر میں ابن اشعث کو شکست ہوئی، اس کی سپاہ کا بڑا حصہ کام آیا۔ شکست کھانے کے بعد وہ بصرہ چھوڑ کر کوفہ چلا گیا۔ بصرہ کے بہت سے عمائد نے بھی ان کا ساتھ دیا..... اس کے جو مددگار بصرہ میں رہ گئے تھے، انہوں نے عبدالرحمن بن عباس رضی اللہ عنہ بن ربیعہ کو امیر بنا کر حجاج کا نہایت پر زور مقابلہ کیا لیکن چند معرکوں کے بعد یہ لوگ بھی کوفہ چلے گئے۔

کوفہ پر قبضہ: کوفہ پہنچنے کے بعد ابن اشعث کے آدمیوں نے یہاں کے

اموی حاکم عبدالرحمن بن عباس کو نکال دیا۔ حجاج کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بصرہ سے کوفہ پہنچا۔ اس وقت ابن اشعث کی قوت پھر مجتمع ہو چکی تھی اور اس کے ساتھ تقریباً دو لاکھ آدمی تھے۔ انہیں لے کر ابن اشعث حجاج کے مقابلہ کے لئے نکلا اور عرصہ تک دونوں میں نہایت خون ریز جنگ ہوتی رہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

بغاوت روز بروز نازک شکل اختیار کرتی جاتی تھی۔ سارے عراق میں اس کے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ اس لئے عبدالملک نے حجاج کو جس کی مخالفت میں یہ بغاوت برپا ہوئی تھی، عراق کی حکومت سے معزول کر دینے کا ارادہ کر لیا اور اپنے لڑکے عبداللہ اور بھائی محمد کو بھیجا کہ وہ جا کر اہل عراق سے کہیں کہ اگر ان کو حجاج کی حکومت سے اختلاف ہے تو اس کو معزول کر کے محمد بن مروان کو عراق کا حاکم بنا دیا جائے گا۔ عراقی فوج کو شامی فوج کے برابر تنخواہیں دی جائیں گی اور ابن اشعث جس مقام کی حکومت پسند کرے گا زندگی بھر کے لئے وہاں کا حاکم بنا دیا جائے گا اور اگر اہل عراق پر اس پر بھی بغاوت سے باز نہ آئیں تو حجاج بدستور حاکم رہے گا اور اسے یہ اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہے انہیں مطیع بنائے۔

عبداللہ اور محمد نے اہل عراق کو عبدالملک کا یہ پیغام سنایا، ابن اشعث نے بھی اسے منظور کر لینے کی رائے دی لیکن عراقی فطرۃ شورش پسند واقع ہوئے تھے اس لئے منظور نہ کیا اور اپنی ناقابت اندیشی سے اس پیش کش کو مسترد کر کے حجاج کو اپنے اوپر مسلط رہنے کا موقع دے دیا۔ (ابن اثیر ج ۲، ص ۱۸۱)

ابن اشعث کی شکست اور عراق پر حجاج کا قبضہ: ان کے انکار پر حجاج کو انتقام لینے کا موقع مل گیا چنانچہ پھر فریقین میں جنگ شروع ہو گئی اور کئی مہینوں کے مسلسل خون ریز معرکوں کے بعد ۸۳ ہجری میں عراقیوں نے نہایت فاش شکست کھائی۔ ابن اشعث شکست کھا کر بصرہ چلا گیا اور حجاج نے کوفہ میں داخل ہو کر یہاں کے باشندوں سے بزور شمشیر بیعت لی، جس نے ذرا بھی تامل کیا، اسے بے دریغ قتل کر دیا گیا۔

ابن اشعث کے بصرہ پہنچنے کے بعد شکست خوردہ عراقی اس کے پاس پہنچ گئے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے مددگار جمع ہو گئے۔ انہیں لے کر وہ پھر حجاج کے مقابلہ کے لئے نکلا۔ شعبان ۸۴ ہجری میں دونوں میں آخری مقابلہ ہوا۔ اہل عراق نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن آخر میں شکست انہی کی ہوئی۔ اس شکست نے ابن اشعث کی قوت بالکل توڑ دی اور وہ سیستان جہاں اس کے عمال تھے چلا گیا۔ حجاج نے تعاقب کیا لیکن ابن اشعث لڑتا پھرتا ہوا بست نکل گیا۔ یہاں کے والی عیاض بن ہیمان نے عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا لیکن پھر اس کی نیت بدل گئی اور حجاج سے سرخروئی حاصل کرنے کے لئے قید کر دیا۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ابن اشعث نے شروع ہی میں رتبیل سے معاہدہ کر لیا تھا کہ شکست کی صورت میں وہ اس کی مدد کرے گا چنانچہ رتبیل کو جب اس کی گرفتاری کی خبر ہوئی تو اس نے عیاض کو لکھا کہ 'اگر ابن اشعث کو کسی قسم کا نقصان پہنچا تو تمہاری خیر نہیں۔' رتبیل اس نواح کا بڑا ممتاز حکمران تھا، اس لئے عیاض نے ڈر کر ابن اشعث کو رہا کر دیا اور وہ رتبیل کے ہاں چلا گیا، اس نے بڑا اثر بیلانہ برتاؤ کیا۔

گواہل عراق کو حجاج کے مقابلہ میں شکست ہوئی تھی لیکن اس کے بعد بھی ہزاروں آدمیوں نے اس کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ یہ سب کے سب سیستان پہنچے اور زرنخ پر قبضہ کر کے ابن اشعث کو رہنمائی کے لئے بھیجا۔ وہ ان کی دعوت پر زرنخ آیا اور ان کے ساتھ ہرات کی طرف بڑھا۔ ہرات پہنچ کر ایک ممتاز امیر عبید اللہ بن معمر قریشی دو ہزار سپاہ کے ساتھ الگ ہو گئے، ان کی علیحدگی پر ابن اشعث نے کہا کہ میں ایک محفوظ مقام پر چلا گیا تھا، تم لوگوں نے خود مجھ کو بلا بھیجا اور جب میں آیا تو ساتھ چھوڑنے لگے۔ اس لئے میں پھر اپنے مقام واپس جاتا ہوں، چنانچہ وہ رتبیل کے ہاں لوٹ گیا۔

ابن اشعث کی گرفتاری اور قتل: حجاج کو جب اس کی خبر ہوئی کہ ابن

اشعث نے تمیل کے دامن میں پناہ لی ہے تو اس نے تمیل کو لکھا کہ ابن اشعث کو میرے پاس بھجوا دو ورنہ تمہارا ملک پامال کر ڈالوں گا۔ تمیل کی غیرت نے اسے گوارا نہ کیا لیکن ابن اشعث کے ایک دشمن عبید بن ربیع نے تمیل کو حجاج کے انتقام سے ڈرا کر اس شرط پر آمادہ کر لیا کہ اگر ابن اشعث کو حوالہ کر دے تو سات برس تک اس سے خراج نہ لیا جائے گا چنانچہ باختلاف روایت تمیل نے اس کا سر قلم کر کے بھجوا دیا یا زندہ حوالہ کر دیا اور راستہ میں ابن اشعث نے خودکشی کر لی یہ واقعہ ۸۵ ہجری کا ہے۔

ابن اشعث کے خاتمہ کے بعد عراق میں امن و سکون ہو گیا۔ حجاج نے ائمہ تابعین میں سعید بن جبیرؒ کے علاوہ باقی بزرگوں کو معاف کر دیا اور سعید بن جبیر کو کئی برس کے بعد ولید کے زمانہ میں شہید کر دیا۔ (اس انقلاب کا پورا حال ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہے)

ولسی عہد دی: مروان، عبدالملک کے بعد اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنا گیا تھا۔ عبدالملک نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ۸۵ ہجری میں عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالملک نے علی الترتیب اپنے دونوں لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنا کر ان کی بیعت لی۔ (ابن اثیر ج ۴، ص ۱۹۸) عام مسلمانوں نے تو بیعت کر لی لیکن مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ ابن مسیبؒ بڑے محترم بزرگ تھے۔ ان کے انکار سے دوسروں پر اثر پڑنے کا اندیشہ تھا اس لئے ہشام بن عبدالملک حاکم مدینہ نے ان پر بڑی سختیاں کیں۔ کوڑوں سے پٹوایا اور تشہیر اکرا کے قید کر دیا لیکن یہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو ہشام کے فعل پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور ابن مسیبؒ کو معذرت کا خط لکھا کہ ”یہ واقعہ بغیر میری مرضی اور میرے علم کے پیش آیا ہے۔“ اور ہشام کو تنبیہ کی کہ ابن مسیبؒ ہرگز اس سلوک کے مستحق نہ تھے۔ ان کی ذات سے کسی اختلاف کا خطرہ نہیں ہے۔ عبدالملک کی تنبیہ پر ہشام کو

بڑی ندامت ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ج ۱، تذکرہ ابن مسیب)

علاقت اور وفات: شوال ۸۶ھ میں عبدالملک مرض الموت میں مبتلا ہوا، دورانِ علالت اپنے لڑکوں کو وصیت کی کہ اللہ رب العزت کا خوف ہمیشہ کرنا کہ یہ سب سے خوبصورت زیور اور سب سے مضبوط جائے پناہ ہے۔ تم میں سے جو بڑا ہو اس کو چھوٹے کے ساتھ لطف سے پیش آنا چاہئے اور چھوٹے کو بڑے کے حقوق کا لحاظ رکھنا چاہئے، اپنے بھائی مسلمہ کا ہمیشہ خیال رکھنا۔ اس کی رائے و مشورہ پر عمل کرنا کہ وہ تمہارا قوت بازو اور رتہ بھاری ڈھال ہے۔ حجاج کا احترام کرنا۔ اس نے دشمنوں کو زیر کر کے ملک کو تابع فرمان بنایا ہے۔ تم میں اختلاف نہ پیدا ہونے پائے، جنگ میں شرافت کا حق ادا کرنا، جنگ سے موت ضروری نہیں ہے۔ نیکی اور بھلائی کا مینا رہنا کہ اس کا اجر اور نام باقی رہ جاتا ہے۔ بھلائی ہمیشہ شریفوں کے ساتھ کرنا کہ وہ اس کا حق ادا کرتے ہیں اور ممنون ہوتے ہیں۔ خطا داروں کی خطاؤں کو نگاہ میں رکھنا، اگر وہ معافی چاہیں تو معاف کر دینا اور جب دوبارہ کریں تو سزا دینا۔ (ابن اثیر ج ۴، ص ۱۹۸)

۵ شوال ۸۶ھ ہجری کو انتقال ہوا اور دمشق کی سرزمین میں دفن کیا گیا۔ انتقال کے وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔ اس کی بیعت کے وقت سے مدتِ خلافت اکیس سال تھی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خاتمہ کے بعد سے تیرہ سال چار مہینے۔

اولاد: عبدالملک کے بہت سی اولادیں تھیں۔ ان میں سولہ لڑکے تھے۔ ولید، سلیمان، مروان، اکبر درج، مروان الصغر، یزید، معاویہ، ہشام، ابوبکر، حکم، درج، عبدالملک مسلمہ، منذر، عنبسہ، محمد سعید اور حجاج وغیرہ۔

کارنامے

عبدالملک اموی حکومت کا دوسرا بانی ہے۔ معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد اموی حکومت قریب قریب ختم ہو چکی تھی اور ساری دنیائے اسلام نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مان لیا تھا۔ مروان کو اتنی کامیابی ہوئی کہ اس نے شام پر

قبضہ کر کے دوبارہ مرکز حکومت قائم کر دیا لیکن مصر لینے کے بعد اس کا وقت آخر ہو گیا اور اس کو زیادہ موقع نہ ملا اور باقی سارا ملک ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کے زیر فرمان رہا۔

عبدالملک کے ہاتھ میں جس وقت زمام حکومت آئی، اس وقت ساری دنیائے اسلام پر آشوب ہو رہی تھی۔ اس کے زمانہ میں بڑے بڑے انقلاب و حوادث ہوئے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پہلے سے مقابلہ میں تھے۔ ان کے علاوہ مختار ثقفی کا خروج، خوارج کی شورش اور ابن اشعث کی انقلاب انگیز بغاوت اسی کے زمانہ میں ہوئیں اور بہت سے انقلابات و حوادث جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، پیش آئے لیکن عبدالملک نے اپنے عزم و استقلال اور تدبیر و شجاعت سے ان تمام مخالف حالات پر قابو حاصل کر کے دوبارہ اموی حکومت قائم کر دی۔

وہ بڑا قوی دل اور مستقل مزاج تھا، نازک سے نازک حالات میں گھبراتا نہ تھا۔ مشکلات و مصائب کے ہجوم میں اس کی ہمت اور زیادہ قوی ہو جاتی تھی۔ ۶۲ ہجری میں جب وہ مختار ثقفی کے مقابلہ کے سلسلہ میں پایہ تخت سے باہر تھا، اس کو ایک ہی شب پے در پے حوصلہ شکن خبریں ملیں کہ اموی حکومت کا قوت بازو عبداللہ بن زید مختار کے مقابلہ میں مارا گیا۔ ایک اور ممتاز افسر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کام آیا۔ ان کی فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئیں۔ شام کی سرحد مصیصہ پر رومیوں نے حملہ کر دیا۔ دمشق کے اوباشوں نے شہر میں غدر مچا دیا۔ قیدی جیل توڑ کر نکل گئے اور اعراب نے حمص اور بلبلک پر تاخت کی۔

ایک وقت میں اتنی مخالف خبریں مستقل مزاج آدمی کو گھبرا دینے کے لئے کافی تھیں، لیکن عبدالملک مطلق نہ گھبرایا بلکہ اس شب کو وہ اور راتوں سے زیادہ خوش بٹاش اور مستقل مزاج نظر آتا تھا۔ (مروج الذهب مسعودی ج ۲)

اس کے اس استقلال، ہمت و شجاعت نے نہ صرف تمام مخالف حالات پر قابو

حاصل کر لیا بلکہ نئی فتوحات بھی حاصل ہوئیں اور سندھ سے لے کر جبرالٹر تک ایک متحدہ حکومت قائم ہو گئی اور اس کے جانشینوں کو اطمینان کے ساتھ تعمیری کاموں کا موقع ملا۔

اس سلسلہ میں بعض ایسے نادرواقتات ظہور پذیر ہوئے جن سے عبدالملک کے دامن پر دھبہ آتا ہے۔ مثلاً خانہ کعبہ پر سنگباری، مشہور صحابی حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے تابعین کی تحقیر و تذلیل لیکن ان واقعات میں بعض ناگزیر واقعات کا نتیجہ تھے اور بعض کی ذمہ داری عبدالملک کے عمال کے سر ہے تاہم وہ بھی ان سے یکسر بری نہیں۔

خانہ کعبہ پر سنگباری کا سبب یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حرم قلعہ بند تھے۔ یہاں ان کی فوج اور سامان رسد تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ گو جلیل القدر صحابی تھے لیکن حکومت کے نقطہ نظر سے باغی تھے۔ اس لئے حجاج کو حرم میں بھی ان کا مقابلہ کرنا پڑا اور چونکہ وہ کعبہ کو اڑ بنائے ہوئے تھے اس لئے ناگزیر طور پر اس پر بھی پتھر گرے جس سے اس کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ گو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے خاتمہ کے بعد حجاج نے فوراً خانہ کعبہ کو صاف کرایا اور عبدالملک نے اس کی عمارت درست کرائی مگر حجاج کا یہ فعل حرم کی عظمت و حرمت کے منافی تھا۔

حضرت انسؓ بن مالک کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ وہ بھی حجاج کو پسند نہ کرتے تھے اور ان کا قیام بصرہ میں تھا۔ اس لئے حجاج کی نگاہ میں وہ بھی ابن اشعث کی بغاوت میں متہم تھے۔ چنانچہ اس نے ان سے بھی سختی کے ساتھ باز پرس کی اور کہا یہ دو رنگی کہ کبھی مختار کے ساتھ، کبھی ابن اشعث کے ساتھ، میں تم کو سخت سزا دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا، امیر یہ کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟ حجاج نے جواب دیا، اللہ تم کو بہرہ کرے، تم کو کہتا ہوں، یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک لوٹ گئے۔

ایک روایت یہ ہے کہ حجاج نے آپ کو ذلیل کرنے کے لئے آپ کی گردن پر مہر لگوائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عبدالملک کے پاس شکایت بھیجی، اسے پڑھ کر وہ جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور اسی وقت حجاج کو نہایت غضب آلود خط لکھا، تم اپنی اوقات اتنی بھول گئے اور تمہاری یہ جرأت کہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انس بن مالک کے ساتھ گستاخی کرتے ہو، میرا خط ملتے ہی پایادہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی رضامندی حاصل کرو، ورنہ تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔“ یہ خط پا کر حجاج نے اپنے درباریوں کے ساتھ حضرت انس بن مالک کی خدمت میں پایادہ حاضر ہو کر ان سے معافی چاہی اور ان سے خوشنودی کا خط لے کر عبدالملک کے پاس بھیجا۔

حضرت سعید بن مسیبؒ کی تحقیر کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ اس سے اس کی پوری کیفیت اور عبدالملک کی برأت معلوم ہو چکی ہوگی۔ درحقیقت عبدالملک بذات خود ظلم و زیادتی کو ناپسند کرتا تھا۔ اسے جب کسی زیادتی کی اطلاع ہوتی تو وہ نہ صرف اس کا تدارک کرتا تھا بلکہ اس کی باز پرس بھی کرتا تھا۔ چنانچہ جب اس کو معلوم ہوا کہ ابن اشعث کی بغاوت فرو کرنے کے بعد حجاج نے شکست خوردہ باغیوں اور قیدیوں کو خوزیری میں بے اعتدالی کی ہے اور اپنے آدمیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ان میں مسرفانہ روپیہ تقسیم کیا تو اس نے یہ تہدید آمیز خط لکھا۔

”اما بعد! امیر المؤمنین کو خون ریزی میں تمہاری زیادتی اور مال میں اسراف کی خبر ملی..... امیر المؤمنین دونوں باتوں کو کسی کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قتل خطا میں تم سے دیت اور قتل عمد میں قصاص لیا جائے گا اور جو مال تم نے بے جا صرف کیا ہے اسے واپس کرنا ہوگا اور اس مصرف پر بعد میں غور کیا جائے گا۔ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے امین ہیں۔ ان کے نزدیک کسی کا حق روکنا اور ناحق دینا دونوں برابر ہیں۔ اگر اس سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ لوگ امیر المؤمنین کے ہو جائیں تو ان سے تم نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور اگر یہ مقصد ہے کہ لوگ

تمہارے ہو جائیں تو ان سے تم کو کوئی فائدہ پہنچا۔ تم کو امیر المومنین کی جانب سے نرمی اور سختی برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اطاعت ہی میں تمہاری بھلائی ہے اور سرکشی خرابی ہے۔ امیر المومنین کی ذات سے اپنی خطاؤں کو برداشت کرنے کے علاوہ اور ہر چیز میں حسن ظن رکھ سکتے ہو۔ جب اللہ تم کو کسی قوم کے مقابلہ میں فتح یاب کرے تو صلح جو لوگوں اور قیدیوں کو ہرگز قتل نہ کرنا چاہئے۔“

حجاج نے اس کی معذرت میں لکھا:

”اما بعد! امیر المومنین کا فرمان جس میں خون ریزی میں میری زیادتی اور مال میں اسراف کا ذکر تھا، ملا اپنی عمر کی قسم! باغی جس سزا کے مستحق تھے، اسے پوری نہ دے سکا اور اہل اطاعت جس صلہ کے مستحق تھے، اسے پورا نہ دے سکا۔ اگر ان نافرمانوں کا قتل زیادتی اور اہل اطاعت کو دینا اسراف ہے تو جو کچھ ہو چکا وہ ہو چکا۔ آئندہ کے لئے امیر المومنین میرے لئے ایک حد مقرر کر دیں کہ میں اس سے تجاوز نہ کروں۔ اللہ رب العزت کی قسم نہ مجھ پر دیت ہے اور نہ قصاص، کہ میں نے قتل میں کوئی غلطی کی ہے۔ جنہیں میں نے دیا ہے، آپ ہی کے لئے دیا ہے اور جنہیں قتل کیا ہے، آپ ہی کے لئے کیا ہے۔ میں آپ کے لئے دونوں طرز عمل، نرمی اور سختی کو اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔“ (مروج الذهب مسعودی ج ۲، ص ۵۵۷، ۵۵۸ حاشیہ فتح الطیب)

عبدالملک کا یہ خط اس کی سیاست کے سرسری اندازہ کے لئے کافی ہے۔ وہ طبعاً رعایا پر ظلم و زیادتی کو ناپسند کرتا تھا اور لوگوں کو ممانعت کر دی تھی کہ وہ ایسی باتیں نہ کہیں جو رعایا کے خلاف بھڑکانے والی ہوں کہ اس کے ساتھ نرمی کی زیادہ ضرورت ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲) تقریر کے وقت عمال کو نرمی اور خندہ جمینی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا تھا، چنانچہ اپنے بھائی عبدالعزیز کو مصر کی حکومت پر بھیجتے وقت جو ہدایتیں کی تھیں، ان میں یہ بھی تھا کہ کشادہ جبینی اور نرمی اختیار کرنا اور جملہ امور میں نرمی اور آشتی کو ترجیح دینا (آداب السلطانیہ ص ۱۱۳)

خصوصاً حرمین کے بزرگوں کے ساتھ اس کا طرز عمل بڑا شریفانہ و متحملانہ تھا۔ ۵ھ ہجری میں جب حج کے سلسلہ میں وہ مدینہ حاضر ہوا تو اہل مدینہ کے سامنے تقریر کی۔ اس کے بعد حکومت کے ایک اور رکن کھڑے ہوئے، انہوں نے مدینہ کے گزشتہ واقعات کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جو کچھ ہوا، وہ تمہاری نافرمانی اور بنی امیہ اور امیر المؤمنین کے ساتھ تمہارے ناپسندیدہ طرز عمل کا نتیجہ تھا، تم لوگوں کی مثال اس قریہ جیسی ہے جس کا قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ:

”وہ امن و اطمینان کے ساتھ تھے اور ہر جگہ سے فراغت کے ساتھ ان کے پاس رزق پہنچتا تھا مگر انہوں نے اللہ کی ناشکری کی، اس کردار کا اللہ تعالیٰ نے ان کو مزا چکھایا اور بھوک اور خوف کا ان کا لباس بنا دیا۔“

یہ سن کر مدینہ کے ایک بزرگ ابن عبد نے کہا، تم جھوٹ کہتے ہو، ہم لوگ ایسے نہیں ہیں۔ اس آیت کے بعد کا حصہ بھی تو پڑھو۔

”کہ ان کے (کفار) پاس انہیں میں سے رسول آیا، پس ان لوگوں نے اسے جھٹلایا، اس کی سزا میں ان کو عذاب نے پکڑا اور وہ لوگ ظالم تھے۔“
ہم لوگ تو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس بے باکانہ جواب پر حکومت کے سپاہیوں نے بڑھ کر ابن عبد کو پکڑ لیا اور عبد الملک کے پاس لے گئے۔ اس نے رہا کر دیا اور ابن عبد سے کہا کہ میں تو درگزر سے کام لیتا ہوں لیکن کسی اور والی کے سامنے ایسی باتیں نہ کرنا، وہ برداشت نہ کرے گا اور ان کو چھ سواشرافیاں عطا کیں۔ (ابن سعد ج ۵، ص ۱۷۲)

اس میں شک نہیں کہ ابن اشعث کی بغاوت اور عراق کے انقلاب کے سلسلہ میں ضرور بعض عمال کی جانب سے بے عنوانیاں ہوئیں لیکن اس کی ذمہ داری انہی کے سر ہے۔ دوسرے ایسی بغاوتوں میں جن کا مقصد حکومت کا تختہ الٹنا ہو، کسی حاکم کا جادہ اعتدال پر قائم رہنا بہت مشکل ہے، عبد الملک کا زمانہ جیسا پر آشوب تھا اور جیسے

سرکشوں سے اس کو سابقہ پڑا تھا، وہ بغیر سختی کے درست بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ اپنے طرز عمل کی توجیہ میں خود کہا کرتا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ ان کی نرمی کا نتیجہ تھا۔ اگر وہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرح سخت ہوتے تو ہرگز اس کی نوبت نہ آتی۔ آج ویسے لوگ کہاں ہیں جن کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کا طرز جہاں بانی برتا جائے۔ ہر زمانہ کے آدمیوں کی سرشت کے ساتھ حاکم وقت کا طریقہ بدلتا رہتا ہے۔ اگر وہی طریقہ اختیار کیا جائے تو گھروں پر ڈاکے پڑنے لگیں، راستے غیر محفوظ ہو جائیں، ظلم اور فتنہ عام ہو جائے۔ اس لئے ہر حکمران کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر زمانہ میں وہی طریقہ اختیار کرے جو اس دنیا کے اقتضاء کے موافق ہو۔ (ابن اثیر ج ۲، ۱۵۵)

اس کا قول تھا: ”کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بار کو اٹھانے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔“

عبدالملک طرز جہاں بانی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ گو وہ ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا، تاہم اتنا مسلم ہے کہ وہ نہایت بیدار مغز اور اپنے عمال کی سخت نگرانی رکھتا تھا۔ (کتاب البیان والتبيين ج ۲، ص ۱۸۶)

ایک مرتبہ ایک عامل کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ رعایا سے تحفہ لیتا ہے تو فوراً اس کو طلب کر کے باز پرس کی اور عہدہ سے معزول کر دیا۔ (مروج الذهب ج ۲، ص ۳۷۵)

گو عبدالملک کا دور نہایت پر آشوب تھا۔ اس کا پورا زمانہ شورشوں اور انقلابوں کے دبانے میں گزرا اور اسے تعمیری کاموں کا کم موقع ملا، تاہم اس لحاظ سے اس کے بعض کارنامے ہیں۔

اسلامی سکھ: اس سلسلہ میں اس کا سب سے ممتاز کارنامہ اسلامی سکھ کا اجراء ہے۔ اس وقت تک مسلمانوں کا اپنا سکھ نہ تھا بلکہ رومی، ایرانی اور قبطی سکھوں سے ان کا کام بھی چلتا تھا اس سے بڑی حد تک مسلمانوں کی اقتصادی باگ ان قوموں کے ہاتھ

میں تھی۔ عبدالملک نے ۷۵ ہجری میں اسلامی سکہ رائج کر کے دوسری قوموں کے سکوں سے رہائی حاصل کی۔ (طبقات ابن سعد ص ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹ طبری۔ ۹۳۹)

عرب بھی زبان کما دفتری زبان بنانا: دوسرا کارنامہ عربی زبان قرار دینا ہے۔ اب تک حکومت کے دفاتر فارسی اور رومی زبان میں تھے۔ اس سے مختلف قسم کی خرابیاں تھیں۔ ان خرابیوں کو محسوس کر کے عبدالملک نے عربی زبان کو دفتری زبان قرار دیا۔ اس سے سہولت کے علاوہ عربی زبان کی بڑی ترقی و اشاعت ہو گئی۔ (آداب السلطانی ص ۱۱۰، ۱۱۱ ابن اثیر وغیرہ)

خسانہ کعبہ میں ترمیم: اوپر گزر چکا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کی عمارت کو گرا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجوزہ نقشہ کے مطابق بنادیا (جیسے پہلے گزرا) حجاج نے ابن زبیر کے اضافہ کو ٹوٹوا کر پھر خانہ کعبہ کی عمارت کو پرانے نقشہ کے مطابق کر دیا۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۱، ص ۳۸)

مذہبسی خدمات: عبدالملک کا دور مذہبی خدمات سے بھی خالی نہیں ہے، وہ ہر سال خانہ کعبہ کے لئے دیبا کا غلاف اور حرم اور مسجد نبویؐ میں خوشبو کے لئے بخورات اور عود دان بھیجتا تھا۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۱، ص ۳۸) متعدد نئی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور پرانی مسجدوں کی توسیع و مرمت ہوئی۔ ۶۵ ہجری میں عبدالملک نے جامع دمشق بنوائی اور صحرہ پر عظیم الشان خوبصورت گنبد بنوایا۔ واسطہ بردعہ اور دہشل میں وسیع مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ عبدالعزیز بن مروان نے جامع مسجد مصر کو ٹوٹوا کر اس کی توسیع کروائی۔ (تاریخ مکہ از رقی ج ۱، ص ۱۳۷)

رفاہ عام کرے کام: رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے۔ ۸۰ ہجری میں مکہ میں بہت بڑا سیلاب آیا تھا جو ”سیل جارف“ کے نام سے مشہور ہے، اس سے مکہ کی ساری آبادی تہہ آب ہو گئی اور اہل مکہ کو بڑا جانی و مالی نقصان پہنچا۔ عبدالملک نے آئندہ اس سے حفاظت کے لئے ان تمام مکانوں میں جو وادی کے کنارے تھے اور

مسجدوں اور گلیوں میں مستحکم حصار اور بند بنوائے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۱۴ دفاء الوفاء)
 شہر-روں کی آبادی: بعض نئے شہر بھی بسائے گئے اور پرانے ویران شدہ شہر
 دوبارہ آباد ہوئے۔ حجاج نے عراق میں بڑے اہتمام سے واسط بنایا۔ صرف شہر پناہ
 قصر حکومت اور جامع مسجد کی تعمیر میں کئی کروڑ صرف ہوئے تھے۔ (معجم البلدان ذکر
 واسط)

بعض مورخین آذربائیجان کے شہر اردبیل اور بروعد کو بھی اس دور کے آباد شدہ
 شہروں میں لکھتے ہیں۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۴۲) لیکن ان کے نام اسلام
 سے بہت پہلے ملتے ہیں۔ غالباً اسلامی دور میں ویران ہو چکے تھے اور عبدالعزیز بن ابی
 حاتم باہلی کے اہتمام میں دوبارہ آباد ہوئے۔

ذاتی حالات: عبدالملک عقل و دانش تدبیر و سیاست شجاعت و شہامت اور علم و
 فضل جملہ اوصاف میں کامل تھا۔ ﴿کان عبد الملک لبیبا عاقلا عالما قوی
 الہیة شدید السياسة حسن تدبیر الدنیا﴾ اس کی تدبیر و سیاست کا اندازہ
 اوپر کے واقعات سے ہو گیا ہوگا۔

علم و فضل کے اعتبار سے اپنے عہد کے اکابر علماء میں تھا اگر وہ حکومت کی
 آزمائشوں میں نہ پڑ گیا ہوتا تو مدینہ کی مسند علم کی زینت ہوتا۔ اس کا شمار مدینہ کے
 ممتاز فقہاء میں تھا۔ حضرت زید بن ثابت ؓ انصاری کے بعد مدینہ الرسول ﷺ کے
 منصب قضا و افتاء پر فائز تھا۔ (ابن اثیر ج ۲ ص ۱۹۹) اس عہد کے اکابر علماء و ائمہ
 اس کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے آخری زمانہ میں
 لوگوں نے پوچھا کہ اب آپ کا آفتاب عمر لب بام ہے آپ کے بعد ہم کس کی طرف
 رجوع کریں؟ فرمایا مروان کا لڑکا فقیہ ہے اس سے پوچھنا۔ (کتاب البدو والتاریخ)
 امام شافعیؒ کہتے تھے کہ میں جن جن علماء سے ملا عبدالملک کے سوا اپنے کو سب پر
 فائق پایا۔ اس سے جب حدیث یا شاعری وغیرہ پر گفتگو ہوتی تھی تو وہ معلومات میں

کچھ اضافہ ہی کر دیتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۱۶)

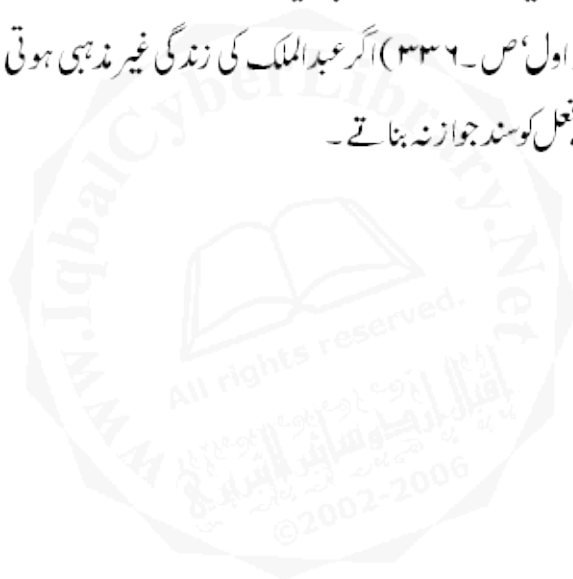
خلافت سے پہلے وہ بڑا متقی و پرہیزگار تھا۔ رات دن عبادت و ریاضت اور تلاوت قرآن سے کام رکھتا تھا۔ (ابن سعد ج ۵، ص ۱۷۴) لیکن خلافت کی ذمہ داریوں کے بعد یہ زندگی قائم نہ رہ سکی۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ جب اس کو خلافت ملنے کی خبر ملی اس وقت وہ تلاوت قرآن میں مشغول تھا۔ یہ خبر سن کر اس نے قرآن بند کر دیا اور کہا یہ آخری صحبت ہے۔ اس سے اس کے مخالفین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خلافت کے بعد اس کو مذہب سے کوئی تعلق نہ رہ گیا تھا، جو صحیح نہیں ہے۔ اس سے یہ مقصد تھا کہ خلافت کے فرائض اور ذمہ داریوں کے بعد اب تلاوت قرآن کا زیادہ موقع نہ ملے گا۔ اس نے یہ کلمات حسرت و افسوس کے طور پر کہے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ خلافت کے بعد اس کا اگلا رنگ قائم نہ رہ سکا تھا اور وہ سیاسی امور میں مذہبی حدود سے بھی متجاوز ہو جاتا تھا، لیکن اور اعمال میں وہ مذہبی تھا۔ اس کی انگوٹھی کا نقش ”آمنت باللہ مخلصا“ تھا، یعنی میں خلوص دل سے اللہ پر ایمان لایا۔ (ابن سعد ج ۵، ص ۷۴)

مشہور صاحب علم تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ سے درخواست کر کے کلام اللہ کی تفسیر لکھائی۔ (کتاب الخلفاء ص ۲۱۷) خلافت ملنے کے کئی سال بعد ۷۵ھ میں حج کے لیے گیا اور خود امیر الحج کے فرائض انجام دیئے اور ۸۱ھ میں اپنے لڑکے سلیمان کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ (کتاب التبیئۃ والاشراف مسعودی ص ۳۳۶)

اس کے مذہبی جذبات کا اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اہم فرامین اور مراسلات کے سرنامے پر ”قل هو اللہ احد“ اور آنحضرت ﷺ کا نام مبارک لکھا کرتا تھا۔ سلاطین اور فرمانرواؤں کے مراسلات میں بھی یہ تحریر ہوتی تھی۔ قیصر روم نے اس پر اعتراض کیا کہ شاہی مراسلات میں آپ نے جو یہ نیا طریقہ جاری کیا ہے اسے بند کر دیجئے۔ ورنہ ہم اپنے سکوں پر ایسی تحریر نقش کریں گے جو آپ کو ناگوار ہو گی۔ اس کے جواب میں عبدالملک نے رومی سکہ ہی منسوخ کر دیا اور اسلامی سکہ جاری

کیا۔ جس پر ”قل هو اللہ“ اور ”لا الہ الا اللہ“ نقش تھا۔ (میزان الاعتدال ذہبی ج ۲، ص ۱۹۷)

امام شیعہ جیسے امام اس کے ہم جلیس و ہم نشین تھے۔ امام زہریؒ اس کے عمل کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے سونے کے تار سے دانت کسنے کے متعلق استفسار کیا۔ انہوں نے جواب دیا، کوئی مضائقہ نہیں، عبد الملک ایسا کرتا تھا۔ (یعقوبی جلد اول، ص ۳۳۶) اگر عبد الملک کی زندگی غیر مذہبی ہوتی تو امام زہریؒ ہرگز اس کے فعل کو سند جواز نہ بناتے۔



ولید بن عبد الملک

(۸۶ھ ۹۶۲ھ مطابق ۷۰۵ء تا ۷۱۵ء)

ولید عبد الملک کا بڑا لڑکا تھا۔ اس کی ماں ولادہ بنت عباس قبیلہ عیس سے تھی۔ اپنے والد کے برعکس وہ علم و فن سے بیگانہ تھا۔ عبد الملک نے اس کی تعلیم کی بڑی کوشش کی، لیکن ولید کی طبیعت تحصیل علم کی جانب راغب نہ ہوئی، گو وہ علم سے بیگانہ تھا، لیکن جہاں بانی کے اور تمام اوصاف بدرجہ کمال موجود تھے اور وہ بنی امیہ کا کامیاب ترین خلیفہ تھا۔ عبد الملک نے اپنی زندگی میں ہی اس کی ولی عہدی کی بیعت لے لی تھی، چنانچہ اس کی وفات کے بعد شوال ۸۶ھ میں ولید تخت نشین ہوا۔

عبد الملک اپنے زمانہ میں تمام مخالف طاقتوں اور اندرونی شورشوں کا قلع قمع کر کے میدان بالکل صاف کر گیا تھا۔ اس لیے ولید کو پورے سکون و اطمینان کے ساتھ بیرونی فتوحات اور تعمیری کاموں کا موقع ملا، چنانچہ ان دونوں حیثیتوں سے اس کا زمانہ بنی امیہ کا دور زرین شمار کیا جاتا ہے۔

ولید کی خوش قسمتی سے اس کو قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم اور مسلمہ بن عبد الملک جیسے نامور سپہ سالار اور فاتح مل گئے تھے۔ جنہوں نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے چین سے یورپ تک ملا دیئے۔ ان چاروں کی فتوحات الگ الگ لکھی جاتی ہیں۔

قتیبہ بن مسلم کی فتوحات (ترکستان اور چین): ۸۶ھ میں حجاج نے قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ ترکستان کے ایک حصہ پر اگرچہ بہت پہلے مسلمانوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا اور یہاں کے متعدد چھوٹے چھوٹے حکمران باجگزار بن چکے تھے، لیکن وقتاً فوقتاً وہ باغی ہو جاتے تھے، چنانچہ اس زمانہ میں بھی سمرقند و بخارا کے نواح کے حکمرانوں کا رویہ باغیانہ تھا۔ اس کے علاوہ بعض علاقے اب تک اسلامی حکومت کے زیر اقتدار نہ آئے تھے۔ اس لیے ۸۶ھ میں قتیبہ نے ترکستان پر

فوج کشی کی۔ حسن اتفاق سے اس وقت یہاں کے حکمرانوں میں باہم مخالفت تھی۔ اس سے قتیبہ کو بڑا فائدہ پہنچا اور جب انہوں نے دریائے جیحون کے پار قدم رکھا۔ اس وقت صفائیاں کے فرمانروا نے جو شومان کے حکمران کے خلاف ہو رہا تھا۔ اطاعت قبول کر لی اور ہدایا و تحائف پیش کر کے اپنا مہمان بنایا۔

صفائیاں سے قتیبہ نے شومان کا رخ کیا اور کفیان کے حکمرانوں نے بھی صفائیاں کا طرز عمل دیکھ کر اطاعت قبول کر لی اور دونوں کو مطیع بنانے کے بعد قتیبہ اپنے بھائی صالح کو انتظام و نگرانی کے لیے چھوڑ کر مرو واپس آ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد صالح اور نصر ابن یسار نے کاشان اور فرغانہ کے شہر اور شت نیغرا اور خشک فتح کر لیے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۲۶)

بادغیس کے حکمران تیزک کے ہاں عرصہ سے کچھ مسلمان قید تھے۔ مرو واپس آنے کے بعد قتیبہ نے ان کی رہائی کے بارے میں لکھا۔ تیزک نے انہیں چھوڑ دیا اور اس شرط پر صلح کر لی کہ اس کا علاقہ محفوظ رکھا جائے گا اور ترکستان کے معرکوں میں قتیبہ کا معاون و مددگار بن گیا۔ ۸۷ھ میں قتیبہ نے بخارا کے شہر بیکند پر فوج کشی کی۔ بخاریوں نے سعد کی مدد سے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔ قتیبہ نے شہر پناہ تروانا شروع کر دی۔ اہل شہر نے جب دیکھا کہ شہر پر قبضہ ہو جانے میں ان کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا تو صلح کر لی اور قتیبہ یہاں ایک مسلمان حاکم مقرر کر کے لوٹ گئے۔ ابھی یہ تھوڑے دور گئے تھے کہ اہل شہر نے مسلمان حاکم اور اس کے عامل کو قتل کر دیا۔ یہ خبر سن کر قتیبہ راستہ سے لوٹ آئے۔ اہل شہر پھر محصور ہو گئے۔ قتیبہ نے شہر پناہ مہسار کرادی۔ بیکند والوں نے پھر صلح کرنی چاہی، لیکن وہ ایک مرتبہ نقص عہد کر کے اعتبار کھو چکے تھے۔ اس لیے اس مرتبہ قتیبہ نے منظور نہ کیا اور بزور شمشیر فتح کر کے جس قدر جنگ جو تھے سب کو قتل کر دیا۔ اس فتح میں بے شمار اسلحہ اور سونے چاندی کے ظروف ہاتھ آئے۔ اس سے مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی۔ (ابن اثیر ج ۴،

ص ۲۰۳) اس کے بعد ۸۸ھ میں نو مشکت کو فتح کرتے ہوئے اٹھنے پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے صلح کر لی اور قتیہ لوٹ گئے۔ راستہ میں خاقان چین کا بھتیجا دولاکھ ترک سفد اور فرغانیوں کے لشکر جبار کے ساتھ ملا قتیہ نے مسلمانوں کی قلت تعداد کے باوجود شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور اس ٹڈی دل کو فاش شکست دی۔ اس جنگ میں باؤغیس کا فرمانروا تیزک مسلمانوں کی حمایت میں بڑی جانبازی سے لڑا۔ (ابن اثیر ج ۲، ص ۲۰۴)

اسی سنہ میں قتیہ نے خاص بخارا پر فوج کشی کی۔ بلاذری کے بیان کے مطابق جنگ کی نوبت نہیں آئی اور فرمانروائے بخارا و ردان خدا نے صلح کر کے اطاعت قبول کر لی۔ مگر ابن اثیر کا بیان ہے کہ دونوں میں مقابلہ ہوا، لیکن قتیہ کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اس نے حجاج کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے بخارا کا نقشہ مانگ بھیجا اور اسے دیکھ کر حملہ اور جنگ کے متعلق مفصل ہدایات بھیجیں۔ اس کے متعلق قتیہ نے ۹۰ھ میں دوبارہ فوج کشی کی۔ و ردان خدا نے ترک اور سفد کی مدد سے مقابلہ کیا۔ ترک بڑی جانبازی و شجاعت سے لڑے اور اسلامی فوج کے ایک حصہ کو لشکر گاہ تک پسپا کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان عورتوں نے لاکارا اور گھوڑوں کو مار مار کر میدان جنگ کی طرف واپس کیا۔ دوبارہ مسلمانوں نے سنبھل کر اس زور کا حملہ کیا کہ ترکوں کو دھکیل کر دریا کے پار پہنچا دیا۔ بنی تمیم کے سردار و کج اور ہریم ہمت کر کے دریا عبور کر گئے۔ انہیں دیکھ کر کئی سوسلمان پار پہنچ گئے اور اس زور شور سے حملہ آور ہوئے کہ ترک اور سفد کے پاؤں اکھڑ گئے۔ و ردان خدا بھاگ نکلا اور مسلمانوں کا بخارا پر قبضہ ہو گیا۔ سفد کے پاؤں اکھڑ گئے، وہ و ردان خدا کی شکست سے اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس نے بھی صلح کر کے اطاعت قبول کر لی۔ باؤغیس کا فرمانروا تیزک مسلمانوں کے ساتھ اور ان کا معاون و مددگار تھا، لیکن پھر ترکستان میں ان کی بڑھتی ہوئی قوت دیکھ کر قتیہ کی جانب سے اس کا خوف پیدا ہو گیا۔ وہ اس کی اجازت سے چلا گیا اور بلخ، مرو، الروذ، طالقان، فاریاب

امان دیئے ہوئے لے آئے چنانچہ وہ اسے نشیب و فراز سمجھا کر غفو تقصیر کے حیلہ سے لے آیا۔ فرما روائے جعوبہ یہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ قتیبہ نے تیزک کے قتل کے بارے میں مشورہ کیا۔ بعضوں نے مخالفت کی، لیکن تیزک کا جرم نہایت سنگین تھا، اس نے نہ تنہا خود مخالفت کی تھی، بلکہ اپنے ساتھ بہت سے فرما رواؤں کو بھی باغی بنا دیا تھا۔ جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا تھا، اس لیے بالآخر اس کے قتل کا فیصلہ ہوا اور قتیبہ نے اس کو مع اس کی جماعت کے قتل کر دیا، البتہ فرما روائے جعوبہ کا قصور معاف کر دیا۔

تیزک کے بعد قتیبہ دوسرے باغی فرما رواؤں کی طرف متوجہ ہوا اور فوجی پیش قدمی سے پہلے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور فرما روائے شوماں کے پاس، جس نے اپنے ہاں سے مسلمان حاکم نکال دیا تھا، کہا، بھیجا کہ اگر اب بھی وہ بغاوت سے باز آجائے تو اس کی خطا معاف کر دی جائے گی، لیکن اسے اپنی قوت پر اتنا غرور تھا کہ ایک قاصد کو قتل کر دیا اور دوسرا جان بچا کر بھاگ گیا۔ اس لیے قتیبہ کو اس پر فوج کشی کرنی پڑی۔ قریب پہنچ کر قتیبہ کے بھائی صالح نے دوبارہ سمجھانے کی کوشش کی، مگر اب بھی وہ باز نہ آیا اور مخالفانہ قلعہ بند ہو گیا۔ قتیبہ نے سنگباری کر کے قلعہ کی دیواریں توڑ دیں۔ جب اس نے جنگ یا اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو قلعہ سے نکل کر مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ شوماں کے بعد قتیبہ نے کش اور سف فتح کیے اور بھائی صالح کو بھیج کر سعد کے فرما روا اطر خون سے خراج وصول کیا (ابن اثیر ج ۲، ص ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰) ۹۳ھ میں خوارزم شاہ نے خود سے قتیبہ کی اطاعت قبول کی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں شاہ خوارزم (خوارزم کے ہر فرما روا کا لقب خوارزم شاہ ہوتا تھا) بہت کمزور تھا۔ اس کا بھائی حرزاد اسے معطل کر کے سلطنت پر حاوی ہو گیا تھا اور رعایا پر بڑے مظالم کرتا تھا۔ کسی کی عزت و آبرو اور مال و دولت اس کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی۔ ساری رعایا اس کے مظالم سے تالاں تھی۔ خوارزم شاہ اس کے مقابلہ میں بالکل مجبور و بے بس تھا۔ اس لیے وہ موقع کا منتظر تھا۔ ترکستان میں جب قتیبہ کی قوت و فتوحات کا شہرہ ہوا تو خوارزم

شاہ نے اس کے پاس خفیہ کہا، بھیجا کہ اگر وہ اس کے بھائی کے ہاتھوں سے نجات دلا دے تو اس کی اطاعت قبول کر لے گا۔ قتیبہ نے اس کی درخواست قبول کر لی اور خوارزم پرفوج کشی کر کے خرزا کو قتل کر کے سلطنت خوارزم شاہ کے حوالہ کر دی۔ اس نے حسب وعدہ اطاعت قبول کر لی اور بہت سانسقذ و جنس قتیبہ کی خدمت میں پیش کیا۔ (فتوح البلدان ص ۴۳۷ و ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۷ ان دونوں کے بیان میں خرزا کے خاتمہ کی تفصیل میں خفیف سا اختلاف ہے، لیکن نتیجہ دونوں کا ایک ہے) بلا ذری کا بیان ہے کہ قتیبہ کے سلطنت واپس دلانے کے بعد خوارزم شاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس کی رعایا نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد قتیبہ نے اپنے بھائی عبید اللہ کو خوارزم کا حاکم مقرر کیا۔

سمرقند کسی فتوح: سغد یعنی اہل سمرقند اور مسلمانوں میں بہت قدیم سے عہد و بیان اور مصالحانہ تعلقات تھے، لیکن ترکستان کی لڑائیوں میں انہوں نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کے خلاف ترکستان کے فرمانرواؤں کی مدد کی تھی۔ اس لیے خوارزم کی مہم سے فراغت کے بعد قتیبہ نے سمرقند پرفوج کشی کا ارادہ کیا اور مسلمانوں سے کہا کہ ”سغد نے جس طرح معاہدہ کو توڑا ہے وہ تم کو معلوم ہے، مجھ کو امید ہے کہ خوارزم اور سغد کا حشر بنی قریظہ اور بنی نضیر (یہ دونوں یہودی قبیلے تھے، جنہوں نے عہد رسالت میں عہد شکنی کی تھی اور اس کے نتیجہ میں وہ جلاوطن کیے گئے تھے) کی طرح ہوگا۔“ اور اپنے بھائی صالح کو ایک فوج کے ساتھ سمرقند روانہ کر دیا اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوا۔ اس مہم میں بیس ہزار اہل بخارا اور خوارزم بھی مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ صالح اور قتیبہ دو تین دن کے وقفہ سے سمرقند پہنچے۔ سغد شہر میں قلعہ بند ہو گئے تھے۔ قتیبہ نے محاصرہ کر لیا۔ سمرقندی ایک مہینہ تک مدافعت کرتے رہے۔ جب محاصرہ کی مدت زیادہ بڑھی تو انہوں نے شاش اور فرغانہ وغیرہ کے فرمانرواؤں کو لکھ بھیجا کہ اگر آج عرب ہمارے مقابلہ میں کامیاب ہو گئے تو کل تم کو بھی یہی دن دیکھنا پڑے گا۔

اس لیے ہماری نہیں بلکہ اپنی حفاظت کے لیے آج ہماری مدد کرو۔“ قتیبہ کی فتوحات کو ترکستان کے تمام فرمانرواؤں و خطر کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے اس لیے تمام سرحدی حکمران سعد کی مدد کے لیے تیار ہو گئے اور اپنے لڑکوں، اپنے یہاں کے عمائد و اشراف اور نامور بہادروں کو خاقان چین کے لڑکے کی قیادت میں مدد کے لیے روانہ کیا۔ قتیبہ کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے صالح کو چند سو منتخب بہادروں کے ساتھ امدادی فوج کا راستہ روکنے کے لیے بھیج دیا۔ صالح نے آگے بڑھ کر فوج کے راستہ میں دونوں جانب تھوڑی تھوڑی فوج چھپا دی۔ رات گئے جیسے ہی دشمن کی فوج ادھر سے گزری صالح نے اس پر حملہ کر دیا۔ کمین گاہوں کے مسلمان بھی نکل کر ٹوٹ پڑے۔ دشمنوں نے بڑی شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن آخر میں نہایت فاش شکست کھائی۔ ان کے بہت سے نامور بہادر مارے گئے اور بکثرت قیدی گرفتار ہوئے۔ جن میں بیشتر ترکستان کے شہزادے اور امراء و شرفاء تھے، اور بہت سے قیمتی اسلحہ اور زرین سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اس شکست کی خبر سمرقند پہنچی تو سعد کی ہمت پست ہو گئی۔ اب ان کے لیے کوئی سہارا باقی نہ رہ گیا تھا۔ قتیبہ نے محاصرہ اور زیادہ سخت کر دیا اور پتھر برساکر شہر پناہ کی دیوار توڑ دی۔ تاہم اہل سمرقند نے مدافعت میں اپنی آخری قوت صرف کر دی۔ قتیبہ نے مسلمانوں کو لکارا کہ شہر پناہ کے روزن تک پہنچنے کی دیر ہے۔ اس لکار پر مسلمان آگے بڑھے۔ اہل سمرقند اوپر سے تیروں کا بوند برسار رہے تھے، لیکن مسلمانوں نے کوئی پرواہ نہ کی اور چہروں کو ڈھال سے بچاتے ہوئے روزن تک پہنچ کر جم گئے۔ اب اہل سمرقند کے لیے مصالحت کے علاوہ کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے کہا: بھیجا کہ آج تم لوگ یہاں سے ہٹ جاؤ کل ہم صلح کر لیں گے۔ قتیبہ نے جواب دیا کہ صلح اسی وقت ہو سکتی ہے کہ ہمارے آدمی روزن پر موجود رہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ قتیبہ نے ان کی درخواست پر آدمی ہٹا لیے تھے، بہر حال اب اہل سمرقند کے لیے

سپر ڈال دینے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے دوسرے دن انہوں نے حسب ذیل شرائط پر صلح منظور کر لی۔

- ۱ اہل سمرقند بارہ لاکھ سالانہ خراج دیا کریں گے۔
- ۲ اس سال تیس ہزار سوار دیں گے۔
- ۳ مسلمان شہر میں فاتحانہ داخل ہوں گے۔ ان کے داخلے کے وقت مسلح آبادی شہر خالی کر دے گی۔

۴ مسلمان یہاں مسجد بنا کر نماز پڑھیں گے اور خطبہ دیں گے۔
 ان شرائط کے مطابق سعد نے شہر خالی کر دیا۔ مسلمانوں نے شہر میں مسجد تعمیر کر کے نماز پڑھی اور خطبہ دیا اور اعلان عام کر دیا کہ صلح کی رقم کے علاوہ ہم کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائیں گے، جس کا مال ہو وہ آ کر اپنا مال لے لے (ابن اثیر ج ۴، ص ۲۱۷ و ۲۱۸)

اہل سمرقند بت پرست تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے بعض دیوتا ایسے ہیں جن کو ہاتھ لگانے والا ہلاک ہو جائے گا۔ ان کے اس وہم کو دور کرنے کے لیے قتیبہ نے ان بتوں کو نذر آتش کر دیا۔ جب اس سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچا تو بہت سے سعد ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گئے اور قتیبہ نے سمرقند میں مسلمانوں کی آبادی بسانائی۔ (فتوح البلدان ص ۴۲۷)

اوپر گزر چکا ہے کہ شاش اور فرغانہ کے فرمانرواؤں نے اہل سمرقند کی مدد کی تھی اس لیے سمرقند سے فراغت کے بعد قتیبہ نے ان دونوں کی طرف توجہ کی اور ۹۴ھ میں اہل خوارزم کش اور سنس کی فوج بھیج کر شاش کو فتح کرایا اور فرغانہ کی طرف بڑھے۔ راستہ میں خجندیوں نے مقابلہ کیا۔ انہیں شکست دے کر آگے بڑھے اور فرغانہ کے دارالسلطنت کاشان کو فتح کر کے ترکستان و چین کی سرحد استیجاب تک بڑھتے چلے گئے۔ اس کے بعد چین کے حدود شروع ہو جاتے تھے اس لیے اس سال یہیں تک پہنچ کر لوٹ

گئے۔

چین پر فوج کشی اور خاقان کی اطاعت : خاقان چین نے بھی اہل سمرقند کی مدد کی تھی بلکہ اس کا بیٹا امدادی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس لیے ۹۶ھ میں قتیبہ نے بڑے اہتمام کے ساتھ چین پر فوج کشی کی تیاریاں کیں۔ مجاہدین کے اہل و عیال کو حفاظت کے خیال سے سمرقند میں منتقل کر دیا اور فرغانہ سے کاشغر تک راستہ درست کرا کے ایک لشکر چین روانہ کیا۔ یہ کاشغر فتح کرتا ہوا چین کے اندر تک بڑھتا ہوا چلا گیا۔ خاقان چین مسلمانوں کی فتوحات کا شہرہ سن چکا تھا، اس لیے ان کے حالات معلوم کرنے اور ان سے گفتگو کرنے کے لیے ان کا وفد طلب کیا۔ قتیبہ نے ہبیرہ بن شرح کو دس سنجیدہ مسلمانوں کے ساتھ چین بھیجا اور انہیں ہدایت کر دی کہ وہ خاقان چین کو اس کا یقین دلا دیں کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک تمہاری زمین کو اپنے پیروں سے پامال کر کے خراج وصول نہ کر لوں گا، اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا۔ یہ وفد خاقان کے دربار میں پہنچا اور اس سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ آخری گفتگو کے بعد خاقان نے ہبیرہ سے کہا کہ ”تم واپس جا کر اپنے سردار (قتیبہ) سے کہہ دو کہ وہ لوٹ جائے مجھ کو تم لوگوں کی تعداد کا علم ہے اگر تم اپنے ارادہ سے باز نہ آئے تو میں ایسی فوج تمہارے مقابلہ میں بھیجوں گا جو تمہیں تباہ و برباد کر ڈالے گی۔“ ہبیرہ نے اس کے جواب میں کہا کہ تم اس قوم کو کم تعداد کس طرح کہہ سکتے ہو جس کا ایک سردار تمہارے ملک میں ہے اور دوسرا شام میں۔ ہم لوگ موت اور قتل سے ڈرنے والے نہیں ہیں، موت کا ایک دن مقرر ہے اور لڑ کر جان دینا معزز موت ہے۔ اس لیے نہ ہم قتل ہونے کو برا سمجھتے ہیں اور نہ اس سے ڈرتے ہیں۔ ہمارے سردار نے قسم کھالی ہے کہ جب تک وہ اپنے پیروں سے تمہاری زمین کو پامال کر کے جزیہ وصول نہ کرے گا، اس وقت تک واپس نہ جائے گا۔ خاقان چین کو مسلمانوں کی قوت کا پہلے سے اندازہ تھا، ترکستان کا حشر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اس لیے وہ خواہ مخواہ مسلمانوں سے

بھڑنانہ چاہتا تھا اور محض ان کو آزمارہا تھا۔ اس لیے ہیرہ کا جواب سن کر اطاعت کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا اور جزیہ دے کر بہت سے قیمتی ہدایا و تحائف قیمیہ کے پاس بھیجے۔ ان کا مقصد بھی چین کو فتح کرنا نہیں، بلکہ خاقان چین کے خطرہ کا انسداد تھا۔ اس لیے اس کے اس مصالخانہ رویہ پر انہوں نے جزیہ قبول کر کے فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا (ابن اثیر ج ۵ ص ۳۲)

محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ : سندھ پر فوج کشی کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا۔ قریب قریب ہر خلیفہ کے زمانے میں یہاں کچھ نہ کچھ فتوحات حاصل ہوئیں، لیکن ولید سے پہلے مسلمانوں کو اسے مستقل فتح کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا تھا اور ان کے حملہ سرحدی علاقوں سے آگے نہ بڑھتے تھے۔ ولید کے زمانہ میں ایک ناگوار واقعہ نے حجاج کو اسے مستقل فتح کر لینے پر آمادہ کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لٹکا میں کچھ عرب تاجر آباد تھے۔ ان میں سے ایک تاجر کا انتقال ہو گیا۔ لٹکا کا رجبہ مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کا خواہش مند تھا۔ اس لیے متونی تاجر کے اہل و عیال کو جن میں کئی عورتیں تھیں، جہاز کے ذریعہ بھجوادیا اور ولید کے لیے قیمتی ہدایا و تحائف بھیجے۔ اس جہاز میں کچھ حاجی تھے۔ دہل (دیول) کے قریب سندھی فزاقوں نے جہاز پر حملہ کر کے لوٹ لیا اور عربی عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں سے ایک عورت نے غائبانہ حجاج سے فریاد کی کہ حجاج المدد! حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو اس پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے جواب دیا: ”میں آیا“ اور اسی وقت دہل کے رجبہ داہر کو لکھا کہ عرب عورتوں کو واپس کرا دو۔ اس نے جواب دیا کہ یہ کام بحری فزاقوں کا ہے، اس لیے میں مجبور ہوں۔ (فتوح البلدان ص ۴۴۱ و پیچ نامہ نسخہ قلمی دارالمصنفین) یہ جواب سن کر حجاج نے عبید اللہ بن نبہان کو فوج کے ساتھ دہل روانہ کیا۔ یہ جنگ میں کام آئے۔ ان کے بعد بدیل بن طہفہ بکلی کو جو عمان میں تھے، دہل پہنچنے کا حکم دیا، وہ تین ہزار فوج کے ساتھ مکران ہوتے ہوئے دہل پہنچے۔ رجبہ داہر نے کئی ہزار سپاہ مقابلہ کے لیے بھیجی۔ بدیل بن طہفہ نے

بڑی شجاعت و پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن عین میدان جنگ میں ان کا گھوڑا بدکا اور وہ گھوڑے سے گر پڑے۔ سندھیوں نے یورش کر کے قتل کر دیا۔ ان کے قتل ہوتے ہی مسلمان شکست کھا گئے۔ (فتوح البلدان ص ۴۴۱ و پیچ نامہ نسخہ قلمی دارالمصنفین) حجاج کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسے بڑا صدمہ ہوا، اور اس کو اس کا بھی اندازہ ہو گیا کہ معمولی فوج کشی سے کام نہ چلے گا۔ اس لیے اس نے اپنے نوجوان چچیرے بھائی محمد بن قاسم ثقفی کو جو فارس کا حاکم تھا، چھ ہزار سپاہ کے ساتھ سندھ روانہ کیا۔ اس نے تمام بھاری سامان بحری راستہ سے روانہ کر دیا اور خود مکران ہوتا ہوا خشکی کے راستے سے سندھ آیا اور سب سے پہلے قنڈپور (پنج گور) کی طرف بڑھا اور اسے فتح کر کے ارمابیل (ارمن بیلہ) کو خیر کیا۔ (بلاذری ص ۴۴۲)

ارمن بیلہ کے بعد دیبل کی طرف بڑھا۔ اس نے پہنچنے کے ساتھ ہی وہ سامان بھی جسے بحری راستہ سے بھیجا تھا، پہنچ گیا۔ اس میں ایک قلعہ شکن منجیق تھی جسے پانچ سو آدمی حرکت دیتے تھے۔ اس کا نام عروس تھا۔ محمد بن قاسم کے پہنچنے کے بعد دیبل کے باشندے شہر میں قلعہ بند ہو گئے تھے۔ محمد بن قاسم نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور چاروں طرف خندقیں کھدوا کر منجیقیں نصب کرا دیں۔ اہل شہر کئی مہینوں تک بہادری سے مدافعت کرتے رہے، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ حجاج کو اس مہم سے اتنا تعلق خاطر تھا کہ ہر تیسرے دن خبریں منگا کر حالات معلوم کر کے جنگ کے متعلق ہدایتیں بھیجتا تھا۔ جب محاصرہ زیادہ طول کھنچا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حجاج نے لکھا کہ منجیق کو ایک زاویہ کم کر کے مشرق کی جانب نصب کر کے دیول پر سنگباری کی جائے۔ (دیول بدھ کا صنم کدہ تھا جو اس شہر کا قلب اور اس کی جان تھا) اس ہدایت کے مطابق محمد بن قاسم نے سنگباری کرنے کا حکم دیا۔ اس سے دیول کا گنبد ٹوٹ گیا۔ اس کے ٹوٹتے ہی اہل شہر کی ہمت پست ہو گئی۔ دوسری طرف باہر سے مسلمانوں نے پورا زور لگایا اور بڑھتے ہوئے فصیل کی دیوار تک پہنچ گئے۔ اہل شہر نے روکنے کی بہت کوشش کی، مگر ناکام رہے اور

چند جانباز مسلمان کند ڈال کر فسیل پر چڑھ گئے۔ اب اہل شہر کی ہمت بالکل چھوٹ گئی۔ راجہ واہر کے حاکم شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور مسلمانوں نے آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد محمد بن قاسم نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور چار ہزار مسلمان آباد کیے۔ (بلاذری ص ۴۴۲، ۴۴۳)

دہیل سے تھوڑی مسافت پر ایک مقام نیرون تھا۔ یہاں کے راجہ بھدرکن نے اہل دہیل کا انجام دیکھ کر محمد بن قاسم سے صلح کر لی اور وہ دہیل سے نیرون پہنچا۔ حاکم نیرون نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا اور شہر لے جا کر مسلمانوں کی ضیافت کی۔ ان کے موشیوں کے لیے چارہ فراہم کیا۔ بہت سے قیمتی ہدیے پیش کیے اور نامہ و پیام کے ذریعہ جو صلح ہوئی تھی، زبانی تکمیل ہو گئی۔ (بلاذری ص ۴۴۲، ۴۴۳ و پیچ نامہ قلمی)

نیرون کے بعد اسلامی لشکر نے آگے کوچ کیا۔ راستہ میں کسی کو روکنے کی ہمت نہ ہوئی اور نیرون سے دریائے سندھ کی شاخ تک کا سارا علاقہ آسانی کے ساتھ فتح ہو گیا۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد سرہدس (شری دیدس) کے بدھوں نے خراج دے کر اطاعت قبول کر لی۔

یہاں سے محمد بن قاسم سیوستان (سہوان) کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ نیرون کا راجہ بھدرکن، ہمرکاب تھا۔ راستہ میں بہرج کا علاقہ جو راجہ واہر کے بھتیجے بجر کے زیر حکومت تھا، پڑتا تھا۔ یہاں کی آبادی بدھ مذہب کے پیرو تھی اور کشت و خون کو ناپسند کرتی تھی۔ مسلمانوں کا رخ بہرج کی طرف دیکھ کر اس نے بجر اسے درخواست کی کہ ہم لوگ امن و آشتی پسند کرتے ہیں۔ کشت و خون ہمارے مذہب کے خلاف ہے اور آپ کی طرح ہم محفوظ بھی نہیں ہیں، اس لیے اگر ہم نے عربوں سے مقابلہ کیا تو وہ ہم کو تباہ کر دیں گے۔ ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ خلیفہ کا حکم ہے کہ مطیع اور امن پسند آبادی سے تعرض نہ کیا جائے اور عرب جو معاہدہ کرتے ہیں، اسے پورا کرتے ہیں۔ اس لیے اگر

آپ کی رائے ہو تو ہم عربوں سے صلح کر لیں، لیکن بجرانے اس درخواست کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ بہرج کی آبادی اطاعت کیش تھی، اس لیے محمد بن قاسم نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا اور اصل مرکز مقصود سیوستان کی طرف بڑھا۔ جاسوسوں نے اسے خبر دی کہ سیوستان کے عام باشندے اطاعت کے لیے آمادہ ہیں، لیکن راجہ بجر اور قلعہ کی مسلح سپاہ مقابلہ کے لیے تیار ہے۔ اس لیے محمد بن قاسم نے سیوستان پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور سنگباری شروع کر دی۔ یہاں کی آبادی بھی جنگ کرنا نہیں چاہتی تھی، لیکن بجر کی وجہ سے مجبور تھی۔ اس لیے سنگباری سے گھبرا کر بجر اسے درخواست کی کہ ہم میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ اس لیے جنگ موقوف کی جائے، لیکن بجرانے توجہ نہ کی اور جنگ جاری رکھی۔ اہل شہر نے مجبور ہو کر محمد بن قاسم کے پاس کہا بھیجا کہ ہم سب بجر اسے نفرت کرتے ہیں۔ ہم کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ راجہ کے پاس کوئی بڑی طاقت بھی نہیں ہے۔“ یہ پیام سن کر مسلمانوں نے جنگ میں اور زور لگا دیا۔ ایک ہفتہ مقابلہ کے بعد بجر کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ کمزوری دکھانے لگی۔ یہ صورت دیکھ کر بجر ایک شب کو ایک جماعت کے ساتھ فرار ہو گیا اور بودھیا کے حاکم کا کا کے ہاں پناہ لی۔ یہ داہر کا ماتحت تھا۔ اس لیے بجر کو بڑے اعزاز و کرام کے ساتھ ٹھہرایا۔ بجر کے فرار کے بعد سیوستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور محمد بن قاسم نے چند دنوں یہاں قیام کر کے ضروری انتظامات کیے۔ (پنج نامہ قلمی) سیوستان سے فرار کے بعد راجہ بجرانے کا کا کے دارالسلطنت سیم کو مرکز بنایا تھا۔ اس لیے سیوستان کے انتظامات سے فراغت کے بعد محمد بن قاسم سیم کی طرف بڑھا۔ مفتوحہ علاقے کے باشندے محمد بن قاسم کے حسن سلوک سے اتنا متاثر ہوئے تھے کہ سیم کی فوج کشی میں بہت سے سردار اس کے ہمراہ ہو گئے۔ بجر راجہ داہر کا بھتیجا تھا، اس لیے کا کا اسے پناہ دینے پر مجبور تھا، لیکن وہ خود محمد بن قاسم سے لڑنا نہ چاہتا تھا، چنانچہ اسے جب سیم کی جانب محمد بن قاسم کی پیش قدمی کی خبر ملی، تو وہ اپنے چند معتمد سرداروں کے ساتھ اس

سے گفتگو کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں ایک عرب سردار بنانہ بن حظلہ سے جسے محمد بن قاسم نے حالات کی تحقیقات کے لیے آگے روانہ کر دیا تھا ملاقات ہوئی۔ بنانہ کا کا کا ارادہ معلوم کر کے اسے اپنے ساتھ لے آیا اور اس نے محمد بن قاسم سے مل کر اپنی اطاعت و وفاداری کا یقین دلایا۔ محمد بن قاسم نے اس کے صلے میں اس کی بڑی عزت افزائی کی۔ خلعت سے نوازا اور ایک مسلمان وکیل عبدالملک بن قیس کو ساتھ کر کے عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا۔ (پہچ نامہ قلمی)

کا کا نے گو خود اطاعت قبول کر لی تھی، لیکن وہ رجبہ بجزا کو جواب تک سیم میں مقیم تھا اپنے ہاں سے نکال نہیں سکتا تھا۔ اس لیے محمد بن قاسم نے سیم پہنچ کر قلعہ پر حملہ کیا۔ بجزا نے اپنے سرداروں کے ساتھ مقابلہ کیا اور ایک سردار نے لڑ کر جان دے دی۔ کچھ لوگ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ اس شکست کے بعد سرداروں نے جو دل سے رجبہ داہر کے خلاف تھے، لیکن اعلانیہ اس کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی۔ سیم کے قلعہ کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے حمید بن وداع اور عبدالقیس جارودی کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ سیم پر قبضہ کرنے کے بعد محمد بن قاسم آگے بڑھنے کا قصد کر رہا تھا کہ حجاج کا حکم پہنچا کہ نیرون واپس جا کر رجبہ داہر کے پایہ تخت پر فوج کشی کرو۔ یہ حکم پا کر وہ نیرون واپس چلا آیا اور چند دنوں یہاں قیام کرنے کے بعد رجبہ داہر کی طرف بڑھا۔ راستہ میں اشبہاز کے قلعہ کو مطیع کرتا ہوا دریاۓ سندھ کے مغربی کنارہ پر پہنچا اور بیٹ کے رجبہ موکا کو جو رجبہ داہر کے ماتحت تھا، لکھا کہ اگر تم اطاعت قبول کر لو تو کچھ اور سورتہ کی حکومت تم کو دی جائے گی۔ رجبہ موکا اور اس کے بھائی راسل میں تخت کے معاملہ میں اختلاف تھا۔ اس لیے راسل کے مقابلہ میں اس کو مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کی ضرورت تھی، لیکن وہ علانیہ رجبہ داہر کے دشمنوں کی اطاعت قبول نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے محمد بن قاسم کو لکھ بھیجا کہ بغیر جنگ کے اطاعت قبول کر لینے میں میری اور میرے خاندان کی بڑی رسوائی ہوگی اس

لیے میں ایک مختصر جماعت کے ساتھ ساکنڑا جاتا ہوں، آپ ایک ہزار سپاہ بھیج کر مجھ کو گرفتار کرالیتے۔ یہ خط لکھ کر وہ ساکنڑا روانہ ہو گیا۔ اس کی ہدایت کے مطابق محمد بن قاسم نے بنانہ بن حنظلہ کو ایک ہزار سپاہ کے ساتھ اس کے عقب میں روانہ کر دیا۔ اس نے سامنا ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ پہلے سے قرار داد منظور ہو چکی تھی۔ اس لیے موکا مع اپنے ہمراہیوں کے گرفتار ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے اس کی بڑی عزت افزائی کی۔ ایک لاکھ نقد انعام عطا کیا اور خلعت سے نوازا اور نسلا بعد نسل علاقہ ہیٹ کی حکومت کا پروانہ اسے دے دیا (پتچ نامہ) محمد بن قاسم کا مقصد خواجہ رجبہ داہر سے لڑنا نہیں بلکہ اسے مطیع بنانا تھا۔ اس لیے رجبہ موکا کی اطاعت کے بعد جارحانہ اقدام سے پہلے اس نے رجبہ داہر کے پاس ایک وفد بھیجا، لیکن وہ مصالحت کے لیے آمادہ نہ ہوا اور جواب دیا کہ اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔ اس جواب کے ساتھ ہی فوجیں لے کر محمد بن قاسم کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گیا اور مسلمانوں کے فرود گاہ کے پاس پہنچ کر ان کے بالمتقابل دریائے سندھ کے مشرقی جانب خیمہ زن ہوا۔ دونوں کے درمیان دریائے سندھ حائل تھا۔ رجبہ داہر نے جا بجا تیر انداز متعین کر دیئے کہ مسلمان کشتی کا پل نہ بنانے پائیں، چنانچہ جیسے ہی لوگ کشتیوں کو جوڑنے کی کوشش کرتے، تیر انداز تیر برسا کر ہٹا دیتے۔ یہ صورت دیکھ کر مسلمانوں کے کشتیوں کو دریا کے عرض میں جوڑنے کی بجائے پاٹ کا اندازہ کر کے رات کی تاریکی میں طول میں جوڑ کر ایک لمبا پل بنایا اور اس کو دریا کے بہاؤ پر چھوڑ دیا۔ اس تدبیر سے کشتیوں کا دوسرا سر اساحل پر پہنچ گیا اور مسلمان راتوں رات دریا عبور کر کے اس زور شور سے سندھیوں پر حملہ آور ہوئے کہ وہ اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور جہم کے پھاٹک تک پسپا ہوتے چلے گئے۔ انہیں پسپا کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے آگے بڑھ کر ہیٹ کو مرکز قرار دیا اور عبید اللہ بن علی ثقفی کو ایک دستہ کے ساتھ آگے روانہ کر دیا۔ رجبہ داہر اس وقت کا جی جاٹ میں مقیم تھا۔ عبید اللہ روڑ ہوتا ہوا جیور کی طرف بڑھا۔ راستہ میں کچھری جھیل پر داہر کا لڑکا جسے

نے بھی مقابلہ میں پوری قوت صرف کر دی۔ بالآخر ان کی شجاعت و استقلال سے سندھیوں کو فاش شکست ہوئی اور وہ قلعہ راور کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کر کے قتل و گرفتار کیا۔

اس شکست کے بعد داہر کے لڑکے بے سنگھ نے شکست خوردہ فوج کو راوڑ میں جمع کر کے از سر نو مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں۔ اس کے عاقبت اندیش وزیر نے مشورہ دیا کہ شکست خوردہ فوج اور اس کے نواح کے لوگوں کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ چکی ہے۔ اس لیے یہاں مقابلہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ برہمن آباد چل کر مقابلہ کا انتظام کرنا چاہیے۔ وہاں جنگ کے ذرائع یہاں سے بہتر ہیں۔ بے سنگھ کو بھی یہ مشورہ پسند آیا، اس لیے وہ راور سے برہمن آباد چلا گیا۔ راجہ داہر کی ایک رانی واپس نہ گئی اور بے سنگھ کے جانے کے بعد وہ خود مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئی۔ راور کے قلعہ کی فوج نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ محمد بن قاسم کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ سیدھا راور پہنچا اور قلعہ کا محاصرہ کر کے سنگباری اور آتش زنی شروع کر دی۔ اس سے قلعہ کے برج مسمار ہو گئے۔ رانی نے جب دیکھا کہ قلعہ کا بچنا مشکل ہے تو اپنی خواصوں سمیت سستی (ہندوؤں میں مردہ شوہر کے ساتھ بیوی کے جل مرنے کی رسم) ہو گئی اور راوڑ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (پتھ نامہ)

برہمن آباد پہنچنے کے بعد بے سنگھ مقابلہ کی تیاریاں کر رہا تھا اس لیے راور کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد کا رخ کیا اور راستہ میں بہرو راور دھلیلا کے قلعے فتح کیے۔ راجہ داہر کا وزیری سا کر بڑا عاقبت اندیش تھا۔ بے سنگھ کے انجام کا اندازہ کر کے اس نے محمد بن قاسم کے پاس جان بخشی اور اطاعت کی درخواست بھیجی۔ دھلیلا کے قلعہ کی فتح کے بعد اس کے قاصد پہنچے۔ محمد بن قاسم قدر شناس تھا۔ اس نے وزیر مذکور کی درخواست قبول کر لی اور سی سا کر نے خود اس کے پاس آ کر اظہار اطاعت کیا اور وہ عرب عورتیں پیش کیں جنہیں سندھ کے فزاقوں نے جہاز سے گرفتار کیا تھا اور جن کی

وجہ سے سندھ پر حملہ ہوا تھا۔ سی سا کر کی اطاعت کیشی کے صلہ میں محمد بن قاسم نے اس کی بڑی عزت افزائی کی اور اسے وزیر بنا کر اس کا اعزاز قائم رکھا۔ سی سا کر نے بھی اپنی خیر خواہی اور وفاداری سے اتنا اعتماد حاصل کر لیا کہ محمد بن قاسم بغیر اس کے مشورہ کے کوئی کام انجام نہ دیتا تھا۔ (پتچ نامہ)

دھلید کے قلعہ کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم ۹۴ھ میں برہمن آباد پہنچا۔ جے سنگھ مقابلہ کے تمام انتظامات مکمل کر چکا تھا اور اپنے تمام نامور سرداروں کو ذمہ دار بنا کر کسی جنگی ضرورت سے برہمن آباد سے باہر چلا گیا تھا۔ محمد بن قاسم نے جنگ شروع کرنے سے پیشتر اہل شہر کے پاس کہنا بھیجا کہ ”یا اسلام قبول کرو یا خراج دے کر طاعت قبول کر لو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ“۔ جب اس کا کوئی جواب نہ ملا تو اس وقت محمد بن قاسم نے محاصرہ کر کے جنگ شروع کر دی۔ جے سنگھ کی فوج قلعہ بند ہو کر لڑ رہی تھی اس لیے عرصہ تک سلسلہ جاری رہا اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس دوران میں جے سنگھ واپس آ گیا، مگر درمیان میں مسلمان حائل تھے۔ اس لیے برہمن آباد نہ پہنچ سکا، چنانچہ اس نے وہیں ٹھہر کر ہر طرف سے ناکہ بندی کر کے مسلمانوں کا سامان رسد بند کر دیا۔ اس سے ان کو بڑی دشواری پیش آئی۔ محمد بن قاسم راجا موکا کے مشورہ سے ایک فوج جے سنگھ کے مقابلہ کے لیے بھیج دی۔ اس کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی اس لیے وہ ہٹ گیا اور اپنے بھائی گوپی کو اپنا نائب مقرر کر کے اور منزلیں طے کرتا ہوا کشمیر نکل گیا۔

جے سنگھ کے فرار کے بعد کچھ دنوں تک فوج اور برہمن آباد کی آبادی مدافعت کرتی رہی، لیکن جب محاصرہ زیادہ طول کھینچا تو اہل شہر گھبرا کر خفیہ محمد بن قاسم سے مل گئے، چنانچہ ایک دن وہ حسب معمول مقابلہ کے لیے نکلے اور قرداد کے مطابق معمولی جنگ کے بعد شہر میں پسپا ہو گئے اور دروازے کھلے رہنے دیئے، چنانچہ ان کے عقب سے مسلمان بھی شہر میں داخل ہو گئے۔ قلعہ کی فوج کو اس کا علم نہ تھا۔ وہ اس ناگہانی

داخلہ سے گھبرا گئی اور جسے جدھر راستہ ملا شہر سے نکل گیا اور محمد بن قاسم نے شہر میں داخل ہو کر امن عام کا اعلان کر دیا۔ (پتچ نامہ)

رابعہ داہر کی ایک رانی لاڈی جو برہمن آباد میں تھی گرفتار ہوئی۔ محمد بن قاسم نے اسے عزت کے ساتھ پردہ میں ٹھہرایا، پھر حجاج کی اجازت سے اپنے عقد میں لے لیا۔

برہمن آباد کی فتح کے بعد رابعہ داہر کا لڑکا گوپنی اور رچلا گیا تھا اور یہاں کے باشندوں کو یہ یقین دلا کر کہ رابعہ داہر قتل نہیں ہوا، بلکہ ہندوستان چلا گیا ہے اور وہاں کے راجاؤں کی مدد لے کر عنقریب پہنچنا چاہتا ہے۔ جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ (پتچ نامہ) اس لیے برہمن آباد کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد محمد بن قاسم اور رومانہ ہو گیا۔ راستہ میں ساوندی کے باشندوں نے حاضر ہو کر اظہار اطاعت کیا اور محمد بن قاسم چھوٹے چھوٹے مقاموں کو فتح کرتا اور مطیع بناتا ہوا اور رچلا گیا۔ اس درمیان میں گوپنی پوری تیاری کر چکا تھا۔ محمد بن قاسم کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے رانی لاڈی کے ذریعہ سے کہا، بھیجا کہ رابعہ قتل ہو چکا ہے۔ تم لوگ اطاعت قبول کر لو۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ رانی کے یقین دلانے پر اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۳۴۶)

لیکن پتچ نامہ میں ہے کہ انہوں نے رانی کے بیان پر اعتماد نہ کیا اور اس کی شان میں نازیبا باتیں کیں اس لیے محاصرہ قائم رہا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب اہل شہر کو رابعہ کی موت کا یقین ہو گیا اور اس کی لداؤ کا سہارا جاتا رہا۔ وہ اطاعت قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یہ صورت دیکھ کر گوپنی کیرج بھاگ گیا۔ گوپنی کے فرار کے بعد اور کے باشندے اس شرط پر شہر حوالہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے کہ ہر شہری کو امان دی جائے، کسی کو قتل نہ کیا جائے اور بدھ کے صنم کدہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ محمد بن قاسم نے دونوں شرطیں قبول کر لیں۔ اہل شہر نے کنجی حوالہ کر دی اور مسلمان اور میں داخل ہو گئے۔ محمد بن

قاسم نے قلعہ کی مسلح سپاہ کے علاوہ باقی شہر کی عام آبادی کو امان دے دی اور صنم کدہ کو کنیسہ اور آتش کدہ کے حکم میں قرار دے کر اس سے کوئی تعرض نہیں کیا اور اہل شہر پر معمولی خراج تشخیص کر دیا۔ (بیچ نامہ بلاذری ص ۴۴۴)

ارور کے بعد قلعہ بابیہ کا رخ کیا۔ یہاں کے حاکم راجہ کسکا نے اطاعت قبول کر لی۔ اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ بابیہ کے بعد اسکندہ پہنچا۔ یہاں کے حاکم نے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ سترہ دن کی خونریز جنگ ہوتی رہی۔ بہت سے مسلمان افسر شہید ہوئے، لیکن سندھیوں کا بھی نقصان اس سے کہیں زیادہ ہوا۔ آخر میں راجہ ہمت ہار کے ملتان نکل گیا اور قلعہ پر مسلمان قابض ہو گئے۔ اسکندہ کے بعد محمد بن قاسم دریائے چناب کو عبور کر کے ملتان کی طرف بڑھا۔ یہاں کا راجہ گور سنگھ پہلے سے مقابلہ کے لیے تیار تھا۔ اس لیے ملتان کے حدود میں پہنچتے ہی نہایت سخت جنگ شروع ہو گئی۔ زائدہ میں امیر طائی نے حیرت انگیز شجاعت دکھائی اور راجہ پسپا ہو کر شہر میں قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ ان کے پاس سامان رسد کم تھا۔ چند ہی دنوں میں سامان ختم ہو گیا اور بار برداری کے جانور ذبح کر کے کھانے کی نوبت آ گئی، تاہم اس حالت میں بھی وہ جھے رہے۔ حسن اتفاق سے ایک ملتانئی ان کے ہاتھ پڑ گیا۔ اس نے قلعہ کے کمزور حصہ کا پتہ بتا دیا۔ مسلمانوں نے سنگباری کر کے اسے توڑ دیا۔ اس لیے اہل شہر کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا پڑا۔ کھلے میدان میں وہ زیادہ دیر تک نہ ٹک سکے اور مسلمانوں نے شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ یہ بیچ نامہ کا بیان ہے بلاذری کے مطابق ملتانئی نے اس تالاب کا پتہ بتا دیا جس سے قلعہ میں پانی جاتا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر کے پانی بند کر دیا۔ اس سے اہل شہر نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ (بلاذری ص ۴۴۵)

ملتان بدھوں کا بہت بڑا تیرتھ گاہ تھا اور یہاں کے صنم کدہ میں بے اندازہ دولت تھی۔ یہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ بلاذری کے بیان کے مطابق اٹھارہ

گزلہ اور دس گز چوڑا کمرہ سونے سے بھرا ہوا تھا۔ پیچ نامہ کے بیان کے مطابق اس کی مقدار کئی سو من تک پہنچ جاتی ہے۔ (بلاذری ص ۴۴۵ و پیچ نامہ) ملتان کے بعد بھی محمد بن قاسم کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، لیکن ولید کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اس لیے باقی فتوحات کا حال سلیمان کے زمانہ میں آئے گا۔

طسارق بن زیاد کی فتوحات اندلس: اسی زمانہ میں دوسری سمت یورپ میں بھی مہمات جاری رہیں اور طسارق بن زیاد نے اندلس فتح کیا۔ یہ جزیرہ اس زمانہ میں اپنی سرسبزی و شادابی، پیداوار، ثمنی و ثروت کے لحاظ سے یورپ کا ممتاز ترین ملک تھا۔ یہاں صدیوں سے گاتھ خاندان حکمران تھا۔ ساتویں صدی میں ان کی حکومت انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی اور اپنی شان و شوکت اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے سلطنت روما کی جانشین تھی۔ آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں یعنی مسلمانوں کے داخلہ سے کچھ پہلے گو حکومت کا ظاہری جاہ و جلال قائم تھا، لیکن ملک کی اندرونی حالت بگڑ چکی تھی۔ حکومت پر کلیسا کا اقتدار تھا۔ حکمران پادریوں کے چشم و ابرو کے اشارہ کے پابند تھے۔ رعایا حکومت کے جابرانہ قوانین اور امراء اور جاگیرداروں کے مظالم سے نالاں تھی۔ یہودیوں کے ساتھ جانوروں سے زیادہ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ بادشاہ اور امراء سے لے کر خانقاہ نشین راہب تک عیش پرستی میں غرق تھے۔ ان کی خانقاہیں حسین عورتوں کا اکھاڑہ تھیں۔ گاتھ خاندان کا آخری فرمانروا وٹیزا (غیٹشہ) بھی گو عیش پرست تھا، لیکن اس نے اپنے دور میں بہت کچھ اصلاح کی۔ کلیسا کے اقتدار کو گھٹایا۔ بہت سے جابرانہ قوانین منسوخ کیے۔ رعایا کو جاگیرداروں کے مظالم سے چھڑانے کی کوشش کی۔ یہودیوں کو مراعات عطا کیں۔ اس کی کوشش سے فی الجملہ ملک کی حالت کسی قدر سنبھلی، لیکن کلیسا کے اقتدار کو ہاتھ لگانا اس کا ایسا جرم تھا کہ اسے اہل کلیسا کسی طرح معاف نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے سارے پادری اس کے خلاف ہو گئے۔ ویغزانے ان کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور پوری قوت سے ان کا مقابلہ کیا اور

ان کا زور توڑنے کے لیے نہایت سخت قوانین جاری کیے۔

یہودیوں کے ساتھ مراعات عیسائی گناہ تصور کرتے تھے، اس لیے پادریوں نے اس کو آڑ بنا کر رعایا اور امراء کو بھی ویٹز کے خلاف کر دیا اور انہیں ملا کرویتز کو معزول کر کے ایک بوڑھے تجربہ کار فوجی افسر راڈرک (لڑریق) کو جسے شاہی خاندان سے تعلق نہ تھا، تخت نشین کیا، یہ بڑا تجربہ کار اور عاقبت اندیش تھا۔ اس نے کلیسا کی حمایت کرنے کے لیے پادریوں کے اختیارات کو بحال کر دیا (اخبار الاندلس ترجمہ ہسٹری آف دی مورس امپائر ان یورپ ایس پی اسکاٹ ملخصاً)

گاتھ فرمانرواؤں میں دستور تھا کہ ان کے امراء اور جاگیرداروں کے لڑکے دربار شاہی میں اور لڑکیاں ملکہ کی زیر نگرانی محل سرا میں پرورش پاتی اور تعلیم و تربیت حاصل کرتی تھیں۔ اس سے اصل مقصد یہ تھا کہ ان کی جان کے خوف سے ان کے والدین میں بغاوت اور سرکشی کا خیال نہ پیدا ہو سکے۔ اس دستور کے مطابق ایک یونانی سردار کاؤنٹ جولین (ایلمبان) والی ستبتہ کی لڑکی بھی راڈرک کے محل میں تھی۔ یہ بڑی حسین و جمیل تھی۔ راڈرک اس پر فریفتہ ہو گیا اور زبردستی اسے اپنے تصرف میں لے آیا۔ لڑکی نے باپ کو اطلاع دی۔ اس بے عزتی پر کاؤنٹ جولین راڈرک کا دشمن ہو گیا اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کا تہیہ کر لیا (یہ واقعہ افتتاح الاندلس ابن قوطیہ قرطبی وفتح الطیب وغیرہ تمام عربی تاریخوں میں ہے۔ اسکاٹ نے بھی اپنی تاریخ میں اس تاریخ کو اسپین پر حملہ کا سبب بتایا ہے۔ ج۔ ۱، ص۔ ۲۱۰) اس زمانے میں اندلس کے قریب ہی شمالی افریقہ میں مسلمانوں کی تازہ دم قوت نشوونما پا رہی تھی۔ خود اس کے دارالحکومت ستبتہ پر بھی مسلمانوں کا حملہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس کو مسلمانوں کی قوت کا پورا اندازہ تھا۔

کاؤنٹ جولین یونانی تھا۔ اس کا اصل تعلق قسطنطنیہ کی حکومت سے تھا، لیکن شمالی افریقہ سے قیصر کی حکومت ختم ہونے کے بعد حکومت اندلس سے اس کا تعلق قائم

ہو گیا تھا۔ اس لیے اس کو اندلس سے کوئی ہمدردی بھی نہ تھی، چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر والی شامی افریقہ یا اس کے ماتحت امیر طارق بن زیاد والی طنجہ کو خط کے ذریعہ اسپین پر حملہ کی دعوت دی، پھر خود موسیٰ سے ملا اور اندلس کی سرسبزی، شادابی، تمول و ثروت اور حکومت کی اندرونی کمزوریوں کو بتا کر حملہ کے لیے آمادہ کیا اور اس مہم میں ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔ موسیٰ نے ولید کو لکھ کر اس سے اجازت چاہی۔ اس نے جواب دیا کہ ”بغیر تجربہ کے مسلمانوں کو متلاطم سمندر کے خطرات میں پھنسانا مناسب نہیں ہے۔ پہلے وہاں کے حالات معلوم کرو“۔ اس نے جواب دیا کہ ”سمندر نہیں بلکہ معمولی خلیج ہے، اس پار سے چیزیں صاف نظر آتی ہیں۔ اس اطلاع پر ولید نے اجازت دے دی اور موسیٰ نے سب سے پہلے ۹۱ھ میں اپنے ایک غلام طریف بن مالک کو پانچ سو کی جماعت کے ساتھ حالات کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا۔ اس نے آبنائے عبور کر کے بعض جزیروں اور ساحلی شہروں پر حملہ کر کے بہت سامان غنیمت حاصل کیا اور صحیح و سالم واپس آیا۔ (افتتاح الاندلس ابن قوطیہ قرطبی ص ۸، فتح الطیب ج ۱، ص ۱۰۶)

اس کی واپسی کے بعد دوبارہ ۹۲ھ میں موسیٰ نے اپنے غلام طارق بن زیاد کو سات ہزار بربری فوج کے ساتھ کاؤنٹ جولین کی راہنمائی میں بھیجا۔ یہ فوج چار جہازوں پر روانہ ہوئی اور طارق آبنائے عبور کر کے جبل الطارق (جبرالٹر) پر اترا۔ اتفاق سے اس وقت ایک گاتھ جاگیر دار تھیوڈومیر (تدمیر) صوبہ دار مرسیہ اس نواح میں موجود تھا۔ ایک اجنبی اور نامعلوم جماعت کو دیکھ کر وہ فوراً بڑھا۔ جبرالٹر کے قریب ہی دونوں میں مقابلہ ہوا۔ تھیوڈومیر نے فاش شکست کھائی۔ اس شکست سے وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ راڈرک کو ان الفاظ میں اطلاع دی کہ ”ہمارے ملک پر ایسے آدمیوں نے حملہ کیا ہے کہ نہ ان کا وطن معلوم ہے نہ اصلیت کہ کہاں سے آئے ہیں، زمین سے نکلے ہیں یا آسمان سے اترے ہیں“۔ راڈرک اس وقت ایک مہم کے سلسلے میں بلبونہ میں مقیم

تھا۔ یہ اطلاع پا کر بلوہ کی مہم ماتوی کر کے فوراً ایک لاکھ فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اسپین کے تمام بڑے بڑے امراء جاگیر دار شاہی خاندان کے ارکان کی آمد کی خبر سن کر طارق نے موسیٰ بن نصیر سے مزید لدا دی فوجیں مانگ بھیجی تھیں۔ اس نے پانچ ہزار سپاہ اور بھیج دی۔ اب مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی تھی۔ راڈرک سیدھا قادس آیا۔ وادی لکھ یا وادی بکھ میں دریا کے کنارے دونوں کا سامنا ہوا۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص۔ ۷۷ و فتح الطیب ج۔ ۱ ص۔ ۱۰۷) طارق نے مجاہدین کے سامنے یہ ولولہ انگیز تقریر کی۔ (فتح الطیب میں یہ تقریر کسی قدر مختلف ہے، ہم نے سب سے قدیم ماخذ کتاب الامامہ والسیاستہ سے نقل کی ہے۔ ج۔ ۲ ص۔ ۶۰)

”اما بعد“ لوگو! میدان جنگ سے اب کوئی منفر کی صورت نہیں ہے۔ آگے دشمن ہے اور پیچھے دریا۔ اللہ ذوالجلال کی قسم! صرف پامردی اور استقلال میں نجات ہے۔ یہی وہ فتح مند فوجیں ہیں جو مغلوب نہیں ہو سکتیں۔ اگر یہ دونوں باتیں موجود ہیں تو تعداد کی قلت سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور بزدلی، کاہلی، سستی، نامردی، اختلاف اور غرور کے ساتھ تعداد کی کثرت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔“

”لوگو! میری تقلید کرو، اگر میں حملہ کروں تو تم بھی حملہ آور ہو جاؤ اور جب میں رک جاؤں تو تم بھی رک جاؤ، جنگ کے وقت سب مل کر ایک جسم بن جاؤ، میں اس سرکش (راڈرک) پر حملہ کر کے دست بدست مقابلہ کروں گا، اگر میں اس حملہ میں مارا جاؤں تو تم رنج و غم نہ کرنا اور میرے بعد آپس میں جھگڑ کر لڑ نہ بیٹھنا، اس سے تمہاری ہوا کھڑ جائے گی اور تم دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ پھیر دو گے اور قتل و گرفتار ہو کر برباد ہو جاؤ گے۔“

خبردار! ذلت پر راضی نہ ہونا اور اپنے کو دشمن کے حوالے نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے مشقت اور جفا کشی کے ذریعے دنیا میں تمہارے لیے جو عزت و شرف اور راحت اور آخرت میں شہادت کا جو ثواب مقدر کیا ہے، اس کی طرف بڑھو۔ اللہ کی پناہ اور حمایت

کے باوجود اگر تم ذلت پر راضی ہو گئے تو بڑے گھائے میں رہو گے۔ دوسرے مسلمان الگ تم کو برے الفاظ سے یاد کریں گے، جیسے ہی میں حملہ کروں تم بھی حملہ آور ہو جاؤ۔

دوسرے دن دریائے والدیٹ کے کنارے مقابلہ ہوا۔ راڈرک بڑی شان سے مقابلہ میں آیا۔ وہ خود فوج کے آگے تخت رواں پر سوار تھا۔ سر پر چتر شاہی سایہ لگن اور جلو میں مسلح گارڈ اور انسانوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ میدان میں آنے کے ساتھ ہی اس نے حملہ کر دیا۔ مسلمان بھی مقابلہ میں آ گئے اور جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ ایک طرف ہر طرح کے اسلحہ سے آراستہ ایک لاکھ فوج تھی جس میں اسپین بھر کے نامور بہادر جاگیر دار تھے۔ اپنا ملک تھا سامان رسد کی فراوانی تھی۔ ہر طرح کے ذرائع مہیا تھے۔ بادشاہ وقت خود کمان کر رہا تھا۔ دوسری طرف اپنے ملک سے دور بارہ ہزار پردیسی تھے۔ جن کے لیے اندلس بالکل اجنبی مقام تھا۔ نہ ان کے پاس ترقی یافتہ اسلحہ تھا، نہ سامان رسد کے ذرائع، لیکن معنوی اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق تھا۔ بارہ ہزار مسلمان ایک مقصد کے لیے متحد تھے اور ان کا ہر فرد جام شہادت کے لیے بے تاب تھا۔ اس کے برعکس اسپینیوں میں پھوٹ تھی، گوارڈرک کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی، لیکن وہ شاہی خاندان سے نہ تھا، اس لیے اسپین کے اکثر شرفاء و عمائد اور خاندان شاہی کے افراد اس کے خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ عرب طریف بن مالک کی طرح لوٹ مار کر کے نکل جائیں گے اور ان کے ذریعہ انہیں راڈرک کے تسلط سے نجات مل جائے گی۔ اس لیے انہوں نے راڈرک سے رہائی حاصل کرنے کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور عین میدان جنگ میں اندلس کے سابق گاتھ فرمانروا وٹیزا کے لڑکے جن کے ہاتھ میں مینہ اور میسرہ کی آمان تھی، پسپا ہو گئے۔ راڈرک کی قوت کا مدار امراء اور جاگیر داروں پر تھا۔ اس لیے ان کے الگ ہو جانے کے بعد اس نے نہایت فاش شکست کھائی (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۹۰۔ فتح الطیب ج ۱، ص ۱۲۲) اور ایسا لاپتہ ہوا کہ آج تک تاریخ اس کا انجام

بتانے سے قاصر ہے۔ اس کا حلہ اور موزہ دریا کے کنارے ملا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ ڈوب گیا۔ گھوڑے کا ساز مرصع تھا۔ زین پر یاقوت و زبرجد جڑے تھے، حلہ بھی بیش قیمت جواہرات سے مرصع تھا۔ شکست خوردہ اندلسی بھاگ کر استبجہ میں جمع ہوئے تھے۔ اس لیے طارق وادی لکھ سے استبجہ پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے فوج کے ساتھ مل کر نہایت سخت مقابلہ کیا۔ بہت سے مسلمانوں کی قربانی کے بعد یہ مہم بھی سر ہوئی اور استبجہ والوں نے بھی شکست کھائی۔ اب تک پہنچی اس غلط فہمی میں تھے کہ طریف کی طرح طارق بھی لوٹ مار کرواپس چلا جائے گا، لیکن اس کا عزم دیکھ کر اور مسلسل دو شکستوں سے وہ اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ کھلے میدانوں کو چھوڑ کر پہاڑی علاقوں میں چلے گئے اور امراء اور عمائد کے پایہ تخت طلیطلہ میں پناہ لی۔ کاؤنٹ جولین نے جو ابراہم طارق کے ساتھ تھا اور ہر قسم کی مدد کر رہا تھا۔ استبجہ کے معرکہ کے بعد اس کو مشورہ دیا کہ اس وقت اندلسیوں کے دل پر رعب چھایا ہوا ہے۔ انہیں زیر کرنے کا یہی موقع ہے۔ قبل اس کے کہ وہ آئندہ کے متعلق آپس میں مشورہ کریں۔ تمام صوبوں میں فوجیں پھیلا دیجئے اور پایہ تخت پر آپ خود فوج کشی کیجئے۔ اس مشورہ کے ساتھ ہی اس نے اندلس کے جغرافیہ اور حالات سے باخبر اور معتمد علیہ رہنما بھی دیئے۔ یہ مشورہ مفید تھا۔ اس لیے طارق نے فوراً قرطبہ، غرناطہ، مالقہ، تدیر (مرسیہ) وغیرہ تمام اہم صوبوں میں الگ الگ فوجیں روانہ کیں (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۹۱۰ و فتح الطیب ج ۱، ص ۱۲۲)

قرطبہ پر قبضہ : پایہ تخت طلیطلہ کے بعد دوسرا اہم صوبہ قرطبہ کا تھا۔ اس کی مہم ولید کے ایک تجربہ کار غلام مغیث رومی کے سپرد ہوئی۔ قرطبہ کے قریب پہنچ کر اس نے فوج کو ترائی کی جھاڑی میں چھپا دیا اور راہنماؤں کے آگے تحقیقات کے لیے روانہ کیا۔ ایک چرواہے سے معلوم ہوا کہ تمام شہر کے عمائد شہر چھوڑ کر طلیطلہ چلے گئے ہیں۔ صرف صوبہ دار شہریوں اور چند سوسپاہیوں کے ساتھ رہ گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قرطبہ کی شہر

پناہ بڑی سنگین و مستحکم ہے۔ یہ حالات معلوم ہونے کے بعد مسلمان شب کی تاریکی میں قرطبہ کی طرف بڑھے اور شہر کے قریب دریا کو عبور کر کے فسیل تک پہنچ گئے۔ اتفاق سے بارش ہو گئی تھی۔ موسم سرد تھا، شہر پناہ کے محافظ کونوں میں بے خبر پڑے سو رہے تھے، مغیث نے گھوم پھر کر شہر پناہ کو دیکھا۔ کہیں سے کوئی راستہ نہ ملا۔ ایک مقام پر ایک روزن نظر آیا۔ اس کے پاس ہی ایک اونچا درخت تھا۔ چند مسلمان پگڑیوں کی کمند بنا کر درخت کے سہارے شہر پناہ کے اوپر پہنچ گئے اور نیچے اتر کر محافظوں کو قتل کر کے پھاٹک کھول دیئے، باہر فوج منظر کھڑی تھی وہ ریا کر کے اندر داخل ہو گئی اور مسلمان سیدھے قصر حکومت کی طرف بڑھے۔ حاکم شہر کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی۔ اس لیے اس نے محل چھوڑ کر شہر کے مغربی حصہ کے ایک کنیسہ میں پناہ لی۔ یہ کنیسہ خود ایک سنگین قلعہ تھا۔ مغیث نے قصر حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد کنیسہ کا محاصرہ کر لیا۔ تین مہینے تک کامل محاصرہ قائم رہا، لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ مغیث نے وہ نہر جس کے ذریعہ سے قلعہ میں پانی جاتا تھا، بند کر دی۔ اس سے محصورین بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ پھر بھی سپر ڈالنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے، لیکن حاکم شہر حالت کا اندازہ کر کے ایک شب کو تنہا نکل گیا۔ مغیث کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے تعاقب کیا۔ حاکم نے گھوڑا سرپٹ ڈال دیا، مگر ایک مالہ پھاند نے میں گھوڑا گر کر زخمی ہو گیا، مغیث نے پہنچ کر گرفتار کر لیا۔ اس کو گرفتار کرنے کے بعد مغیث نے اہل قلعہ کو مجبور کر کے سپر ڈلوادی اور قرطبہ پر مکمل قبضہ ہو گیا۔ قرطبہ کے صوبہ میں یہودیوں کی بڑی آبادی تھی۔ یہ سب عیسائیوں کے ساتھ دلی عناد رکھتے تھے۔ مغیث نے ان کی ریشہ و انیوں کے سدباب کے لیے یہودیوں کو جمع کر کے شہر قرطبہ میں بسایا۔

تدمیر کی صلح: دوسرا اہم صوبہ تدمیر (مرسیہ) تھا، جو اپنے صوبہ دار تھیوڈومیر کی نسبت سے تدمیر کہلاتا تھا۔ تھیوڈومیر اندلس کے صوبہ داروں میں سب میں ممتاز نامور اور بہادر تھا۔ اس کا مرکز حکومت اور یویلہ بڑا مستحکم اور سنگین شہر تھا۔ اوپر معلوم ہو چکا ہے

کہ استجہ کے معرکہ کے بعد طارق نے ہر صوبہ میں الگ الگ فوجیں بھیجی تھیں، چنانچہ اسلامی فوج جب مد میر پہنچی تو تھیوڈومیر نے بڑی شجاعت سے اس کا مقابلہ کیا، لیکن مسلمانوں کی جانبازی کے مقابلہ میں اس کی شجاعت کام نہ آسکی اور اس نے نہایت فاش شکست کھائی۔ اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور وہ بقیۃ السیف مختصر جماعت کو لے کر اور یویلہ کے قلعہ میں چلا آیا اور مسلمانوں سے اپنی کمزوری چھپانے کے لیے عورتوں کو فوجی لباس پہنا کر اسلحہ سے آراستہ کر کے قلعہ کی فصیل پر کھڑا کر دیا۔ دور سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے مسلمان دھوکہ میں آ کر صلح کے لیے تیار ہو گئے۔ تھیوڈومیر یہی چاہتا تھا، چنانچہ وہ خود قاصد کے لباس میں گفتگو کے لیے آیا اور صلح ہو جانے کے بعد اپنے کو ظاہر کیا اور صلح کے مطابق مسلمانوں کو شہر میں لے گیا یہاں ان کو عورتوں اور لڑکوں کے علاوہ کوئی مصافی آبادی نظر نہ آئی۔ اس وقت مسلمانوں کو صلح پر بڑی پشیمانی ہوئی، لیکن اب صلح ہو چکی تھی، اس لیے مجبور تھے (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۱۲، ۱۳ و فتح الطیب ج ۱۔ ص ۱۲۴)

پایہ تخت طلیطلہ پر قبضہ : اوپر گزر چکا ہے کہ طلیطلہ پر خود طارق نے فوج کشی کی تھی۔ طلیطلہ کا تھفر مانرواؤں کا پایہ تخت تھا۔ یہاں ان کا خزانہ، ان کی دولت اور ان کے عجب روزگار نوادر کے ذخیرے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کا رخ دیکھ کر جہاں تک اہل طلیطلہ سے ہو سکا یہاں کی دولت اور ذخیرے دوسرے مقاموں پر منتقل کر دیئے اور مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی شہر چھوڑ کر جبل شارات کی پشت پر دوسرے شہر میں چلے گئے اور طارق جس وقت پہنچا شہر بالکل خالی ہو چکا تھا۔ اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آئی اور بغیر کشت و خون کے طلیطلہ پر قبضہ ہو گیا۔ طارق نے حسب معمول یہاں بھی یہودیوں کو لا کر بسایا اور مسلمانوں کی بھی ایک چوکی قائم کر دی (اخبار افتتاح اندلس ص ۱۴ و فتح الطیب ج ۱۔ ص ۱۲۴)

کا تھفر مانرواؤں میں یہ دستور تھا کہ جو بادشاہ مرتا تھا، اس کے تاج پر بادشاہ کا

نام عمر، سنہ جلوس اور مدت حکومت لکھ کر محفوظ کر دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے طلیطلہ میں داخلہ کے وقت اس قسم کے چوبیس تاج بیت الملوک میں محفوظ تھے۔ یہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ (کتاب الامامۃ والیاستہج۔ ۲، ص۔ ۶۱) ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ اندلس آنے کے بعد خود موسیٰ بن نصیر نے طلیطلہ کو فتح کیا، لیکن اور سب مورخین اس کے خلاف ہیں۔

مدینۃ المائده : طلیطلہ کی حفاظت کا انتظام کرنے کے بعد طارق اہل طلیطلہ کی تلاش میں روانہ ہوا اور وادی الحجارہ کو طے کر کے جبل الشارات کے اس پار مدینۃ المائده پہنچا۔ (عربی کتابوں میں مدینۃ المائده کا نام ہے لیکن اندلس کے پرانے اور نئے جغرافیہ میں کہیں اس نام کے شہر اور اس کے محل وقوع کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لیے ایک خیال یہ ہے کہ اس نام کا کوئی شہر ہی نہ تھا، بلکہ یہ میز طلیطلہ کے گرجے میں تھا۔ یہاں کے باشندوں نے دوسرے قیمتی ذخائر کے ساتھ اسے بھی دوسرے مقام پر منتقل کر دینا چاہا مگر وہ راستہ ہی میں تھے کہ مسلمانوں نے چھین لیا اور اس مقام کا نام مدینۃ المائده یعنی میز کا شہر رکھ دیا۔ مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی نے مختلف بیانون کی روشنی میں مدینۃ المائده کے دو محل وقوع متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک طلیطلہ سے سو سو میل کی مسافت پر وادی الحجارہ کے آگے، جبل شارات کے اس پار دوسرے جبل شارات کے اس طرف قلعہ النہر کے قریب طلیطلہ سے پچپن میل کے فاصلہ پر جغرافیہ اندلس مرتبہ مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی ص۔ ۶۵) یہاں اس کو ایک میز جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب تھا ملا۔ (اس میز کی تاریخ کے بارے میں دو بیانات ہیں۔ ایک یہ کہ اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اندلس کے قدیم حکمرانوں کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جو صاحب ثروت مرتا تھا وہ اپنے متروکہ میں کنیسہ کے لیے بھی وصیت کر جاتا تھا۔ اس سے جو دولت جمع ہوتی تھی، اس سے کنیسہ کیلئے سونا چاندی کی کرسیاں میز اور اس قسم کی دوسری چیزیں بنوائی جاتی

تھیں اور مذہبی مراسم کے موقعوں پر ان پر انجیل مقدس رکھی جاتی تھی، اور مذہبی تہواروں میں قربان گاہ کی آرائش کے کام میں آتی تھی یہ میز اس قسم کے مال سے طیلہ کے گرے کی قربان گاہ کیلئے بنایا گیا تھا۔ (فتح الطیب جلد اول ص ۱۲۷، ۱۲۸) یہودیوں میں اس میز کے متعلق یہ روایت تھی کہ وہ بیت المقدس میں حضرت سلیمان کے معبد میں تھا۔ اردمانے جب بیت المقدس کو لوٹا اس وقت یہ میز بیت المقدس سے یورپ آیا پھر کسی طرح عیسائیوں کے ہاتھ میں آ کر اندلس پہنچا) یہ میز خالص سونے کا اور اتنا بڑا تھا کہ ۳۶۵ پائے تھے اور زبردیا قوت وغیرہ بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھا۔

موسیٰ بن نصیر کا ورود اندلس : اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وادی لکھ کے معرکہ سے پہلے طارق نے موسیٰ بن نصیر کو اسپینیوں کی یورش کی اطلاع دے کر امداد طلب کی تھی۔ اس کی اطلاع کے الفاظ یہ تھے ”کہ اپنی ہر طرف سے امنڈ آئے ہیں اور مجھ میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے“۔ اس اطلاع پر موسیٰ نے فوراً پانچ ہزار فوج بھیج دی تھی، لیکن معرکہ کی اہمیت کے خیال سے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ میں عنقریب پہنچتا ہوں۔ میرے بغیر آئے ہوئے آگے بڑھنے کا قصد نہ کرنا۔ (کتاب الامامہ والسیاستہ ج ۲ ص ۶۰) لیکن حالات ایسے ہو گئے تھے کہ طارق اس حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔

اس تحریر کے تھوڑے ہی دنوں بعد موسیٰ روانہ ہو گیا تھا اور طیلہ کی فتح کے بعد رمضان ۹۳ھ میں وہ اندلس پہنچا۔ یہاں کاؤنٹ جولین کے آدمی راہنمائی کے لیے موجود تھے۔ موسیٰ اپنے کارنامے دکھانے کے لیے نیا میدان چاہتا تھا۔ اس لیے راہنماؤں کے مشورے سے طارق کے مفتوحہ علاقہ کو چھوڑ کر صوبہ شنوونہ کو عبور کرتا ہوا قرمونہ کی طرف بڑھا۔ (فتح الطیب ج ۱ ص ۱۲۶)

قرمونہ پر قبضہ : یہ استحکام اور مضبوطی کے لحاظ سے اندلس بھر میں ممتاز شہر تھا

طارق نے موسیٰ سے مدد طلب کی تھی۔ اس نے پانچ ہزار فوج بھیج کر لکھ دیا تھا کہ میرے آئے بغیر آگے نہ بڑھنا، لیکن حالات ایسے تھے کہ طارق اس حکم کی تعمیل نہ کر سکا تھا) لیکن پھر معمولی تنبیہ پر راضی ہو گیا۔ اصطلاح مع طارق و اظهر الرضا عنہ (فتح الطیب ج ۱، ص ۳۸) اور کتاب الامامۃ والسیاستہ ج ۲، ص ۶۱) اور اس کے ساتھ طلیطلہ جا کر مال غنیمت کا جائزہ لیا۔ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق طلیطلہ کی فتح میں اتنا سونا چاندی اور مختلف قسم کا دوسرا ساز و سامان ملا تھا کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی میں شاہان گاتھ کے تاج بھی تھے۔ (کتاب الامامۃ والسیاستہ ج ۲، ص ۶۱) طلیطلہ پہنچنے کے بعد موسیٰ نے اندلس کے باقی حصوں پر فوج کشی کے انتظامات کیے اور طارق کو مقدمہ الحیش کے طور پر شمالی اسپین کے سمت آگے روانہ کر دیا اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ تاریخوں میں موسیٰ کے طلیطلہ پہنچنے تک کے واقعات سلسلہ وار ہیں، لیکن اس کے بعد تفصیل و ترتیب نہیں قائم رہتی۔ بہر حال دونوں سپہ سالار طلیطلہ سے آگے پیچھے روانہ ہوئے اور طلیطلہ سے سرقوسہ تک کا علاقہ فتح کر ڈالا۔ مقلی کا بیان ہے کہ اندلسیوں پر مسلمانوں کی اتنی ہیبت چھائی ہوئی تھی کہ ان کو کوئی روکنے والا نہ تھا۔ طارق جدھر رخ کرتا تھا فتح و کامرانی ہر کاب چلتی تھی۔ اندلسی خود پیش قدمی کر کے مصالحت کرتے تھے۔ وہ آگے آگے فتح کرتا جاتا تھا اور موسیٰ پیچھے پیچھے صلح ناموں اور معاہدوں کی تصدیق کرتا جاتا تھا۔ (فتح الطیب ج ۱، ص ۱۲۸)

شمالی مشرقی اندلس کی فتح: سرقوسہ فتح کرنے کے بعد مسلمان شمالی اندلس میں پھیل گئے اور بحر متوسط کے ساحل پر برشلونہ فتح کرتے ہوئے فرانس کی سرحد دریائے روڈنہ تک پہنچ گئے اور اربونہ NARBONNE حصن ابیون (اوی ٹون) اور حصن لوڈون LYONS فتح کیے۔

اہل فرانس سے مقابلہ: اسپین کے انجام نے اہل فرانس کو چونکا دیا تھا۔ اس لیے حدود فرانس (عربی تاریخوں میں ارض الکبیر اور افرنجہ کا لفظ ہے جس سے مراد

جبل البرانس کے اس پار کے تمام یورپین ملک ہیں، لیکن اس موقع پر اس سے مراد اندلس سے ملا ہوا فرانس کا علاقہ ہے) میں مسلمانوں کی پیش قدمی سے ان میں بڑی بے چینی پھیل گئی اور بادشاہ قارلہ (یہ غالباً چارلس مائل کی تعریف ہے، اس لیے کہ اس زمانہ میں یہی فرانس کے تحت پر تھا، لیکن عام تاریخوں کے بیان کے مطابق چارلس اور مسلمانوں کا پہلا مقابلہ ۱۱۴۲ھ مطابق ۷۳۲ء میں ہوا۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت پہلے طارق ہی سے ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قارلہ (فرانس کی جنوبی سرحد پر چارلس مائل کا کوئی صوبہ دار یا حاکم رہا ہو، بہر حال اتنا یقینی ہے کہ مسلمان فرانس کے حدود میں سب سے پہلے اسی زمانہ میں داخل ہوئے) ایک لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں کو روکنے کے لیے بڑھا۔ مسلمان اس وقت حصن لوڈون تک پہنچ چکے تھے، لیکن ان کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی۔ اس لیے قارلہ کی فوجوں کی کثرت کا حال سن کر وہ اربونہ لوٹ گئے اور اس کے قریب ہی ایک پہاڑ پر خیمہ زن ہوئے۔ ابھی وہ اربونہ میں داخل نہ ہوئے تھے کہ قارلہ دفعۃً پہنچ گیا۔ مسلمانوں کو اس کی نقل و حرکت کی خبر نہ تھی اور انہیں اس حملہ کا خیال بھی نہ تھا، تاہم انہوں نے مقابلہ کیا، لیکن پہلے سے تیار نہ تھے، اس لیے بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور کچھ لڑتے بھڑتے نکل گئے اور اربونہ میں داخل ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ قارلہ نے محاصرہ کر لیا۔ اربونہ بہت مضبوط شہر تھا، اس لیے قارلہ کو کامیابی نہ ہوئی اور محاصرہ کے دوران میں اس کے بہت سے آدمی ضائع ہوئے۔ مسلمانوں کی مدد آ جانے کا بھی خطرہ تھا۔ اس لیے چند دنوں کے بعد محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا اور وادی روڈنہ میں قلعہ و چھاؤنیاں قائم کر کے فوجیں متعین کر دیں کہ مسلمان فرانس کی حدود کی طرف نہ بڑھ سکیں۔

مغربی صوبوں کی فتوحات : شمالی اندلس کو فتح کرنے کے بعد موسیٰ الخلیج بشکنس کے کنارے شمال مغربی صوبوں بشکنس، استورنس اور جلیقیہ کی طرف بڑھا۔ یہ پورا علاقہ پہاڑی تھا۔ اس کی تفصیل نہیں معلوم ہوتی کہ ان صوبوں میں اس

نے کون کون سے مقام فتح کیے۔ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بشکنس میں بڑے خونریز معرکے ہوئے اور ان سب میں مسلمانوں کو فتح و کامیابی ہوئی۔
(کتاب الامامۃ والسیاستہ ج ۲، ص ۶۴، ۶۵)

استورنس اور جلیقیہ کے بعض حصے بھی فتح ہوئے۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ جلیقیہ والوں نے آگے بڑھ کر اطاعت قبول کر لی تھی۔ بہر حال اس فوج کشی میں پورا شمال مغربی علاقہ مطیع ہو گیا اور سب نے جزیہ دے کر اطاعت قبول کر لی۔

موسسیٰ کسی واپسی : جس زمانہ میں موسیٰ شمالی اندلس میں تھا۔ اسی زمانہ میں واپسی کے لیے ولید کا حکم پہنچ گیا تھا، لیکن ابھی اندلس کے مغربی صوبے باقی تھے۔ اس لیے وہ واپس نہ ہوا اور ان صوبوں کی مہم میں مشغول ہو گیا۔ اسی دوران میں دوسرا حکم پہنچا، چنانچہ اس مہم سے فراغت کے بعد ۹۴ھ میں وہ اپنے لڑکے عبدالعزیز کو اندلس میں اپنا نائب بنا کر شام گیا۔

(کتاب الامامۃ والسیاستہ ج ۲، ص ۶۳، ۶۴ و فتح الطیب ج ۱، ص ۱۲۹)
مال غنیمت کی فراوانی : اندلس دولت و ثروت کا خزانہ تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ سارے ملک میں سونے چاندی کے دریا بہتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو یہاں سے بیشمار مال غنیمت حاصل ہوا۔ موسیٰ نے ولید کو اندلس کی فتوحات کی کثرت اور مال غنیمت کی فراوانی کی اطلاع دی تھی کہ امیر المومنین یہ فتوح نہیں بلکہ حشر ہے۔ (مال غنیمت کی تفصیل مقلریٰ ابن قتیبہ اور ابن اثیر وغیرہ سب نے لکھی ہے) سونے چاندی اور جواہرات کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ نقد کے علاوہ بہت سے عجائب روزگار نوادر ہاتھ آئے تھے۔ ان میں سب سے معمولی ایک فرش تھا جو سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا اور یاقوت و زبرجد اور دوسرے قیمتی جواہرات اور بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھا۔ دوسرے نوادر کے مقابلہ میں یہ اتنا کم حیثیت تھا کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہ تھی۔ موسیٰ جس وقت اندلس سے نکلا ہے اس کے

ساتھ تیس ہزار لونڈی، غلام، گاتھہ فرمانرواؤں کے چوبیس تاج، ماندہ سلیمانی، سونے چاندی کے ظروف، جواہرات کے ذخیرے اور بے شمار عجائب و نوادر تھے۔

شاہی خاندان کے ساتھ حسن سلوک : اندلس کی فتح کے بعد مسلمانوں نے خاندان شاہی کے ساتھ بڑا شریفانہ سلوک کیا۔ اندلس کے مختلف صوبوں میں آخری گاتھہ فرمانروا ولیزا کی جاگیریں تھیں، جو اندلس کے انقلاب میں اس کے لڑکے المند، ارطباش اور رملہ کے ہاتھوں سے نکل گئی تھیں۔ انہوں نے طارق سے واگزاری کی درخواست کی۔ اس نے موسیٰ سے سفارش کی۔ موسیٰ نے سفارشی خط دے کر انہیں ولید کے پاس شام بھیج دیا۔ ولید نے ان کی بڑی عزت و توقیر کی۔ انہیں آداب شاہی سے مستثنیٰ کر دیا اور جاگیروں کی واگزاری کا حکم لکھ کر اندلس واپس کر دیا، اور سب کی جاگیریں ان کو واپس مل گئیں اور انہوں نے اشبیلیہ، قرطبہ اور طلیطلہ میں جہاں یہ جاگیریں تھیں، قیام کیا۔ بعد کے خلفاء بھی اس کا لحاظ کرتے تھے۔ ہشام کے زمانے میں المند کی موت کے بعد اس کے بھائی ارطباش نے اپنے نابالغ بھتیجوں کی جاگیر پر قبضہ کر لیا۔ المند کی لڑکی سارہ دونوں بھائیوں کو لے کر شام گئی اور ہشام سے چچا کے ظلم کی فریاد کی۔ ہشام نے اسی وقت حنظلہ بن صفوان والی افریقہ کو حکم لکھ دیا کہ ان کے باپ کی جاگیر ارطباش کے قبضہ سے نکال کر تینوں میں ان کی میراث کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔ ہشام سارہ کی شکل و صورت اور عقل و دانش سے بہت متاثر ہوا اور اس کی رضامندی سے اس کا عقد عیسیٰ بن مزاحم کے ساتھ کر دیا۔ اس رشتہ سے اس خاندان کا تعلق عرب شرفاء سے قائم ہو گیا۔ جس سے اس کو بہت فائدہ پہنچا اور بعد کے تمام امراء و خلفاء اس کا لحاظ کرتے رہے۔ عبدالرحمن الداخل خاص طور سے سارہ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس کے لیے ہر وقت دربار میں آنے کی اجازت تھی (فتح الطیب ج ۱، ص ۱۶۴-۱۶۵)

مسلمہ بن عبدالملک اور عباس بن ولید کی فتوحات

شام : مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف قسطنطنیہ کی حکومت تھی۔ خصوصاً شام کی سرحد جہاں جزیرہ کروتستان، ارمنستان اور ایشیائے کوچک کی سرحدیں ملتی تھیں۔ دونوں کا نہایت اہم محاذ تھا۔ امیر معاویہ ؓ نے اپنے زمانے میں اس کی حفاظت کا بڑا اہتمام کیا تھا۔ ان کے بعد اندرونی انقلابات کی وجہ سے یہ انتظام قائم نہ رہ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالملک کے زمانہ میں قیصر نے مصیصہ پر حملہ کر دیا اور عبدالملک کو روپیہ دے کر اس سے مصالحت کرنی پڑی۔ اس لیے ولید نے پھر یہاں مستقل مورچہ قائم کر کے اپنے بھائی مسلمہ اور لڑکے عباس کو اس کی حفاظت پر متعین کیا۔ انہوں نے اس علاقہ کے بہت سے مقامات جو جنگی نقطہ نظر سے اہم تھے، فتح کیے۔ ۸۷ھ میں مسلمہ نے مصیصہ کے علاقہ میں حصن بولق، حصن اخرام اور حصن بولس فتح کیے۔ (ابن اثیر ج ۲، ص ۲۰۴) پھر ۸۸ھ میں مسلمہ اور عباس نے جزیرہ کے راستہ سے فوج کشی کی۔ طوانہ کے قریب رومیوں کا مقابلہ ہوا۔ پہلے معرکہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، لیکن پھر عباس کی ہمت و استقلال نے رومیوں کو پسپا کر دیا اور وہ طوانہ میں قلعہ بند ہو گئے۔ عباس نے محاصرہ کر کے طوانہ فتح کر لیا (یہ فتوحات ابن اثیر کے مختلف سنوں میں ہیں)

۸۹ھ میں مسلمہ نے حصن عموریہ اور نواح آذربائیجان کے بعض شہر اور عباس نے اروج فتح کیے۔ ۹۰ھ میں مسلمہ نے سوریہ کے پانچ قلعے فتح کیے اور عباس ارمنی علاقہ میں ارزن تک بڑھتے چلے گئے اور باب کے کئی اہم مقام فتح کئے۔ ۹۳ھ میں عباس نے طرسوس اور ۹۴ھ میں اٹلا کی فتح کیا۔ یہ دونوں مقام سرحد شام کے اہم مورچے تھے۔ طرسوس ایشیائے کوچک کی سمت بحر روم کے ساحل پر ہے۔ ۹۵ھ میں مسلمہ نے ایک اور قلعہ فتح کیا۔ (دولی الاسلام ذہبی ج ۱، ص ۴۵)

بحر روم کے جزائر پر حملہ اور فتوحات : بحر روم کے ساحل پر خصوصاً شمالی افریقہ میں مسلمانوں کے اتنے مقبوضات تھے کہ بغیر بحری استحکامات کے

ان کی حفاظت نہ ہو سکتی تھی۔ شمالی افریقہ کے بربریوں کی اکثر بغاوتوں میں بحرم کے جزائر کے باشندوں کا بھی ہاتھ ہوتا تھا۔ اس لیے ولید کے زمانے میں ادھر توجہ ہوئی اور ۸۸ھ میں جزیرہ میورقہ اور منورقہ فتح ہوئے۔ (دولت الاسلام ذہبی ج۔ ۱ ص۔ ۴۵)

اندلس کی فوج کشی کے سلسلے میں ۹۲ھ میں موسیٰ بن نصیر نے ایک فوج جزیرہ سردانیہ (سارڈینا) بھیجی۔ یہ جزیرہ مستقلیہ کے بعد بحرم کے تمام جزائر میں نہایت سرسبز و شاداب دولت مند اور رقبہ میں نہایت وسیع تھا۔ اندلس جیسے وسیع ملک کا انجام دیکھنے کے بعد یہاں کے باشندوں سے مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی، البتہ اپنی کل دولت سمیٹ کر محفوظ کر دی۔ طائنی اور لقرنی سامانوں کو جمع کر کے بندرگاہ کے پایاب حصہ میں ڈبو دیا اور نقد ایک بڑے کلیسا کی دوہری چھت کے درمیان چھپا دیا۔ اتفاق سے ایک مسلمان اس بندرگاہ میں نہا رہا تھا۔ اس کے پاؤں میں کوئی چیز لگی۔ نکال کر دیکھا تو وہ چاندی کا برتن تھا۔ اس کے بعد اس نے اور تلاش کیا تو کل سامان نکل آیا۔ اسی طریقہ سے کلیسا کی نقد دولت کا بھی اتفاقی طور سے پتہ چل گیا۔ (ابن اثیر ج۔ ۴ ص۔ ۲۱۶) یہ تمام دولت لے کر مسلمان لوٹ گئے۔ اسی زمانہ میں بحرم کے سب سے بڑے جزیرہ سسلی پر حملہ ہوا۔ (المونس ص۔ ۳۳)

متفرق فتوحات : مذکورہ بالا اہم فتوحات کے علاوہ شمالی افریقہ وغیرہ میں بھی متفرق فتوحات ہوئیں، لیکن وہ چنداں لائق ذکر نہیں۔

ملک کی اندرونی حالت : ولید کے پورے دور میں ملک میں کامل امن و امان رہا اور کسی قسم کا اندرونی خلفشار نہیں ہوا۔ ایک آدھ خوارج ضرور اٹھے، لیکن معمولی سرزنش کے بعد خاموش ہو گئے۔

حجاج کی وفات : ۹۶ھ میں حجاج بن یوسف کا انتقال ہو گیا۔ وہ اموی حکومت کا قوت بازو تھا۔ اس کے دوبارہ قیام و استحکام میں حجاج کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔ اسی

مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے اندلس کی پستی اور تاریکی کا یہ حال تھا۔

اسپین کی عام حالت : اواخر صدی ہفتم اور اوائل صدی ہشتم کی تاریخ اسپین غیر معمولی طور پر ظلمات کے دھندلکے میں پھنسی ہوئی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اس میں سیاسی اور تمدنی مصائب ملک بھر پر پڑے ہوئے تھے (اخبار اندلس ایس پی۔ اسکاٹ ج، ص ۲۰۳ ترجمہ مولوی خلیل الرحمن صاحب)

حکومت کی حالت : آٹھویں صدی کے شروع میں سلطنت وزیگا تھ بظاہر زوروں پر تھی اور نہایت مرفہ الحال مگر اس کی اصلی اور واقعی کمزوری اہالی کلیسا کی شان اور دربار شاہی کے تکلفات اور رعب میں چھپی ہوئی تھی۔ جنہوں نے اس سلطنت کے مصائب اور زیادتیوں پر بے بود سنا نقاب ڈال رکھا تھا۔

”خواہشات نفسانی کے غلام بادشاہان وزیگا تھ میں سے اپنے اجداد کی خوبیاں بالکل ختم ہو چکی تھیں۔ ریکارڈ اور دیبیا کے جانشین ایسے کمزور مگر ظالم تھے کہ ان پر لفظ بادشاہ کا اطلاق متنازعہ فیہ امر ہے۔ ان کی نفسیات نے نہ رسوم مہماں نوازی کو قائم رکھا، نہ حقوق دوستی کو ملحوظ نہ اپنے رتبہ کو برقرار رکھ سکے، نہ اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں سن و سال کی پرواہ کی۔“

(اخبار اندلس ایس پی۔ اسکاٹ ج، ص ۲۰۶)

دربار شہاسی میں تعیش کا دور : ”تمام دربار شاہی ایک ہی حمام میں تھے، عیش و نشاط و شہوت رانی کا زور تھا۔ کلیسا کی نہایت مقدس روایات کی خلاف ورزی تو ہوتی تھی، غضب تو یہ ہے کہ تعداد ازواج اور کنیزوں کا رکھنا بھی جائز قرار دے دیا گیا تھا۔ دیندار لوگ ان عیش کے بندوں کی زیادتیوں سے تنگ آ گئے تھے۔ نہ ان خراباتیوں سے گرجاؤں کی قربان گاہیں محفوظ تھیں، نہ اقبال گناہ کے منبر۔“ (اخبار اندلس ایس پی۔ اسکاٹ ج، ص ۲۰۸)

مذہبی پیشوائوں کی حالت : ”بادشاہ کو منہمک منہیات دیکھ کر چھوٹے

بڑے تمام پادری انہی خرابیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ اسقف کے محل میں ہر روز فساد و عناد کے تماثے نظر آتے تھے۔ اور ہر رات کوشور شعب کی آوازیں وہاں سے بلند ہوتی تھیں۔ عوام الناس پہلے ہی کہاں کے معصوم تھے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر اور بھی خراب ہوتے چلے جاتے تھے۔ پادریوں اور مقتدایان مذہبی کے گھروں کی شراہیں ضرب المثل تھیں۔ ان کے مکان نہ تھے۔ پری خانے تھے۔ اگر حسن و جمال کہیں ملتا تو یہیں پادریوں کا اصلی فرض تھا تو یہ کہ وہ اپنے آپ کو ایک رحم جسم ہستی کے نائب ہو کر فیاضی اور ایثار نفسی دکھائیں، مگر وہ اتنے گرے ہوئے تھے کہ سازش کنندہ اور معاملات سیاست میں دخل دینے والا فرقہ بن گئے تھے۔ امراء و اراکین سلطنت مردہ بدست زندہ بن کر اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دے دیا تھا، اور تمام نظم و نسق سلطنت ان کے سپرد کر دیا تھا، اور خود بطریق مدہانت عابدوں کا نمونہ بن گئے تھے، اگر ان کی خانگی زندگی کو دیکھا جاتا تو کیا پادری اور کیا امراء عیوب اور گناہوں کے ڈھیر تھے۔ (اخبار الاندلس ایس پی۔ اسکاٹ ترجمہ مولوی خلیل الرحمن صاحب ج۔ ۱، ص۔ ۱۹۸)

کسانوں، مزدوروں، غلاموں اور رعایا کے دوسرے طبقوں کی حالت:

”مزارعین کی حالت بالکل چوب مسجد کی تھی۔ وہ تمام عمر بلکہ اولاد در اولاد ایک ہی جاگیر دار کے ہو رہے تھے اور کہیں اور نہ منتقل ہو سکتے تھے۔ ان کی حالت بالکل غلاموں کی سی ہوتی تھی۔ گوازروئے قانون گاتھ ان کو ان بدقسمتوں سے بہتر ہونا چاہیے تھا، جو بازاروں میں عام جانوروں کی طرح فروخت ہو سکتے تھے۔ آخر زمانہ گاتھ میں جو قانون وضع ہوئے تھے۔ ان کے موافق غلاموں کی حالت اس سے بھی بدتر ہو گئی تھی۔ جو رومیوں کے زمانہ میں تھی۔ آخر گاتھ بادشاہوں نے کچھ نرمی کر دی۔ اس سے لوگوں کی حالت اور بھی نازک ہوتی چلی جاتی تھی۔ شادی بیاہ کے متعلق قیود تھیں، اہل و عیال کو الگ رکھنا پڑتا تھا، چھوٹے چھوٹے جرائم پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں، ان اسباب سے ان کی

ڈلتیں اور بڑھتی جاتی تھیں“

(اخبارالاندلس ایس پی۔ اسکاٹ ترجمہ مولوی خلیل الرحمن صاحب ج۔ ۱ ص۔ ۱۹۹)

”پادریوں کی جاگیروں پر ہزاروں غلام تعینات تھے۔ نہ صرف اس لیے کہ زراعت کریں، بلکہ اس واسطے کہ بہترین اشیاء پیدا کریں جو اس زمانے میں مل سکتی تھیں اور وہی ان جاگیرداروں کے تکلفات کو بڑھا سکتی تھیں۔ ان بدقسمت مزدوروں کی مشقت روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی اور آزادی کی امیدیں، جس کا وہ نسلوں سے انتظار کرتے چلے آتے تھے، گھٹتی چلی جاتی تھیں، بلکہ اب تو بالکل ہی نہ رہ گئی تھیں اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ جو نا قابل برداشت بوجھ ڈالا جا چکا ہے وہ قیامت تک ہلکا ہونے والا نہیں۔“

(اخبارالاندلس ج۔ ۱ ص۔ ۲۰۱)

”غلاموں کا ایک جم غفیر تھا کہ باوجود اپنے آقاؤں کے چابکوں کے ابھی تک زمانہ آزادی کی روایت کو نہیں بھولے اور ایک ذرا سی تحریک پر بلوہ کرنے کو تیار تھے اور اس دن کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے کہ جس دن ان کو آزادی کامل ہو جائے۔“

(اخبارالاندلس ج۔ ۱ ص۔ ۲۱۲)

یہودیوں کی حالت: ”مزارعین اور غلاموں کے علاوہ ایک اور فرقہ تھا، جس کی تعداد دونوں سے کم تھی، لیکن از روئے اصل و نسل و از روئے قانون وہ دوامی غلام تھے۔ اتنی بات ان میں زیادہ تھی کہ وہ دونوں سے زیادہ عقیل و فہیم اور ہوشیاری و چالاکی میں بڑھے ہوئے تھے۔ یہ فرقہ یہودیوں کا تھا۔ سترھویں دینی کونسل کے ایک حکم نامہ طاق کے موافق ان کی تمام جائیدادیں ضبط کر لی گئی تھیں اور ان کو با مشقت غلامی کی سزا دی گئی تھی۔ (اخبارالاندلس ص۔ ۲۱۰) یہودی تھے کہ دونوں فریق (امراء و مذہبی پیشوا) کے ہاتھ سے تنگ تھے، کون سی سختی و تشدد تھا کہ ان پر کیا نہ جاتا ہو، وہ ہر وقت پریشانی

عرب ملک میں پہنچے ہیں۔ آپس کی نا اتفاقی اور رقابت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ دو بڑے امراءِ اندلس یعنی کاوث جولین اور اشبیلیہ کارٹیس الاساقفہ عربوں کی فوج کشی میں معاون تھے“ (تمدن عرب لیبان ص ۲۴۷)

عربوں کے داخلہ کے بعد ہی یہ نقشہ ہو گیا: ”فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد ہی عربوں نے ترقی شروع کر دی۔ ایک صدی کے اندر اندر غیر مزرعہ زمینیں کاشت ہونے لگیں۔ اجاڑ بستیاں آباد ہو گئیں، بڑی بڑی عمارتیں بن گئیں اور دوسری اقوام سے تجارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ اس کے بعد ہی عربوں نے علوم و ادب کی طرف توجہ کی اور یونانی اور لاطینی کتابوں کے ترجمے کرائے اور دارالعلوم قائم کیے، جو مدت تک یورپ میں علم کی روشنی پھیلاتے رہے“ (تمدن عرب لیبان ص ۲۴۷)

”مسلمانوں نے اندلس کی تہذیب کو ترقی کی جس معراج کمال تک پہنچایا، اس سے تاریخیں معمور ہیں۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ بنی امیہ ہی نے اسے فتح کیا اور انہی نے اسے کمال اوج تک پہنچایا“ (تمدن عرب لیبان ص ۲۴۷)

اس دور کے اور مفتوحہ ممالک کی ترقی کا بھی یہی حال تھا۔ محمد بن قاسم نے سندھ میں جو نظام قائم کیا تھا۔ اس کے جستہ جستہ حالات سچ نامہ وغیرہ میں ملتے ہیں، لیکن ان سب کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ ولید کا دور تمدنی ترقیوں کے اعتبار سے بنی امیہ کا ممتاز ترین دور ہے۔ آئندہ سطور میں اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ اس دور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں کی جو قوت امیر معاویہ ؓ کے زمانہ سے آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی، وہ ایک مقصد پر متحد ہو گئی۔ اس سے کم از کم ولید کے زمانہ میں خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا۔ جس سے ملک کو بڑا فائدہ پہنچا۔ اسلامی حکومت کا رقبہ ہندوستان اور چین سے لے کر فرانس کی حد تک وسیع ہو گیا اور مفتوحہ ملکوں سے جو دولت ہاتھ آئی اس سے ملک کی تمدنی ترقی میں

بڑا اضافہ ہوا۔

فوجی نظام میں وسعت و ترقی: فوجی نظام میں بڑی وسعت و ترقی ہوئی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک وقت میں کئی کئی محاذوں، ہندوستان، وسط ایشیا اور یورپ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اور سب میں کامیابی ہوئی۔ فوج کی جزوی ضروریات کی فراہمی کا اتنا اہتمام تھا کہ سندھ کی فوج کشی میں حجاج نے سوئی دھاگہ تک ساتھ کر دیا تھا۔ خور و نوش کے سامان کا اتنا مکمل انتظام تھا کہ روٹی سرکہ میں بھگو کر خشک کر کے ساتھ کر دی تھی کہ ضرورت پڑنے پر پانی میں بھگو کر سرکہ تیار کر لیا جائے۔
(فتوح البلدان بلاذری ص ۲۴۲)

جہاز سازی کسے کارخانے: جہاز سازی کے کارخانے امیر معاویہ ؓ کے زمانہ سے قائم ہو گئے تھے۔ ولید کے زمانہ میں جب بحری قوت میں اضافہ ہوا تو نئے کارخانے کھولے گئے، چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے تونس میں ایک کارخانہ قائم کیا جس میں صرف اس کے زمانہ میں سو جہاز تیار ہوئے تھے۔
(کتاب المونس ص ۳۳)

رفاہ عوام: حکومت کے شعبوں میں ترقی کے علاوہ رفاہ عام کے اتنے کام ہوئے اور رعایا کی راحت و آسائش کے اتنے سامان مہیا کیے گئے کہ خلفائے راشدین کے زمانے کے علاوہ اس کی نظیر نہیں ملتی، بلکہ ولید کے بعض کارنامے اس دور سے بھی بڑھ گئے۔

سسڑکوں کی تعمیر: تحت نشینی کے تیسرے سال یعنی ۸۸ھ میں تمام ممالک محروسہ میں سسڑکیں درست کرائیں اور ان پر میل نصب کرائے (طبری ص ۱۹۵ و کتاب العیون والحدائق ص ۳)

نہروں اور کنوؤں کی تعمیر: تمام راستوں پر کنویں بنوائے اور نہریں جاری کرائیں۔
(کتاب العیون والحدائق ص ۳)

مہمان خانے : مسافروں کی سہولت کے لیے جا بجا مہمان خانے قائم کیے۔
 شفا خانے : ولید سے پہلے اسلامی حکومت میں اور مختلف قسم کی ترقیاں ہوئی تھیں؛
 لیکن اب تک حفظانِ صحت اور شفا خانوں کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ولید نے سارے
 ممالک محروسہ میں شفا خانے قائم کیے۔

(یعقوبی ج ۲، ص ۳۲۸)

معذوروں کی کفالت کا انتظام : یہ ولید کا قابلِ فخر کارنامہ ہے کہ اس
 نے تمام ممالک محروسہ کے معذورنا کارہ اور اپانچ لوگوں کے روزیے مقرر کر کے انہیں
 بھیک مانگنے کی ممانعت کر دی۔ اندھوں کی رہنمائی اور اپاہجوں کی خدمت کے لیے
 آدمی مقرر کیے۔ (تاریخ الخلفاء ۳۲۳ و طبری ج ۸، ص ۱۲۷) یہ وہ کارنامہ ہے
 جس سے آج کل کی متمدن حکومتیں بھی عاجز ہیں۔

تعمیرات: ولید کو تعمیرات کا بڑا ذوق و شوق تھا۔ اس نے بہت سی عظیم الشان
 عمارتیں بنوائیں۔ کان شدید الشکف بالعمارات والانبیۃ والاتحاو
 المصانع والصیاع (آداب سلطانیہ ص ۱۱۴) ولید کے ذوقِ تعمیر اور اس کے عہد
 کی تعمیرات کی وجہ سے یہ مذاقِ اتنا عام ہو گیا تھا کہ جب لوگ آپس میں ملتے تھے تو
 عمارت ہی پر گفتگو ہوتی تھی۔ (طبری ج ۸، ص ۱۲۷)

مسجد نبوی کی تعمیر: یوں تو ولید نے بکثرت عمارتیں بنوائیں۔ اس کا
 سب سے بڑا تعمیر کا کارنامہ مسجد نبوی اور جامع دمشق کی تعمیر اور اس کی تزئین و آرائش
 ہے۔ ان دونوں مسجدوں کو اس نے بڑے حوصلے سے تعمیر کرایا اور ان کی تعمیر پر بے
 دریغ دولت صرف کی اور ان کی آرائش میں اس زمانہ کی تمام صنایاں ختم کر دیں۔
 ۸۸ھ میں اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو جو اس زمانہ میں مدینہ کے گورنر تھے
 لکھا کہ مسجد نبوی کی پرانی عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا جائے اور مسجد سے متصل
 امہات المؤمنین کے جو حجرے اور دوسرے مکانات ہیں، انہیں خرید کر مسجد کی عمارت

میں شامل کر دیا جائے۔ جو لوگ مکان بیچنے میں تامل کریں ان سے زبردستی لے کر ان کی قیمت ادا کر دی جائے اور جو قیمت نہ لے اس کی قیمت خیرات کر دی جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس حکم کی پوری تعمیل کی۔ طبری کا بیان ہے کہ اس کا رخیر میں کسی کوتاہی نہیں ہوا۔ سب نے قیمت لے کر مکانات دے دیے۔ فاجاب القوم السی الثمن فاعطاهم ایادہ (طبری ج۔ ۸ ص ۱۳۱۳ و خلاصۃ الوفاس ۹)۔ لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مکانات کے لینے میں جبر سے کام لینا پڑا۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر کے ارادہ کے ساتھ ہی ولید نے قیصر روم کو لکھا کہ ہم اپنے نبی ﷺ کی مسجد بنوانا چاہتے ہیں۔ تم سے جو سامان ہو سکے بھیجو۔ اس خط پر اس نے ایک لاکھ مثقال سونا چالیس گٹھے منبت کاری کا سامان اور بہت سے کاریگر بھیجے۔ اس کے علاوہ مدائن سے نقش و نگار کا سامان۔ (خلاصۃ الوفاس ۱۳۹) تعمیر کا سامان مہیا ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے قاسم بن محمد بن ابی بکر، سالم بن عبداللہ، ابوبکر بن عبدالرحمن، عبید اللہ بن عبداللہ، ابوبکر بن عبدالرحمن، عبید اللہ بن عبداللہ، خارجہ بن یزید اور عبداللہ بن عبداللہ بن عمرو وغیرہ علمائے مدینہ کی موجودگی میں پرانی عمارت گرا کر ان بزرگوں کے ہاتھوں سے نئی عمارت کی داغ بیل ڈلوائی۔ (طبری ج۔ ۸ ص ۱۲۷۴) اور بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے تعمیر کا کام شروع کر لیا۔ ایک ایک جھاڑ کے نقش پر کاریگر کو مزدوری کے علاوہ ۳۰ درہم انعام دیتے تھے۔ (خلاصۃ الوفاس ص ۱۳۹) صرف قبلہ رخ کی دیوار اور اس کی طائنی کے کام پر پینتالیس ہزار اشرفی صرف آیا تھا۔ (خلاصۃ الوفاس ۱۳۹ و ۱۴۰) اس سے پوری عمارت کے مصارف کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پوری عمارت پتھر کی تھی۔ تمام درو دیوار اور چھت پر طائنی کا کام اور اعلیٰ درجہ کی مینا کاری تھی۔ مسجد سے متعلق ایک فوارہ بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ تین سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی۔ ۹۱ھ میں ولید خود اس کے ملاحظہ کے لیے مدینہ گیا اور عمارت دیکھ کر خوشنودی ظاہر کی۔ فوارہ بہت پسند کیا، اس کی نگرانی کے لیے خدام مقرر

کیے اور اہل مسجد کو اس کا پانی استعمال کرنے کا حکم دیا۔ (ابن اثیر ج۔ ۱ ص۔ ۲۰۴) اور اس تعمیر کی خوشی میں اہل مدینہ میں نقد روپیہ اور طائنی و نفرتی ظروف تقسیم کیے۔ (کتاب العیون والحدائق ص۔ ۱۱)

جامع دمشق کی تعمیر: دوسری اہم تعمیر جامع اموی یا جامع دمشق ہے۔ اس کی تعمیر نہ صرف ولید کا بلکہ اس دور کا عظیم الشان تعمیر کار نامہ ہے۔ اس کی تعمیر میں بے دریغ دولت صرف ہوئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ ملک شام کا پورا سات برس کا خراج صرف ہوا تھا۔ (احسن التقاسیم بشاری ص۔ ۱۵۸) نقد کے حساب سے چھپن لاکھ اشرفی اس کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ (مسالک الابصار ج۔ ۱ ص۔ ۱۸۸)

اس کی تعمیر کے لیے ہندوستان، فارس، مغرب اور روم وغیرہ مختلف ملکوں سے کاریگر اور تعمیر کار سامان منگوایا گیا تھا۔ صرف جزیرہ قبرص سے اٹھارہ جہازوں پر سونا اور چاندی آیا تھا۔ قیصر روم نے علیحدہ منبت کاری کا سامان بھیجا تھا (احسن التقاسیم ص۔ ۱۵۸) سنگ مرمر اور سنگ ساق وغیرہ جن جن مقاموں کا مشہور تھا وہاں سے منگوایا گیا تھا۔ یہ سامان اتنا قیمتی تھا کہ پتھر کے بعض بعض ستونوں کی قیمت کئی کئی سو اشرفی تھی۔ (مسالک الابصار ج۔ ۱ ص۔ ۱۸۸) بارہ ہزار مزدور کام کرتے تھے اور پورے آٹھ یا نو سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی۔ (ایضاً کتاب البلدان ص۔ ۱۰۷) یہ اتنی وسیع تھی کہ بیک وقت بیس ہزار آدمی سما سکتے تھے۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی تھی جس میں مختلف رنگ کے پتھروں سے بونقلونی پیدا کی گئی تھی۔ درودیوار پر طائنی اور لاجوردی کام اور مختلف رنگوں کی منبت کاری تھی۔ نقش و نگار اور طغریٰ صنعتی نزاکت و نفاست کا بہترین نمونہ تھے۔ محرابوں میں تناسب کے ساتھ بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ چھت منقش ساج کی تھی۔ اوپر سے سیسہ کی چادر چڑھی ہوئی تھی۔ مسالک الابصار ج۔ ۱ ص۔ ۱۸۶)

خارجی تزئین و آرائش کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صرف چھ سو قدیلیں

سونے کی زنجیروں میں آویزاں تھیں۔ (کتاب البلدان ص-۱۰۸) غرض یہ عمارت عظمت و شان اور آرائش و زیبائش ہر لحاظ سے اس دور کے عجائبات میں تھی اور دنیا کی بڑی عمارتوں میں اس کا پانچواں نمبر شمار کیا جاتا تھا۔ (کتاب العیون والحدائق ص-۷۷ کتاب البلدان ص-۱۰۷)

دور دور سے لوگ اسے دیکھنے کے لیے آتے تھے اور متحیر ہوتے تھے۔ یہ مسجد سر سے پاؤں تک سونے چاندی اور جواہرات سے لپی ہوئی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے زمانہ میں اسے صرف بے جا سمجھ کر کل بیش قیمت سامان نکلوا کر بیت المال میں داخل کرنے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں روم کے قاصد آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے جامع دمشق کو دیکھ کر کہا کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا عروج چند روزہ ہے، لیکن اس عمارت کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مسلمان ایک زندہ رہنے والی قوم ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ (دول الاسلام ذہبی ج-۱ ص-۸) مورخین اور جغرافیہ نویسوں نے اس مسجد کے عجائب و نوادری بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔

دوسری مسجدیں : ان دونوں مسجدوں کے علاوہ ولید نے مکہ مدینہ اور بیت المقدس وغیرہ مقدس مقامات کی پرانی مسجدوں کی توسیع کرائی اور نئی مسجدیں تعمیر کرائیں۔ (کتاب العیون والحدائق ص-۹) اسی زمانہ میں قرہ بن شریک نائب السلطنت مصر نے جامع مصر تعمیر کرائی اور اسے آراستہ و پیراستہ کیا۔ (اس واقعہ کی تفصیلات ابن سعد ج-۶ ص-۱۸۴ و ابن خلکان ج-۱ ص-۲۰۵ و ۲۰۶ میں موجود ہے)

روضہ نبوی ﷺ کی مرمت : اس وقت روضہ مبارک کی کوئی بڑی عمارت نہ تھی۔ مزار مبارک صرف چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا۔ ولید کے زمانے میں دیواریں شکستہ ہو چکی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے چاروں طرف دوہری دیوار تعمیر کرا دی کہ اگر ایک کو

تفصیل اور گزند رکھتی ہے۔ اس کی پرائیویٹ زندگی بھی مذہبی تھی۔ دن میں ایک قرآن ختم کرتا تھا۔ (دول الاسلام ذہبی ج۔ ۱، ص۔ ۴۸) دوشنبہ اور پنجشنبہ کو پابندی کے ساتھ روزہ رکھتا تھا۔ رمضان میں روزہ داروں کے لیے کھانا بھجواتا تھا۔ (یعقوبی ج۔ ۱، ص۔ ۳۴۸) صلحاء اور اخیار میں روپیہ تقسیم کراتا تھا۔ (یعقوبی ج۔ ۱، ص۔ ۳۴۸) اپنے دور حکومت میں دو مرتبہ حج کیا۔ (دول الاسلام ذہبی ج۔ ۱، ص۔ ۴۸)

بھائیوں کے ساتھ سلوک : دوسرے اموی فرمانرواؤں کے برعکس ولید کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اس کا طرز عمل بہت مشفقانہ تھا۔ ان سے محبت کرتا تھا اور ان کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ (یعقوبی ج۔ ۲، ص۔ ۳۴۹) البتہ ایک مرتبہ اس نے سلیمان کے بجائے اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ بعض بڑے امراء نے بھی حمایت کی تھی، لیکن اس ارادے سے باز آ گیا۔ سخت گیری : ان تمام خوبیوں کے ساتھ اس میں ایک عیب یہ تھا کہ وہ بڑا سخت گیر تھا۔ اس سخت گیری کی وجہ سے ہزاروں آدمی قید و بند میں مبتلا ہوئے۔

سلیمان بن عبد الملک

(۹۶ھ تا ۹۹ھ مطابق ۷۱۴ء تا ۷۱۷ء)

سلیمان بن عبد الملک ولید کا حقیقی بھائی تھا۔ خود عبد الملک اسے ولید کے بعد ولی عہد بنا گیا تھا۔ اس لیے اس کی وفات کے بعد جمادی الثانی ۹۶ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

سلیمان فطرتاً صالح و سعید تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اس کے مشیر و ہم جلس تھے۔ ان کی صحبت نے اس کو اور زیادہ سنوار دیا تھا۔ اس لیے بعض حیثیتوں سے اپنے پیشروؤں سے زیادہ بہتر حکمران ثابت ہوا اور اس کی تخت نشینی کے ساتھ ہی اموی حکومت کی سیاست بدل گئی۔ جس کا اندازہ سلیمان کی پہلی ہی تقریر سے ہوتا ہے۔ تخت نشینی کے بعد اس نے سب سے پہلے یہ تقریر کی۔

”الحمد للہ! دنیا دھوکے کی جگہ اور باطل کا گھر ہے۔ رونے والے کو ہنساتی ہے اور ہنسنے والے کو رلاتی ہے۔ بے خوف کو خوف زدہ کرتی ہے اور خوفزدہ کو امن دیتی ہے۔ دولت مند کو محتاج کرتی ہے اور محتاج کو دولت مند بناتی ہے۔ اہل دنیا کو مائل کرنے والی، دھوکہ دینے والی اور ان کے ساتھ کھیلنے والی ہے۔“

”عبدا اللہ! کتاب اللہ کو اپنا پیشوا بناؤ اور اس کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ اسے اپنا راہنما مانو کہ وہ اپنے ماقبل کتابوں کی ناخ ہے اور خود اس کو کسی کتاب نے منسوخ نہیں کیا۔“

”عبدا اللہ! یہ قرآن، شیطان کے مکر کو اس طرح کھول دیتا ہے، جس طرح صبح صادق کی روشنی رات کی تاریکی کو دور کر دیتی ہے۔“ (مسعودی ج ۲، ص ۶۶۰ و کتاب البیان والتبيين ج ۱، ص ۱۶۶)

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ اس کے مشیر تھے اس لیے عملی طور پر بھی اس کے محاسن کا ظہور ہوا۔ چنانچہ تخت نشینی کے ساتھ ہی احسن السیرۃ و رد المظالم (ابو الفدا ج ۱، ص ۲۳) ولید کے دور کے تمام قیدیوں کو جو ناحق قید کیے گئے تھے رہا کر دیا اور جیل خانے بالکل خالی ہو گئے۔ (ابن اثیر ج ۵، ص ۱۴)

لیکن اس خوبی کے ساتھ سلیمان میں انتقام کا مادہ تھا، چنانچہ جن جن لوگوں سے ولی عہد کے زمانے میں اس کو کسی قسم کی شکایت تھی۔ ان کا انجام اچھا نہ ہوا، جن میں بعض بڑے بڑے فاتحین اور اموی حکومت کے ستون اعظم تھے۔ اس سے حکومت کی عسکری قوت کو نقصان پہنچا۔ اس کے دور میں اس کے محاسن اور انتقام دونوں کے مظاہر ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔

قتیبہ بن مسلمہ کی بغاوت اور اس کا قتل: اس کی تخت نشینی کے بعد ہی قتیبہ بن مسلمہ فاتح ترکستان کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ گو اس کے قتل کو سلیمان سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن اس کا سلسلہ بھی اسی سے ملتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ

ہے کہ سلیمان ولیدی دور کے تمام جابر عمال خصوصاً حجاج اور اس کے ماتحت حکام کے جن میں ایک قتیبہ بھی تھا، سخت مخالف تھا۔ پھر ان دونوں نے سلیمان کی ولی عہدی سے اخراج کی تجویز میں ولیدی کی تائید کی تھی۔ (کتاب العیون والحدائق ص ۲۲) اس لیے ان دونوں کے ساتھ اس کو دوہری مخالفت تھی۔ حجاج کا انتقال ولیدی کے دور میں ہو چکا تھا۔ البتہ اس کے ماتحت حکام اور قتیبہ باقی تھے چنانچہ جب اس نے حجاج کے زمانہ کے مظالم کی اصلاح و تلافی کی طرف توجہ کی رہم سلیمان فی اصلاح ما انسده الحجاج (کتاب العیون والحدائق ص ۲۲) تو اس کے ماتحت حکام کی واروگیر شروع ہوئی۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۳۵۴) گو اس سلسلہ میں سلیمان نے قتیبہ سے کوئی مواخذہ نہیں کیا تھا، لیکن اس کا رخ دیکھ کر خود قتیبہ کو اس کی جانب سے خوف پیدا ہو گیا اور اسے سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہ سلیمان اسے خراسان کی ولایت سے معزول کر کے اس کے حریف مقابل یزید بن مہلب کو جسے وہ بہت مانتا تھا، خراسان کا والی نہ بنا دے۔ چنانچہ پہلے اس نے سلیمان کو کئی خط لکھے جس میں اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور سرزمین عجم میں اپنی خدمات کی تفصیل اور اہل عجم میں اپنی دھاک لکھ کر اخیر میں دھمکی دی کہ اگر یزید بن مہلب کو اس کی جگہ مقرر کیا گیا تو وہ علم بغاوت بلند کر دے گا۔ سلیمان نے اس دھمکی پر بھی اس کے ساتھ طرز عمل نہیں بدلا، بلکہ خراسان کی حکومت کا پروانہ اس کو بھیج دیا، لیکن قتیبہ کو اس سے بدگمانی اتنی تھی اور اپنی طاقت اور اپنے ماتحت قبائل کی اطاعت کیشی پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے سلیمان کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا اور حکومت کا پروانہ ملنے سے پہلے علم بغاوت بلند کر دیا اور اپنے ماتحتوں کو فسخ بیعت پر ابھارا، لیکن خلاف توقع کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر وہ جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور قبیلہ بنی تمیم پر سخت برہمی ظاہر کی۔ اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ خود قبیلہ بنی تمیم اس سے بگڑ گیا اور کج بن الاسود تمیمی کو سردار بنا کر قتیبہ کے مقابلہ میں آ گیا۔ کئی ہزار اہل عجم نے بھی ساتھ دیا۔ دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ قتیبہ کی قوت کمزور تھی۔ اس نے شکست

کھائی، وہ خود اس کے بھائی اور لڑکے مارے گئے اور اس کا سر قلم کر کے سلیمان کے پاس بھجوا دیا گیا۔ قتیبہ کے قتل کے بعد سلیمان نے یزید بن مہلب کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ (طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں اس معرکہ کی تفصیلات بہت طویل ہیں، ہم نے خلاصہ لکھا ہے)

محمد بن قاسم کی گرفتاری اور قتل : محمد بن قاسم اس زمانہ میں سندھ کی مہمات میں مشغول تھا، چنانچہ ملتان کی فتح کے بعد جس کا حال ولید کے دور میں گزر چکا ہے۔ اس نے بیاناں در سرست (سورٹھ) کے علاقوں کو مطیع کیا اور کیرج (جے پور) کے راجہ کو شکست دی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۵)

محمد بن قاسم صالح نوجوان تھا۔ اس نے سندھ فتح کیا۔ وہاں اچھے اثرات پیدا کیے۔ عادلانہ نظام حکومت قائم کیا، لیکن وہ حجاج کا بھتیجا تھا۔ اس لیے عتاب سے نہ بچ سکا، چنانچہ سلیمان نے اسے معزول کر دیا اور اس کی جگہ یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے عراق بھیج دیا۔ صالح بن عبدالرحمن یہاں کا والی تھا۔ اس کے بھائی آدم کو جو خارجی تھا، حجاج نے قتل کیا تھا۔ صالح نے اس کا انتقام محمد بن قاسم سے لیا اور اسے قید میں طرح طرح کی تکلیفیں دے کر قتل کر دیا۔ اہل سندھ پر محمد بن قاسم کی خوبیوں کا اتنا اثر تھا کہ وہ اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور اہل کیرج نے اظہار عقیدت کے لیے اس کی تصویر بنا کر رکھی (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۶ و ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲۳)

موسیٰ بن نصیر پر عتاب : اس سے بھی زیادہ افسوسناک واقعہ موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس کا ہے۔ تمام مورخین بالاتفاق اس واقعہ کی صورت یہ لکھتے ہیں کہ ”موسیٰ بن نصیر جس وقت اندلس سے واپس ہوا۔ اس وقت ولید مرض الموت میں مبتلا ہو چکا تھا اور اس کی حالت مایوس کن تھی۔ اس لیے سلیمان نے چاہا کہ اندلس کی بے کراں دولت اس کی تحت نشینی کے بعد دمشق پہنچے چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر کو جو ابھی راستہ میں تھا، لکھ

دوسری طرف اس داد و دہش میں اندلس کے مال غنیمت کا معتد بہ حصہ صرف ہو گیا۔

(۲) سلیمان اور موسیٰ میں جو گفتگو ہوئی، وہ بھی کچھ خوش گوار نہ تھی۔ موسیٰ نے اپنے ایک لڑکے عبد العزیز کو اندلس کا اور دوسرے لڑکے عبداللہ کو پورے شمالی افریقہ کا والی بنا دیا تھا۔ سلیمان کو سیاسی نقطہ نظر سے ایک ہی گھر میں شمالی افریقہ سے لے کر فرانس کی حد تک کی حکومت پسند نہ آئی۔ اس نے موسیٰ سے کہا کہ اب تم اتنے مغرور ہو گئے (یعنی تمہارے بیٹوں کے علاوہ کوئی اور حکومت کا اہل نہ تھا۔ موسیٰ نے جواب دیا۔ امیر المومنین میرے لڑکوں نے اندلس، میورقہ، منورقہ، سردانیہ اور سوس اقصیٰ کو زیر نگیں کیا۔ اس لیے مجھ سے زیادہ معزز کون ہو سکتا ہے۔ سلیمان کو اس کا یہ جواب ناگوار ہوا۔

(۳) تیسرا سبب یہ تھا کہ طارق بن زید کو موسیٰ سے شکایت تھی۔ اس لیے سلیمان کو اس کے خلاف بھڑکایا، اگرچہ موسیٰ بڑا متدین اور صالح امیر تھا۔ اس کے متعلق کسی خیانت کا شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا، لیکن اس بارے میں طارق جیسے شخص کی شہادت جو اندلس کی مہمات میں برابر اس کے ساتھ رہا تھا، نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھی۔ پھر موسیٰ کی زندگی بڑی امیرانہ تھی۔ اس کے ہزاروں غلام تھے۔ ان سب سے بڑھ کر سلیمان کے دل میں پہلے سے اس کی جانب سے غبار تھا۔ ان اسباب کی بنا پر اس کے دل میں اور زیادہ بدگمانی پیدا ہو گئی۔ (فتح الطیب ج۔ ۱، ص ۱۳۲)

بحیثیت تاریخ نگار کے ان تمام واقعات کا لکھ دینا ضروری تھا، ورنہ درحقیقت ان میں سے کوئی واقعہ ایسا نہیں جو موسیٰ کے ساتھ سلیمان کے طرز عمل کے جواز کے لیے کافی ہو۔ یہ دھبہ بہر حال اس کے دامن پر ہے۔ گو کسی مورخ نے تصریح کے ساتھ نہیں لکھا ہے، لیکن مختلف مقدمات و واقعات کو پیش نظر رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سلیمان کے اس طرز عمل کا ایک سبب اموی عمال کے زور کو جو حکومت پر چھائے ہوئے

تھے، توڑنا بھی تھا۔ حجاج اور اس کے ماتحت عمال کی خود سری اور ان کے مظالم کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ ان کے اعمال و افعال پر عام طور سے کوئی احتساب و مواخذہ نہ تھا۔ گو موسیٰ ان عمال میں نہ تھا، لیکن وہ بھی ناکردہ گناہ، اس زد میں آ گیا۔

عبدالعزیز بن موسیٰ کا قتل : موسیٰ کا لڑکا عبدالعزیز والی اندلس شجاعت و شہامت میں باپ کا خلف الصدق تھا۔ باپ کے ساتھ اس ناپسندیدہ طرز عمل کے بعد بیٹے سے وفاداری کی امید رکھنا، اصول سیاست کے خلاف تھا، لیکن قبل اس کے کہ سلیمان عبدالعزیز کی جانب توجہ کرتا۔ خود عبدالعزیز کی فوج نے اس کی ایک لغزش پر اسے قتل کر دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبدالعزیز نے راڈرک کی بیوہ سے شادی کی تھی، جو اس پر بہت حاوی ہو گئی تھی۔ اس نے عبدالعزیز سے پوچھا کہ اس کے سابق شوہر کی طرح رعایا اس کو سجدہ کیوں نہیں کرتی۔ عبدالعزیز نے جواب دیا یہ ہمارے مذہب میں حرام ہے، لیکن بیوی سے مرعوب زیادہ تھا۔ اس کے دل میں اپنا وقار قائم رکھنے کے لیے اپنی شنگاہ میں ایک چھوٹا سا دروازہ بنوایا، جس میں بغیر جھکے ہوئے کوئی شخص اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا اور بیوی کو سمجھا دیا کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے جھکتے ہیں۔ فوج کو اس کی خبر ہوئی تو وہ عبدالعزیز سے بگڑ گئی اور اسے قتل کر دیا۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۲۰) بعض روایتوں میں ہے کہ اس کے قتل میں سلیمان کا ہاتھ بھی تھا۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ بیوی کے اصرار سے اس نے تاج بنوایا تھا، جسے خلوت میں پہنتا تھا۔ اس کی فوج نے اس سے یہ سمجھا کہ وہ بیوی کی محبت میں نصرانی ہو گیا ہے، اس لیے اس کو قتل کر دیا۔ فقالوا تنصر ثم هجموا عليه فقتلوه (البیان المغرب ج ۱، ص ۵۴ ترجمہ اردو)

فتوحات : سلیمان کے دور میں بعض فتوحات بھی حاصل ہوئیں۔ جرجان اور طبرستان کے علاقے پہاڑی اور دشوار گزار تھے، کوئی شخص ان پر فوج کشی کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عثمان ؓ کے زمانہ میں ایک الوالعزم بہادر سعید بن العاص نے فوج

کشی کی تھی، لیکن فتح نہ کر سکے تھے۔ البتہ مصالحت کے ذریعہ خراج وصول کر لیا تھا، لیکن ادھر عرصہ سے دونوں علاقوں نے خراج روک کر خراسان کا راستہ بند کر دیا تھا۔ قتیبہ کے بعد جب یزید بن مہلب خراسان کی ولایت پر مامور ہوا تو ۹۸ھ میں اس نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ جرجان پر فوج کشی کی اور سب سے پہلے قہستان کا محاصرہ کیا۔ یہ علاقہ بالکل پہاڑی تھا۔ قہستانی پہاڑی قلعوں سے نکل کر لڑتے تھے اور جب کمزور پڑ جاتے تھے تو پھر پہاڑیوں میں گھس جاتے تھے اس لیے زور نہ چلتا تھا۔ یزید نے ناکہ بندی کر کے رسد پہنچنے کا راستہ بند کر دیا۔ اس سے قہستانی بے بس ہو کر صلح پر مجبور ہو گئے اور یزید نے شہر میں داخل ہو کر بڑی دولت حاصل کی اور بہت سے آدمی گرفتار کئے۔

قہستان کے بعد جرجان کا رخ کیا۔ یہاں کے باشندے قہستان کا انجام دیکھ کر ڈر گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے خود پیش قدمی کر کے صلح کر لی اور سامان رسد سے اسلامی فوج کی مدد کی۔ اس سے یزید کا حوصلہ اور بڑھا اور وہ عبداللہ بن عمر شکری کو چار ہزار مسلمانوں کے ساتھ جرجان میں چھوڑ کر طبرستان کی طرف بڑھا۔ یہاں کے حاکم نے بھی تاب مقابلہ نہ پا کر صلح کا پیام بھیجا، لیکن یزید پر فتح کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ اس نے صلح کرنے سے انکار کر دیا اور خود طبرستان کی طرف بڑھ گیا اور اپنے بھائی ابو عینیہ اور اپنے لڑکوں کو فوج دے کر آگے روانہ کر دیا۔ حاکم طبرستان مجبور ہو کر مقابلہ میں آیا۔ پہاڑ کے دامن میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ حاکم طبرستان نے شکست کھائی اور طبرستانی پہاڑیوں میں بھاگ گئے۔ ابو عینیہ نے ناقبت اندیشی سے پہاڑ کی چڑھائی پر تعاقب کیا۔ شکست خوردہ طبرستانیوں نے اوپر پہنچ کر تیر اور پتھر برسنا شروع کر دیئے۔ مسلمان نیچے تھے اس لیے وہ کوئی جواب نہ دے سکے اور بہت سے آدمی پہاڑ سے گر کر ضائع ہوئے، جو بچ رہے وہ کسی نہ کسی طرح یزید کے پاس پہنچے۔ اس کامیابی کے بعد حاکم طبرستان نے حاکم جرجان سے خط و کتابت کر کے جرجان میں بغاوت کرا دی۔ ان لوگوں نے شیخون مار کر چار ہزار مسلمانوں کو جو جرجان میں تھے قتل کر دیا اور جرجان

اور خراسان کے درمیان راستہ بند کر دیا کہ مسلمانوں کو خراسان سے مدد نہ مل سکے۔ دوسری طرف حاکم طبرستان نے بھی ناکہ بندی کر دی اور مسلمان ہر طرف سے محصور ہو گئے۔ اسلامی فوج میں عجمی مسلمان بھی تھے۔ یزید نے ایک عجمی حیان بنطی سے کہا کہ اس مصیبت سے رہائی کی تم ہی کوئی صورت نکالو۔ طبرستان جا کر وہاں کے باشندوں کو کسی طرح مصالحت پر آمادہ کرو، گو وہ عجمی تھا لیکن خود مسلمان اور مسلمانوں کا خیر اندیش تھا۔ اس نے طبرستان جا کر یہاں کے حاکم سے کہا کہ اگرچہ مذہب نے ہم دونوں کو جدا کر دیا ہے، لیکن میں تمہاری ہی قوم کا کافر ہوں اور تمہارا خیر خواہ بھی۔ یزید نے خراسان سے فوجیں طلب کی ہیں جن کا مقابلہ تمہارے بس سے باہر ہے، اس لیے میرا مشورہ ہے کہ فوراً صلح کر لو اس سے تم لوگ محفوظ ہو جاؤ گے اور یزید کے انتقام کا رخ جرجان کی طرف پھر جائے گا۔ حاکم طبرستان کی سمجھ میں آ گیا، اس نے بہت نقد و جنس دے کر صلح کر لی۔ طبرستان کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد یزید نے جرجان کے باغیوں کا محاصرہ کیا۔ یہ لوگ حسب دستور پہاڑیوں سے نکل کر مقابلہ کرتے تھے اور پھر قلعوں میں گھس جاتے تھے۔ قلعوں میں پہنچنے کا راستہ معلوم نہ تھا۔ اس لیے کئی مہینے تک کامیابی کی کوئی صورت نہ نکلی۔ پھر اتفاق سے اسی نواح کا ایک واقف کار مل گیا۔ اس نے جا کر قلعہ تک پہنچا دیا۔ یہاں پہنچتے ہی ایک طرف سے یزید نے اور دوسری طرف سے خالد بن یزید نے حملہ کر دیا۔ اہل قلعہ بالکل مطمئن تھے، انہیں اس کا گمان بھی نہ تھا۔ اس لیے وہ اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور پسپا ہو کر قلعے میں گھس گئے۔ یزید نے محاصرہ کر لیا۔ محصورین کے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی۔ یزید نے ان سے مسلمانوں کے قتل کا پورا پورا بدلہ لیا اور ان کی قوت بالکل توڑ دی اور آئندہ بغاوت کے خطرہ کے انسداد کے لیے شہر جرجان بسا کر مسلمانوں کی آبادی قائم کی اور جزم بن قیس کو یہاں کا حاکم بنا کر خراسان واپس ہوا (ابن اثیر ج ۵، ص ۱۱۱ تا ۱۳ ملخصاً)

قسط۔نطنیہ پر حملہ اور ناکامی : اس دور کا ایک اہم اور تاریخی واقعہ بازنطینی حکومت کے پایہ تخت قسطنطنیہ پر حملہ ہے۔ یہ حکومت مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف تھی۔ دونوں حکومتوں کی سرحدیں کئی مقامات پر ملتی تھیں۔ مسلمانوں کے بہت سے مقبوضات بحر روم کے ساحل پر تھے۔ اس لیے ان دونوں میں ہمیشہ کسی نہ کسی سرحد پر معرکہ آرائی رہتی تھی۔ امیر معاویہ ؓ نے اپنے زمانہ میں اس کے مقابلہ کے لیے ”صافقہ“ کے نام سے ایک مستقل فوج قائم کر دی تھی۔ جو ہر سال گرمیوں کے موسم میں رومیوں سے برسر پیکار رہتی تھی۔ انہی کو سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے رومیوں کی قوت توڑ دی جائے اور مسلمانوں کے لیے یورپ کا دروازہ کھول دیا جائے، چنانچہ ۴۹ھ میں انہوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، لیکن یہ مہم ناکام رہی تھی۔ اس کے بعد کسی خلیفہ نے ادھر توجہ نہ کی، لیکن رومیوں سے آویزش کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

سیمان کے زمانہ میں قسطنطنیہ کی اندرونی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ نسطاس دوم ANASTASIAS-II کے زمانہ میں جو خانہ جنگی اور طوائف الملوک کی پیا ہو گئی تھی، اس کا سلسلہ تیدوس سوم THEOPORVIUS-III تک برابر قائم تھا۔ (اس کی تفصیل انگریزی اور عربی دونوں تاریخوں میں ہے) اس لیے سیمان کو پھر قسطنطنیہ کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ۹۸ھ میں اس نے بڑے اہتمام سے فوج کشی کی تیاریاں کیں۔ تمام ممالک محروسہ سے فوجیں جمع کیں اور ہر طرح کے آلات حرب، قلعہ شکن اسلحہ، آتش گیر مادے اور سامان رسد کے ذخیرے فراہم کر کے اپنے بھائی مسلمہ کو ایک جہاز لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا۔ قسمرین تک خود پہنچانے کے لیے گیا اور مسلمہ کو رخصت کرنے کے بعد فوج کی خبر گیری اور امداد کے لیے زابق میں ٹھہر گیا اور اس مہم کے انجام تک برابر یہاں مقیم رہا۔ (کتاب العیون والحدائق) مسلمہ بری اور بحری دونوں سمتوں سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھا۔ بحری بیڑہ بحر اسود کی سمت روانہ ہوا

اور خود مسلمہ خشکی کے راستے سے ایشیائے کوچک ہوتا ہوا بڑھا۔ عموریہ میں لیون LEON-III جو آگے چل کر قسطنطنیہ کے تاج و تخت کا مالک ہوا۔ اس سے ملا اور وعدہ کیا کہ وہ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ کرا دے گا۔ (لیون ابتدا میں اناطولیہ کا معمولی باشندہ تھا۔ شام میں اس کی پیدائش ہوئی تھی۔ عرب مورخین اسے عموریہ کا بطریق لکھتے ہیں۔ طوائف الملوکی کے زمانہ میں قسطنطنیہ پہنچا۔ آدمی حوصلہ مند تھا۔ اپنی بہادری اور کارناموں سے بڑا نام پیدا کیا اور وسط اس کے زمانہ میں مشرقی فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔ پھر تیدوس کے پر آشوب دور میں اسے تاج و تخت کی ہوس پیدا ہوئی۔ لیکن شاہی خاندان سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لیے اس آرزو کا ہونا پورا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے مسلمہ کو ابھارا اور قسطنطنیہ پر قبضہ کرا دینے کا وعدہ کیا۔ اس لیے کہ تیدوس میں کوئی دم نہ تھا۔ وہ اندرونی نظام سنبھالنے سے عاجز تھا اور لیون اپنے کارناموں سے کافی نام اور رسوخ پیدا کر چکا تھا۔ اس لیے مسلمہ کے حملہ ہی کی صورت میں اس کی کامیابی کا امکان تھا، لیکن انگریزی مورخین نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ ان کے بیان کے مطابق لیون ہی کے زمانہ حکومت میں مسلمانوں کا حملہ ہوا تھا اور اسی نے مدافعت کی (چنانچہ مسلمہ عموریہ سے اس کی راہنمائی میں قسطنطنیہ پہنچا۔ اس درمیان میں بحری بیڑا بھی پہنچ گیا تھا۔ مسلمہ نے خشکی اور تری دونوں سمتوں سے محاصرہ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ بند کر دیا کہ باہر سے اہل شہر کو آمد نہ پہنچنے پائے اور وہ مجبور ہو کر سر اطاعت خم کر دیں۔ مسلمہ اس عزم کے ساتھ آیا تھا کہ وہ بغیر قسطنطنیہ کو فتح کیے واپس نہ جائے گا۔ اس لیے سامان رسد کا کافی ذخیرہ ساتھ لایا تھا، پھر احتیاطاً اس پاس کی افتادہ زمینوں میں کھیتی کرا دی کہ اگر محاصرہ طول کھینچے تو سامان رسد کی کمی نہ ہونے پائے۔ اس اہتمام کے ساتھ کئی مہینے محاصرہ قائم رہا۔ اس درمیان میں برابر بحری اور بری جنگ ہوتی رہی۔ اہل قسطنطنیہ کچھ دنوں تک مدافعت کرتے رہے، پھر مسلمانوں کے عزم کو دیکھ کر مصالحت کے لیے آمادہ ہو گئے، لیکن مسلمہ نے انکار کر

دیا۔ تیدوس سوم بالکل نا اہل تھا۔ اس میں حکومت کا اندرونی نظام سنبھالنے کی بھی
 اہلیت نہ تھی۔ اس لیے اہل قسطنطنیہ مجبور ہو کر لیون سے جس کی شجاعت کا کافی شہرہ ہو
 چکا تھا۔ امداد کے طالب ہوئے۔ ایک بیان یہ ہے کہ خود لیون نے کہا، بھیجا کہ اگر تاج
 و تخت اس کے حوالے کر دیا جائے تو وہ قسطنطنیہ سے مسلمانوں کو ہٹا دے گا۔ ادھر اس
 نے مسلمہ کو یقین دلارکھا تھا کہ اگر اسے قسطنطنیہ کی حکومت مل گئی تو وہ اس کی اطاعت
 قبول کر لے گا اور قسطنطنیہ کا خزانہ اس کے حوالہ کر دے گا۔ اس لیے مسلمہ اس کے اور
 اہل قسطنطنیہ کے درمیان نامہ و پیام میں مزاحم نہ ہوا، بلکہ ہر طرح اس کی حمایت کی۔
 تیدوس کی نا اہلی کی وجہ سے رومیوں نے لیون کی شرط منظور کر لی اور اسے بلا کر حکومت
 حوالہ کر دی۔ (جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ یہ عربی مورخین کا بیان ہے۔ ابن اثیر
 ج ۴، ص ۱۰۔ او کتاب العیون والحدائق ص ۳۳) لیون کی خوش قسمتی سے اس کی تخت
 نشینی کے بعد ہی قدرت کی جانب سے مسلمانوں کی شکست کے سامان پیدا ہو گئے۔
 عرب یورپ کی سردی کے یوں بھی عادی نہ تھے۔ اتفاق سے اس سال غیر معمولی
 بر فباری اور سردی ہوئی، جس کا مسلمان تھل نہ کر سکے اور ہزاروں آدمی بیمار پڑ کر مر
 گئے۔ محاصرہ کی طوالت کی وجہ سے سامان رسد بھی ختم ہو چلا تھا۔ کھیتی کچھ بر فباری کی
 کثرت نے برباد کر دی اور کچھ جنگی مشغولیت کی وجہ سے مسلمان دیکھ بھال نہ کر
 سکے۔ اس لیے سامان رسد کا سخت قحط پڑ گیا اور مسلمان بھوکے مرنے لگے۔ سلیمان
 ایشیائے کوچک کی سرحد پر موجود تھا، لیکن بر فباری کی کثرت کی وجہ سے وہ بھی مدد نہ کر
 سکا اور ہزاروں مسلمان لقمہ اجل ہو گئے۔ یہ مصیبت تھی ہی، اس پر مستزاد یہ ہوا کہ
 بلقانیوں نے اڈریا نوپل کی اسلامی فوج کو برباد کر دیا۔ (یہ واقعات ابن اثیر کتاب
 العیون والحدائق اور دی اسٹوری آف دی نیشنز کے بیان کا خلاصہ ہیں) ان مخالف
 حالات کی وجہ سے اسلامی فوج کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ جو لوگ باقی بچے وہ طرح
 طرح کے مصائب کا شکار ہوئے۔ اسی دوران میں سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے

انتقال کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے امداد بھیج کر باقی ماندہ فوجوں کو واپس بلا لیا۔ اگر یہ مہم ناکام نہ ہوئی ہوتی تو مشرقی یورپ میں اسی زمانہ میں مسلمان پہنچ گئے ہوتے۔

عصا لنت‘ ولی عہدی اور وفات : سلیمان وابق میں مقیم تھا کہ یہیں مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت تک ولی عہدی کا فیصلہ نہ ہوا تھا۔ جب حالت زیادہ خراب ہوئی، تو اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ولی عہد نامزد کیا۔ محدث رجاء بن حیوةؓ ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا ”خليفة ایسے صالح شخص کو بنانا چاہیے کہ قبر میں امن حاصل رہے۔“ سلیمان خود بھی صالح تھا اس لیے رجاء کے کہنے سے وہ اس مسئلہ پر غور کرنے لگا اور دو دن کے بعد وصیت نامہ چاک کر ڈالا اور رجاء بن حیوةؓ سے پوچھا کہ ”میرے لڑکے داؤد کے بارے میں کیا رائے ہے؟“ انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت قسطنطنیہ کی مہم میں ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ زندہ بھی ہیں یا مر گئے۔ (قسطنطنیہ کی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا تھا) سلیمان نے کہا پھر کیا رائے دیتے ہو؟ رجاء نے کہا اصل رائے تو آپ کی ہے آپ نام لیجئے میں غور کروں گا۔ (ایک روایت یہ ہے کہ خود رجاء نے عمر بن عبدالعزیزؓ کا نام پیش کیا تھا) سلیمان نے پوچھا عمر بن عبدالعزیزؓ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ رجاء نے عرض کیا، میرے نزدیک وہ نہایت فاضل اور برگزیدہ مسلمان ہیں۔ سلیمان نے کہا واللہ! میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن اگر میں عبدالملک کی اولاد کو بالکل نظر انداز کر کے ان کو خلیفہ بنا دوں تو بڑا فتنہ پیا ہو جائے گا اور وہ لوگ ان کو خلافت پر قائم نہ رہنے دیں گے۔ اس لیے عمر بن عبدالعزیزؓ کو خلیفہ اور عبدالملک کو ولی عہد نامزد کرتا ہوں۔ اس سے وہ لوگ مطمئن ہو جائیں گے اور عمر بن عبدالعزیزؓ کی خلافت مان لیں گے۔ رجاء نے بھی اس کی تائید کی اور اسی وقت سلیمان نے خود اپنے قلم سے یہ وصیت نامہ لکھا:

”بسم الله الرحمن الرحيم“ یہ تحریر اللہ کے بندے سلیمان امیر المومنین کی جانب سے عمر بن عبدالعزیزؓ کے لیے ہے، میں نے اپنے بعد تم کو خلیفہ بنایا اور

تمہارے بعد یزید بن عبد الملک کو، مسلمانوں ان کا کہنا سننا، ان کی اطاعت کرنا، اللہ سے ڈرنا۔ آپس میں اختلاف نہ پیدا کرنا کہ دوسرے تم پر حرص و طمع کی نگاہ ڈالیں۔“

اس وصیت نامہ پر مہر کر کے رجاء کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ وہ اہل خاندان کو جمع کر کے بغیر نام ظاہر کیے ہوئے ان سے نامزد کردہ خلیفہ کی بیعت لے لیں۔ انہوں نے فوراً اس کی تعمیل کی۔ سب نے بالاتفاق سمعنا و اطعنا کہا، اس کے بعد پھر سب کے سب سلیمان کو دیکھنے کے لیے گئے۔ اور ان کے سامنے سب نے فرداً فرداً بیعت کی۔ (یہ تفصیلات ابن سعد ج ۵ ص ۲۲۷-۲۲۸ سے ماخوذ ہیں) اس مرحلے سے فراغت کے بعد مقررہ ۹۹ھ میں سلیمان کا انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت پچیس سال کی عمر تھی مدت خلافت دو سال آٹھ مہینے۔

اولاد : انتقال کے بعد دس لڑکے یا دو گار چھوڑے۔ یزید، قاسم، سعید، عثمان، عبد اللہ، عبد الواحد، حارث، عمرو، عمر اور عبد الرحمن۔

سلیمانی دور پر تبصرہ

سلیمان کا دور بیرونی فتوحات کے لحاظ سے کچھ زیادہ کامیاب نہیں تھا، لیکن اندرونی اصلاحات کے اعتبار سے بہت ممتاز ہے۔ اس کے زمانے میں اموی حکومت رقبہ کی وسعت اور تمدنی ترقی کے لحاظ سے اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ ان دونوں پہلوؤں پر توجہ کی چنداں حاجت نہ تھی، بلکہ اب اس کے مفاسد کی اصلاح کی ضرورت تھی۔ اس لیے سلیمان کی توجہ زیادہ تر اسی جانب رہی۔ خود بھی مصلحانہ خیالات رکھتا تھا، پھر عمر بن عبد العزیز اس کے وزیر و مشیر تھے۔ اس لیے تحت نشینی کے ساتھ ہی اس نے اصلاحات شروع کر دیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل اصلاح اموی عمال تھے۔ جنہوں نے اپنے مظالم و مطلق العنانی سے اموی خاندان کو بدنام کر رکھا تھا۔ خود خاندان کچھ ایسے جابر و ظالم نہ تھے، بلکہ عام دنیاوی حکمرانوں کی طرح ان میں اچھے بھی تھے، برے بھی۔ ممکن ہے کہ ان سے کچھ ظالمانہ افعال سرزد ہوئے ہوں اور ضرور ہوئے، لیکن جیسا کہ

عام طور سے شہرت ہے۔ ظلم ان کی خصوصیت نہ تھی۔ اس شہرت کا اصل سبب یہ ہے کہ ان کے بعض عمال خصوصاً حجاج اور اس کے ماتحت حکام ظالم اور مطلق العنان تھے اور خائفاء ان کی مطلق العنانی کا بہت کم تر کر کرتے تھے۔ اس لیے ان کے مظالم بھی ان کی طرف منسوب ہو گئے۔ سلیمان نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا۔ اس لیے تخت نشینی کے ساتھ ہی اس نے عمال کا مواخذہ و احتساب شروع کر دیا۔ اس کے دور سے پہلے جو لوگ ناحق قید کیے گئے تھے سب کو رہا کر دیا۔ جلاوطن اشخاص کو واپسی کی اجازت دے دی۔ اس سلسلہ میں اتنے قیدی رہا کیے گئے کہ قید خانے خالی ہو گئے۔

حجاج خود مرچکا تھا، لیکن اس کے ماتحت عمال موجود تھے۔ سلیمان نے ان میں سے اکثر کو معزول کر دیا اور بعض کو سزائیں دیں۔ اس میں اتنی وسعت اور شدت برتی کہ اچھے برے عمال میں بھی امتیاز نہیں کیا، چنانچہ حجاج کے متعلقین کے سلسلے میں محمد بن قاسم سندھ فاتح بھی نا کردہ گناہ کی زد میں آ گیا۔

جیسا کہ میں نے اوپر بھی لکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ موسیٰ بن نصیر کے ساتھ بھی جو سلوک ہوا، وہ درحقیقت اسی جذبہ کا نتیجہ تھا۔ سلیمان اس کی مطلق العنانی گوارا نہ کر سکا، گو وہ نا کردہ گناہ اس کے عتاب کا شکار ہوا، لیکن اس کا ایک بڑا سبب موسیٰ کی مطلق العنانی تھی۔

مذہبسی اصلاحات : سلیمان نے بعض خالص مذہبی اصلاحات بھی کیں۔ اموی خائفاء نماز عموماً تاخیر سے پڑھا کرتے تھے۔ سلیمان نے اول وقت کا اہتمام کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۶)

مکہ میں چشمہ کا اجراء : ان اصلاحات کے ساتھ اس نے اور بہت سے مفید کام کیے۔ مکہ میں بیٹھے پانی کی بڑی قلت تھی۔ سلیمان نے آب شیریں کا ایک چشمہ جاری کرایا۔ یہ چشمہ خالد بن عبداللہ والی مکہ کے زیر نگرانی تعمیر ہوا۔ اس کے لیے کوہ ثبیر کے دامن میں ایک بڑا سنگی تالاب بنایا گیا تھا، اور اس سے سیسہ کے نل کے

ذریعہ حرم میں پانی لایا گیا تھا، جو رکن و زمزم کے درمیان سنگ رخام کے فوارے میں گرتا تھا۔ اس کے افتتاح کی تقریب میں خالد نے تمام اہل مکہ کی دعوت کی۔ اس چشمہ کی وجہ سے مکہ میں میٹھے پانی کی افراط ہو گئی، گو زمزم کے مقابلہ میں اس کو مقبولیت نہ ہوئی۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۳۵۲)

رملہ کی آبادی : شام میں ایک شہر رملہ آباد کیا۔ ولید کے زمانے میں جب کہ وہ فلسطین کا حاکم تھا، اسے رملہ کی جائے وقوع اور اس کی آب و ہوا بہت پسند آئی، چنانچہ اسی زمانے میں اس نے اپنے قیام کے لیے یہاں چند عمارتیں بنوائیں۔ پھر جب خلیفہ ہوا تو اسے بڑی ترقی دی۔ بہت سی عمارتیں، جامع مسجد، تالاب اور حوض بنوائے۔ آبادی کو بڑھانے کے لیے لوگوں کو یہاں منتقل کیا۔ اس سلسلہ میں سرکاری عمارتوں کے علاوہ اور بہت سی عمارتیں بن گئیں اور رملہ اچھا خاصا شہر ہو گیا۔ سلیمان اکثر رملہ ہی میں رہتا تھا۔ اس لیے اسے پایہ تخت کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ (معجم البلدان ذکر رملہ)

قریش اور اہل مدینہ کے وظائف : اس کا طرز عمل اہل مدینہ اور قریش کے ساتھ بڑا فیاضانہ تھا۔ ۹۷ھ میں جب حج کے سلسلے میں مدینہ گیا تو عام اہل مدینہ میں روپیہ تقسیم کیا اور خاندان قریش میں چار ہزار و نلیف مقرر کیے، لیکن ان کے حلیفوں اور موالی کو نظر انداز کر دیا۔ قریش نے کہا ہمارے حلیف اور موالی ہم سے زیادہ مقدم ہیں، اس لیے ہمارے و نلیف ان کی جانب منتقل کر دیئے جائیں۔ اس درخواست پر سلیمان نے ان کے وظائف برقرار رکھے اور انہی کے برابر حلیفوں اور موالی کے علیحدہ و نلیف مقرر کیے۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۳۵۲)

سب سے بڑا کارنامہ : اس کا سب سے بڑا کارنامہ جو سینکڑوں کارناموں اور اصلاحوں سے بڑھ کر ہے، وہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی ولی عہدی ہے۔ جنہوں نے اموی سلطنت کو خلافت راشدہ کے قالب میں بدل دیا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ

خود سلیمان کے بیٹے اور حقیقی بھائی موجود تھے۔ اس کا یہ کارنامہ اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانہ میں جو اصلاحات ہوئیں، اس کی سعادت میں سلیمان کا بھی حصہ ہے۔

ذاتی حالات : ذاتی حیثیت سے وہ بڑا صاحبِ اوصاف تھا۔ مورخین اسے ”مفتاح الخیر“ (بھلائی کی کنجی) لکھتے ہیں۔ (ابن اثیر ج ۵، ص ۱۱۴) وہ اپنے پیش رو کے برعکس بڑا فصیح و بلیغ تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ

(۹۱ھ تا ۱۰۱ھ مطابق ۷۱۰ء تا ۷۱۹ء)

سلیمان کی وفات کے بعد صفر ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ تخت نشین ہوئے۔ آپ مشہور اموی فرمانروا مروان بن حکم کے پوتے تھے۔ باپ کا نام عبدالعزیز تھا۔ آپ کی ماں ام عاصم حضرت عمرؓ کی پوتی تھیں۔ اس لیے آپ کی رگوں میں فاروقی خون بھی شامل تھا۔ عبدالعزیز خاندان شاہی کے ممتاز رکن تھے۔ اکیس سال تک مصر کے گورنر رہے۔ اس لیے عمر بن عبدالعزیزؓ کی پرورش تمول و ثروت اور عیش و تنعم کے گہوارہ میں ہوئی، جس کے اثرات خلافت ملنے تک باقی تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام کے ساتھ مشہور محدث صالح بن کیسانؓ کی نگرانی میں ہوئی۔ عمرؓ طرناً صالح و سعید تھے۔ تعلیم و تربیت نے ان کے جوہروں کو اور زیادہ چمکا دیا تھا اور وہ ہر اعتبار سے اپنے خاندان سے بالکل الگ تھے۔ علمی لحاظ سے وہ اپنے زمانہ کے امام تھے۔ علمی حیثیت سے انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے وہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ یاد رہیں گے۔

عمر بن عبدالعزیزؓ خود شاہی خاندان کے رکن تھے۔ پھر عبدالملک کے بھتیجے اور داماد تھے۔ اس لیے وہ مختلف ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہے، لیکن اس دور میں بھی ان کی فطری سعادت نے ساتھ نہ چھوڑا اور وہ جہاں جہاں رہے، اپنے حسن عمل کی بہترین

گذر چکی ہے۔ سلیمان کی وفات کے بعد رجاء بن حیوۃ نے اس خطرہ سے کہ موت کی خبر سننے کے بعد، مبادا اہل خاندان عمر بن عبد العزیز کی بیعت میں کچھ لیت و لعل کریں۔ موت کی خبر کو مخفی رکھا اور دوبارہ اہل خاندان کو جمع کر کے ان سے سلیمان کے وصیت نامہ پر پھر بیعت لی۔ بیعت کو مستحکم کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کیا اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔ عمر بن عبد العزیز کا نام سن کر صرف ہشام بن عبد الملک نے ان کی بیعت سے انکار کیا، لیکن رجاء نے کہا خاموشی سے بیعت کرو ورنہ تمہارا سر قلم کر دوں گا اور عمر بن عبد العزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھادیا اور کسی نے چون و چرا نہیں کی۔

خلافت کا بار سر پر آتے ہی عمر بن عبد العزیز کی زندگی بالکل بدل گئی اور تخت خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی ابو ذر غفاری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قالب اختیار کر لیا۔ سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول جب آپ کے سامنے شاہی سواری پیش کی گئی تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا میرے لیے میرا خنجر کافی ہے۔ (یہ تمام واقعات ابن سعد ج ۵، ص ۲۴۷ سے ملخصاً ماخوذ ہیں) گھر آئے تو اس بار عظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا۔ لونڈی نے پوچھا خیر ہے؟ آپ اتنے متفکر کیوں ہیں؟ فرمایا اس سے بڑھ کر فکر و تشویش کی بات کیا ہوگی کہ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی ایسا فرد نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔ (سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۵۲)

خلافت سے دستبرداری اور آمادگی: حضرت عمر بن عبد العزیز فطرتاً خلافت کی عظیم الشان ذمہ داریوں سے گھبراتے تھے۔ پھر خلافت کے بارے میں آپ کا جو نقطہ نظر تھا اس کے اعتبار سے آپ کا انتخاب شوریٰ سے نہ ہوا تھا۔ اس لیے غور و فکر کے بعد آپ اس سے دستبرداری کے لیے آمادہ ہو گئے اور مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے کہا:

”لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لیے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے، اس لیے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردن میں ہے، میں خود اسے اتار دیتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔“

یہ تقریر سن کر مجمع نے شور بلند کیا کہ ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے اور ہم سب آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔ آپ اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیجئے۔ جب آپ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو آپ کی خلافت سے اختلاف نہیں ہے تو اس وقت آپ نے اس بار عظیم کو قبول فرمایا اور مسلمانوں کے سامنے تقریر کی۔ اس میں تقویٰ و آخرت کی تلقین کے بعد خلیفہ اسلام کی اصل حیثیت واضح کی۔ جسے اموی فرمانرواؤں نے ملوکیت میں گم کر دیا تھا۔

”اصابع! تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے اور اللہ نے اس پر جو کتاب اتاری ہے۔ اس کے بعد دوسری کتاب آنے والی نہیں ہے۔ اللہ نے جو چیز حلال کر دی ہے وہ قیامت تک کے لیے حلال ہے اور وہ جو حرام کر دی وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ صرف (احکام الہی) کو نافذ کرنے والا ہوں۔ خود اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض پیرو ہوں، کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔ میں تم میں سے کوئی ممتاز آدمی بھی نہیں ہوں بلکہ معمولی فرد ہوں، البتہ تمہارے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے زیادہ گرانبار کیا ہے۔“ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۰۸)

اپنی حیثیت واضح کرنے کے بعد امور خلافت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس بارے میں آپ کا مطمح نظر اپنے پیشروؤں سے بالکل مختلف تھا۔ آپ اموی حکومت کے پورے نظام میں انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے۔ جب سے اسلامی خلافت نے شخصی سلطنت کا قالب اختیار کیا تھا، اس وقت سے اس میں مستبد حکومتوں کی تمام برائیاں

آگئی تھیں۔ مذہبی روح کمزور پڑ گئی تھی۔ رعایا کی آزادی ختم ہو گئی تھی۔ جمہور کی آواز دب گئی تھی۔ بیت المال ذاتی خزانہ بن گیا تھا۔ جو ہر طرح کی جائز و ناجائز آمدنیوں سے بھرا جاتا تھا اور اسی بے عنوانی سے صرف کیا جاتا تھا۔ خاندان شاہی کے ارکان اور امراء کے قبضہ میں کروڑوں روپیہ کی جاگیریں تھیں۔ عمال و حکام کے افعال و اعمال پر کوئی احتساب اور مواخذہ نہ تھا اور اس قبیل کی وہ تمام برائیاں جو عموماً شخصی حکومتوں میں ہوتی ہیں، اموی حکومت میں موجود تھیں اور اسلامی خلافت کی حقیقی روح بالکل مردہ ہو گئی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا اصلی مقصد خلافت راشدہ کا دوبارہ احیاء تھا، لیکن اموی حکومت کو دوبارہ جمہوری بنادینا۔ آپ کے اختیار میں نہ تھا۔ اس لیے آپ کم سے کم اس کی برائیاں دور کر کے طرز جہان بینی میں اس کو خلافت راشدہ سے قریب تر کر دینا چاہتے تھے۔ یہ انقلاب جتنا اہم تھا اتنا ہی خطرناک اور نازک بھی تھا، لیکن آپ نے تمام مشکلات کو نظر انداز کر کے کام شروع کر دیا۔

غصب شدہ مال اور جائیداد کی واپسی : اس سلسلہ میں سب سے مقدم فرض رعایا اور زیر دستوں کے اس مال و جائیداد کی واپسی تھی جسے شاہی خاندان کے ارکان اموی عمال اور دوسرے عمائد نے اپنی جاگیر بنالیا تھا۔ یہ ایسا نازک کام تھا جس کو ہاتھ لگانا سارے خاندان کی مخالفت مول لینا تھا، لیکن سب سے پہلے آپ نے اسی کار خیر کو شروع کیا۔ خود آپ کے پاس بہت بڑی موروثی جاگیر تھی۔ بعض خیر خواہوں نے عرض کیا کہ اگر جاگیر واپس کر دیں گے تو اولاد کے لیے کیا انتظام کریں گے۔ فرمایا ان کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۱۵) اس کے بعد اہل خاندان کو جمع کر کے فرمایا: ”بنی مروان تم کو دولت اور شرف کا بڑا حصہ ملا ہے۔ میرا خیال ہے کہ امت کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضہ میں ہے۔“ ان لوگوں نے جواب دیا ”اللہ کی قسم! جب تک ہمارے سر تن سے جدا نہ ہو جائیں گے اس وقت تک یہ جائیدادیں واپس نہیں ہو سکتیں۔ اللہ کی قسم! نہ ہم اپنے

آباؤ اجداد کو کافر بنا سکتے ہیں اور نہ اپنی اولادوں کو مفلس بنائیں گے۔“ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا۔ ”اللہ کی قسم اگر اس حق میں تم میری مدد نہ کرو گے تو میں تم کو ذلیل اور رسوا کر کے چھوڑوں گا۔“ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۲۰۸)

اس کے بعد عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے تقریر کی: ”ان لوگوں (یعنی اموی خلفاء) نے ہم ارکان خاندان کو ایسی جاگیریں اور عطایا دیئے اللہ کی قسم جن کے دینے کا نہ ان کو کوئی حق تھا اور نہ ہمیں ان کے لینے کا۔ اب میں سب کو ان کے اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں۔“

اس تقریر کے بعد جاگیروں کی اسناد کا خریطہ منگوایا، مزاحم ان اسناد کو نکال کر پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے اور عمر بن عبدالعزیزؓ انہیں قینچی سے کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاتے تھے۔ صبح سے لے کر ظہر تک کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲) اور اپنی اور اپنے پورے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی، حتیٰ کہ اپنے پاس نگینہ تک نہ رہنے دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۳) آپ کی بیوی فاطمہ کو ان کے باپ عبدالملک نے ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؓ نے بیوی سے کہا کہ اسے بیت المال میں داخل کر دیا مجھے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ اطاعت شعار بیوی نے اسی وقت وہ پتھر بیت المال میں داخل کر دیا۔

فدك كسا فيصله : فدك کا علاقہ خلفائے راشدین کے زمانے سے ان میں اور اہل بیت میں متنازعہ فیہ چلا آتا تھا وہ آنحضرت ﷺ کا خالصہ تھا۔ اس کی آمدنی آپ اپنی بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اسے آپ سے مانگا تھا، لیکن آپ نے نہیں دیا، اس لیے خلفائے راشدین نے بھی اس کو اپنے انتظام میں رکھا اور اس کی آمدنی انہی مصارف میں صرف کرتے رہے، جن میں رسول اللہ ﷺ صرف فرماتے تھے۔ مروان نے اپنے زمانہ میں اسے جاگیر بنالیا تھا۔ اس لیے وہ عمر بن عبدالعزیزؓ کے قبضہ میں آیا۔ اس پر ان کے

ج۔ ۵۔ ص ۲۵۲) عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال دُنیا کی کوئی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

خاندان بنی امیہ کی برہمنی: عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس عدل نے بنی امیہ کو بالکل تہی دست کر دیا تھا۔ اس لیے قدرتا ان میں بڑی برہمی پیدا ہوئی، چنانچہ آل مروان نے ہشام کو اپنا وکیل بنا کر ان سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے جا کر کہا کہ ان امور میں جن کا تعلق آپ کے زمانہ سے ہے آپ جو چاہے کیجئے، لیکن گذشتہ خلفاء جو کچھ کر گئے ہیں اسے اسی حالت پر رہنے دیجئے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر ایک ہی معاملہ کے لیے تمہارے پاس دو دستاویز ہوں۔ ایک امیر معاویہؓ کی دوسری عبدالملک کی تو تم ان میں سے کس کو قبول کرو گے۔ ہشام نے کہا کہ جو پہلے کی ہو۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا تو پھر میں نے کتاب اللہ کو سب سے زیادہ قدیم دستاویز پایا۔ اس لیے میں ہر اس چیز میں جو میرے اختیار میں ہے، خواہ وہ میرے زمانہ کی ہو یا مجھ سے پہلے کی ہو۔ میں اسی قدیم دستاویز کے مطابق عمل کروں گا۔ اس پر سعید بن خالد نے کہا، امیر المؤمنین! جو چیز آپ کی ولایت میں ہے اس میں آپ حق و انصاف کے مطابق جو فیصلہ چاہے کیجئے، لیکن گذشتہ خلفاء اور ان کی بھائیوں اور برائیوں کو ان کی حالت پر رہنے دیجئے۔ اتنا آپ کے لیے کافی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا میں اللہ کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک شخص چھوٹے بڑے لڑکوں کو چھوڑ کر مر جائے اور بڑے لڑکے اپنی قوت کے زور سے سارے مال پر قبضہ کر کے کھا جائیں اور چھوٹے لڑکے تم سے مدد چاہیں تو تم کیا کرو گے۔ سعید نے جواب دیا۔ ان کے حقوق واپس دلاؤں گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا یہی تو میں نے بھی کیا۔ مجھ سے پہلے کے خلفاء نے ان لوگوں کو اپنی قوت سے دبایا۔ ان کے ماتخوں نے بھی ان کی تقلید کی، اب جب میں خلیفہ ہوا تو یہ کمزور لوگ میرے پاس آئے، ایسی صورت میں میرے لیے اس کے سوا چارہ کار کیا ہے کہ طاقتور سے کمزور کا اور اعلیٰ

سے ادنیٰ کا حق دلاؤں۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ابن جوزی ص ۱۱۸ و ۱۱۹) ان کے خاندان والوں کو بیت المال سے جو وظائف اور گزاریں ملتے تھے بند کر دیئے۔ عیینہ بن سعد نے شکایت کی کہ امیر المومنین آپ پر ہم لوگوں کا بھی حق ہے۔ آپ نے فرمایا میرے ذاتی مال میں تمہارا حق ہو سکتا تھا، مگر اس میں اتنی گنجائش نہیں اور بیت المال میں تمہارا اس سے زیادہ حق نہیں ہے جتنا برک غماد کے آخری حدود میں رہنے والے کا۔ واللہ! اگر ساری دنیا تم لوگوں کی رائے کی ہو جائے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۱۴، ۱۱۵) غرض آپ کے اعزہ اقربا اور اہل خاندان نے آپ کو ہر طرح سے روکنے کی کوشش کی، لیکن کوئی چیز آپ کو قیام عدل سے نہ روک سکی اور آپ نے سارے اموال مغصوبہ واپس دلا کر چھوڑے۔

بیت المال کسی آمدنی اور اس کے مصارف کی اصلاح : اموی خلفاء نے بیت المال کو ذاتی خزانہ بنالیا تھا اور اس کی آمدنی اور مصارف کسی چیز میں بھی احتیاط نہ برتی جاتی تھی۔ جائز و ناجائز ہر طرح کی آمدنی سے خزانہ بھرا جاتا تھا اور اسی بے عنوانی کے ساتھ صرف کیا جاتا تھا۔ بیت المال کا بڑا حصہ ان کے ذاتی تعیش پر صرف ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کی بھی پوری اصلاح کی اور اس کے تمام ناجائز مصارف بند کر دیئے۔ اموال مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ میں بہت بڑا حصہ بیت المال میں واپس ہو گیا تھا۔ اپنے گھر کا ایک ایک گمبنہ تک انہوں نے بیت المال میں داخل کر دیا تھا۔ خاندان کے تمام وظائف بند کر دیئے۔ شاہی شکوہ و تخیل کے تمام اخراجات موقوف کر دیئے، چنانچہ تخت نشینی کے بعد جب شاہی اصطلح کے داروغہ نے سواروں کے اخراجات مانگے تو حکم دیا کہ تمام سواروں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے۔ میرے لیے میرا خنجر کافی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۱) خود اپنا تمام ذاتی سامان امارت لونڈی، غلام، فرش و فروش، لباس و عطریات وغیرہ بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی۔ (تہذیب الاسماء ج ۱،

ص ۲۱) بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لیے حجاج نو مسلموں سے بھی جزیہ وصول کرتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اسے بالکل بند کر دیا اور ایک عام حکم جاری کر دیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ چھوڑ دیا جائے۔ اس حکم پر تنہا مصر میں اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ حیان بن شریح نے عمر بن عبدالعزیزؓ کو لکھ بھیجا کہ ”اس حکم کی وجہ سے اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے ہیں کہ آمدنی گھٹ گئی ہے اور مجھے قرض لے کر مسلمانوں کو وظیفہ دینے پڑے“۔ آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ جزیہ بہر حال موقوف کرو۔ رسول اللہ ﷺ بادی بنا کر بھیجے گئے تھے (مقریزی ج ۲، ص ۱۲۵) محصل بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ اس بارے میں اتنی سختی برتی کہ فرمان عام جاری کر دیا کہ اگر کسی غیر مسلم کا جزیہ ترازو میں رکھا جا چکا ہو اور اس حالت میں بھی وہ اسلام قبول کر لے یا نئے سال کے آغاز سے ایک دن پہلے (جبکہ پورے سال کا جزیہ عائد ہو جاتا ہے) اسلام لے آئے تو بھی جزیہ نہ لیا جائے۔ (ابن سعد ص ۳۶۲)

خراج کی وصولی کے متعلق عبدالحمید بن عبدالرحمن کو فرما لکھا:

”زمین کا معائنہ کرو، بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو۔ اگر بنجر زمینوں میں کچھ صلاحیت ہو تو بقدر گنجائش خراج لو اور ان کی اصلاح کرو کہ وہ آباد ہو جائیں۔ جن آباد زمینوں پر پیداوار نہیں ہوتی ان کا خراج نہ لو اور جو زمینیں قحط زدہ ہو جائیں ان کے مالکوں سے نرمی سے خراج وصول کرو۔ خراج میں صرف وزن سببہ لو۔ ٹکسال والوں، چاندی پگھلانے والوں سے نوروز کے ہدیے، عرائض نویسی شادی اور گھروں کا ٹیکس اور نکاح کا نہ لیا جائے، جو ذمی مسلمان ہو جائے اس پر ٹیکس نہیں ہے۔“ (کتاب الخراج ص ۴۹)

ان کے علاوہ جس قدر ناجائز ٹیکس تھے سب موقوف کر دیئے (سیرۃ عمر بن

لیے مخصوص کر دیا۔ گذشتہ خانہ جس کے مقررہ مصارف کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ عمر بن عبد العزیز نے اس کو صحیح مصرف میں لگایا۔ (اصابح۔ ۵۔ ص ۸۰)

ملک میں جتنے مجبور اور معذور اشخاص تھے۔ سب کے نام درج رجسٹر کر کے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اگر اس میں کسی عامل سے ذرا سی بھی غفلت ہوتی تھی، تو سخت تنبیہ کرتے تھے۔ (ابن سعد ج۔ ۵۔ ص ۲۸۱) بعضوں کو نقد کے بجائے جنس ملتی تھی۔ (ابن سعد ج۔ ۵۔ ص ۲۵۷) وہ قرض دار جو ناداری کی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکتے تھے۔ ان کے قرض کی ادائیگی کی ایک مد قائم کی۔ (زرقانی شرح موطا ج۔ ۴۔ ص ۲۳۷)

شیر خوار بچوں کے وظائف مقرر کیے۔ (زرقانی شرح موطا ج۔ ۴۔ ص ۲۴۰) ایک عام لکٹر خانہ قائم کیا جس سے فقراء اور مساکین کو کھانا ملتا تھا۔ (زرقانی شرح موطا ج۔ ۴۔ ص ۲۴۰)

ان کے علاوہ تمام ملک کے حاجتمندوں میں صدقات تقسیم ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو غربا میں صدقات تقسیم کرنے کے لیے رقعہ بھیجنا چاہا۔ اس نے عذر کیا کہ میں ناواقفیت کی وجہ سے وہاں کے امیر و غریب میں امتیاز نہیں کر سکتا، فرمایا جو تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اسے دے دینا۔

رعایا کی خوشحالی: ناجائز آمدنیوں کے سد باب، مظالم کے انسداد اور عام داد و دہش کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے زمانہ میں رعایا بڑی آسودہ حال ہو گئی۔ ملک کے طول و عرض سے افلاس اور غربت کا نام و نشان مٹ گیا اور کچھ دنوں میں صدقہ لینے والے نہ ملتے تھے۔ مہاجرین یزید کا بیان ہے کہ ہم لوگ صدقہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے۔ ایک ہی سال میں یہ حال ہو گیا کہ ایک سال پہلے جو لوگ صدقہ لیتے تھے۔ وہ دوسرے سال دوسروں کو صدقہ دینے کے قابل ہو گئے تھے۔ (سیرۃ عمر بن عبد العزیز ج۔ ۸۵)

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے صرف ڈھائی برس خلافت کی۔ اس مختصر مدت

میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ لوگ عمال کے پاس صدقہ کا مال تقسیم کرانے کے لیے لے جاتے تھے اور کوئی لینے والا نہ ملتا تھا اور وہ لوگ مجبور ہو کر صدقہ واپس لے جاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے رعایا کو اس قدر آسودہ حال کر دیا تھا کہ کوئی شخص حاجت مند باقی ہی نہ رہ گیا تھا۔ (فتح الباری ج۔ ۶ ص۔ ۴۵۱)

ظالم عہدہ داروں کا تذکرہ اور مظالم کی اصلاح : اموی عمال عموماً ظلم و جور کے خوگر تھے۔ سلیمان نے اپنے زمانہ میں ایک حد تک اس کا تذکرہ کیا تھا، لیکن ابھی اس کے آثار باقی تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے دوسری اصلاحات کے ساتھ اس کی جانب بھی توجہ کی اور حجاج کے پورے خاندان کو جو سب سے زیادہ ظالم تھا۔ یمن جلا وطن کر دیا اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں جو عرب میں بدترین خاندان ہے اس کو اپنے حدود حکومت میں منتشر کر دو۔

(زرقانی شرح موطا ص۔ ۲۴۰ ج۔ ۴)

حجاج سے تعلق رکھنے والے تمام عمال کو ہر قسم کے ملکی حقوق سے محروم کر دیا۔ بدنام عمال سے حکومت کو صاف کرنے کے ساتھ ہی عام عمال کی اصلاح کے لیے ان کے نام ایک عام فرمان جاری کیا کہ عام لوگ ان برے عمال کی وجہ سے جنہوں نے برے دستور قائم کیے اور کبھی انصاف ہر می اور احسان کا ارادہ نہیں کیا، سخت مصیبت، سختی اور جو ر و ظلم میں مبتلا ہو گئے۔

(یعقوبی ج۔ ۲، ص۔ ۲۹۲)

ایک والی عبدالحمید کو لکھا کہ ”وسوسہ شیطانی اور حکومت کے ظلم و جور کے بعد انسان کی بقا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے میرا خط ملتے ہی ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔ (ابن سعد ج۔ ۵، ص۔ ۲۷۱) ظلم و جور کے جتنے وسیلے تھے، سب یک قلم بند کر دیئے۔ اموی دور میں ذرا ذرا سی بدگمانی اور سونے ظن پر سزا دینا عام تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ

ذمیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ طرز عمل: کسی حکمران کے عدل و انصاف اور ظلم و جور کے جانچنے کا سب سے بڑا معیار دوسری مانت قوموں اور اہل مذاہب کے ساتھ اس کا سلوک اور طرز عمل ہے۔ اس معیار سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا دور سراپا عدل تھا۔ انہوں نے ذمیوں کے حقوق کی جیسے حفاظت کی اور ان کے ساتھ جو نرمی برتی، اس کی مثال عہد فاروقی کے علاوہ تاریخ اسلام کے کسی دور میں نہیں مل سکتی۔ ذمیوں کی اور مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت میں سرمو فرق نہیں کیا۔ ان کے مذہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی۔ جزیہ کی وصولی میں نرمی اور سہولت پیدا کی۔ ان کے لیے ہر طرح کی آسانیاں مہیا کیں۔ عمال کو وقتاً فوقتاً ان کے متعلق احکام لکھتے رہے۔

عدلی بن ارجطہ کو لکھا کہ ”ذمیوں کے ساتھ نرمی برتو، ان میں جو بوڑھا اور نادار ہو جائے، اس کی کنالت کا انتظام کرو۔ اگر اس کا کوئی صاحب حیثیت رشتہ دار ہو تو اسے اس کی کنالت کا حکم دو، ورنہ بیت المال سے کنالت کا انتظام کرو، جس طرح اگر کوئی تمہارا غلام بوڑھا ہو جائے تو اسے یا تو آزاد کرنا پڑے گا یا مرتے دم تک اس کی کنالت کرنی پڑے گی۔ (ابن سعد ج۔ ۵، ص۔ ۲۸۰)

ذمی کے خون کی قیمت مسلمانوں کے خون کے برابر قرار دی۔ ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے حیرہ کے حاکم کو لکھا کہ قاتل کو فوراً مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دو۔ وہ چاہیں قتل کریں چاہیں معاف کریں، چنانچہ اس حکم پر قاتل حوالے کر دیا گیا اور مقتول کے ورثاء نے اسے قتل کر دیا۔ (نصب الراية ص۔ ۳۶۰) کوئی مسلمان ذمیوں کے مال پر دست درازی نہیں کر سکتا تھا۔ جو ایسا کرتا تھا، اسے پوری سزا ملتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان ربیعہ شعوذی نے ایک سرکاری ضرورت سے ایک نبطی گھوڑا بیگار میں پکڑ لیا اور اس پر سواری کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کو چالیس کوڑے لگوائے۔ (ابن سعد ج۔ ۵، ص۔ ۲۷۶)

مال مغصوبہ کی واپسی کے سلسلہ میں شاہی خاندان سے ذمیوں کی زمینیں بھی واپس دلائیں۔ ایک ذمی کی زمین عباس بن ولید کے قبضہ میں تھی۔ اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے پاس دعویٰ کیا کہ عباس نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے عباس سے پوچھا ”تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ انہوں نے کہا والد نے مجھے جاگیر دی تھی اور میرے پاس اس کی سند موجود ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے اور ذمی کی زمین واپس دلا دی۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۴) ان کے وہ مذہبی حقوق جو گذشتہ خلفاء کے زمانہ میں سلب ہو گئے تھے، از سر نو قائم کیے۔ ذائق کا ایک گرجا ایک عرصہ سے ایک مسلمان خاندان کی جاگیر میں چلا آتا تھا۔ عیسائیوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے پاس دعویٰ کیا۔ انہوں نے واپس دلا دیا۔ اسی طریقہ سے ایک مسلمان نے ایک گرجا کی نسبت عذر داری کی کہ وہ اس کی جاگیر میں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا اگر یہ عیسائیوں کے معاہدہ میں ہے تو تم اس کو نہیں پاسکتے۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۰) جزیہ کی وصولی کے سلسلہ میں عمال ذمیوں کے اوپر جو سختیاں کرتے تھے۔ ان کو بالکل بند کر دیا اور جو بے عنوانیاں ہو چکی تھیں۔ حتی الامکان ان کی تلافی کی کوشش کی۔ ابن اشعث کی بغاوت کی حمایت کے الزام میں حجاج نے عراق کے ذمیوں کے جزیہ کی مقدار بڑھا دی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس اضافہ کو گھٹا دیا (فتوح البلدان ص ۱۳۰) جزیہ کی وصولی میں ان کے ساتھ اتنی نرمی برتی جاتی تھی کہ اس سے بازار کا نرخ چڑھ جاتا تھا، لیکن اس کا آپ نے کوئی لحاظ نہ کیا۔ آپ کے زمانہ میں غلہ کا نرخ بہت چڑھ گیا تھا۔ ایک شخص نے اس کا سبب پوچھا، آپ نے فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ خلفاء جزیہ کی وصولی میں ذمیوں کو بڑی سخت تکلیفیں دیتے تھے اور میں ان پر اتنا ہی بار ڈالتا ہوں جس کو وہ اٹھا سکیں۔ اس لیے ہر شخص آزادی کے ساتھ جس طرح چاہتا ہے، اپنا غلہ فروخت کرتا ہے۔ (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۷۶)

مقدمات میں ذمیوں اور شاہی خاندان میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔ دونوں کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے ایک عیسائی پر مقدمہ دائر کیا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے دونوں کو برابر کھڑا کیا۔ ہشام کو یہ ناگوار ہوا۔ اس نے تمکنت میں آ کر عیسائی کے ساتھ سخت کلامی کی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی۔ (کتاب العیون والحدائق ص ۵۲۶)

محاصل میں اضافہ : یہ حیرت انگیز امر ہے کہ جزیہ کی وصولی میں ان سہولتوں اور ناجائز آمدنیوں کے سدباب کے باوجود بیت المال کی آمدنی پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ بعض ملکوں کی آمدنی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا، چنانچہ عراق کی آمدنی حاجی دور سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ حجاج پر لعنت کرے نہ اس کو دین کا سلیقہ تھا نہ دنیا کا۔ وہ باوجود اپنے مظالم کے عراق سے دو کروڑ اسی لاکھ سے زیادہ وصول نہ کر سکا اور زمین کی آبادی کے لیے کاشت کاروں کو بیس لاکھ قرض دینے کے بعد کل ایک کروڑ سات لاکھ کا اضافہ ہوا۔ اور میرے زمانہ میں بغیر کسی ظلم و زیادتی کے بارہ کروڑ چالیس لاکھ آمدنی ہو گئی۔ اگر میں زندہ رہا تو ابھی اس آمدنی میں اور اضافہ ہوگا۔ (فتوح البلدان ص ۳۰۰ و ذکر سواد)

رفاہ عام کرے کام : حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جس قدر اصلاحیں کیں ان میں سے کوئی بھی رفاہ عام سے خالی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے بھی آپ نے بہت سے رفاہ عام کے کام کیے۔ ممالک محروسہ میں بکثرت سرائیں بنوائیں۔ خراسان کے والی کو لکھا کہ وہاں کے تمام راستوں میں سرائیں تعمیر کرائی جائیں۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۴) سمرقند کے والی سلیمان بن ابی السمری کو حکم بھیجا کہ اس علاقہ کے تمام شہروں میں سرائیں تعمیر کرائی جائیں اور جو مسلمان ادھر سے گزرے ایک شبانہ یوم اس کی میزبانی کی جائے۔ اس کی سواری کی حفاظت کی جائے۔ بیمار مسافروں کی دودن میزبانی کی جائے۔ جس کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو

اس کا سامان کیا جائے۔ (طبری ص ۱۳۶۴)

احیائے شریعت اور مذہبی خدمات : حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جس طرح حکومت کا سیاسی ڈھانچہ بدلا اور اس کے ہر شعبہ میں اصلاحات کیں۔ اسی طرح شریعت کا احیاء اور اس کی تجدید کی اورامویوں کے مذہبی تساہل سے جو امور جاہلہ شریعت سے ہٹ گئے تھے۔ انہیں دوبارہ اس راستہ پر لگایا۔ عمال کے نام جو فرائض جاتے تھے۔ ان سب میں احیائے شریعت اور استیصال بدعت کی تاکید ہوتی تھی۔

(ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲)

عدی بن ارطاة کو ایک فرمان لکھا کہ ایمان چند فرائض، چند احکام اور چند سنن کا نام ہے۔ جس نے ان اجزاء کی تکمیل کی اس نے ایمان کو مکمل کر لیا اور جس نے اس کی تکمیل نہیں کی اس نے ایمان کی تکمیل نہیں کی۔ اگر میں زندہ رہا تو ان تمام اجزاء کو تمہارے سامنے واضح کر دوں گا کہ تم اس پر عمل کرو اور اگر مر گیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں ہے۔

(بخاری کتاب الایمان باب قول النبی ابی الاسلام علیؑ)

چنانچہ عقائد و عبادات و اخلاق وغیرہ میں جو تغیر پیدا ہو چلا تھا اسے پوری شدت کے ساتھ روکا عقائد میں معبد جنی اور غیلان دمشق نے قضا و قدر کا پیچیدہ مسئلہ چھیڑ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس سے توبہ کرائی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۴) اور محدثین و فقہاء کو لکھا کہ وہ ان خیالات کو قبول نہ کریں۔ (طبقات ج ۵ ص ۲۸۴)

اموی خلفاء خصوصاً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام عمال کے نام فرمان جاری کیا کہ ”نماز کے وقت تمام کاروبار چھوڑ دیا کرو جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے وہ دوسرے فرائض کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔“ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۳)

حجاج کے زمانہ میں زکوٰۃ کا نظام خراب ہو گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے عمال کو حکم دیا کہ وہ زکوٰۃ کے معاملہ میں حجاج کی روش سے احتراز کریں اور عدی بن ارطاة کو لکھا کہ میں زکوٰۃ کے معاملہ میں تم کو حجاج کی روش سے روکتا ہوں۔ وہ اس کو غیر محل سے لیتا تھا، اور بے محل صرف کرتا تھا۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۸۸) خطوط میں لوگوں کو صدقات اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

(طبقات ج ۵ ص ۲۶۸)

انسداد شراب نوشی : دوسرے عیش و تنعم کے ساتھ شراب نوشی کا رواج بھی ہو چکا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان کے انسداد کا پورا انتظام کیا اور تمام عمال کے نام فرمان جاری کر دیا کہ کوئی ذمی مسلمانوں کے شہروں میں شراب نہ لانے پائے اور شراب کی دکانوں کو حکماً بند کر دیا۔ (طبقات ج ۵ ص ۲۶۹)

بعض حیلہ جو، جو نیند کے بہانہ سے شراب پیتے تھے۔ ان کے بارے میں عدی بن ارطاة کو لکھا ”لوگ شراب پی کر بد مستی میں نہایت برے کام کرتے ہیں اور اکثر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ شراب پینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جو چیز اس قسم کے کام کراتی ہے اس کے استعمال میں سخت نقصان ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں آب شیریں، دودھ اور شہد جیسی پینے کی چیزیں پیدا کی ہیں، جو شخص نبید بنائے وہ صرف چمڑے کے مشکیزے میں، جس پر زفت کا روغن نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے ظرف سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کسی نے شراب پی تو اس کو سخت سزا دی جائے گی اور جو چھپ کر پینے گا اس کو اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا ہے۔ (کتاب الولاۃ ص ۶۸)

اخلاق کسی اصلاح : اہل عجم کے اثر سے اسلام کی تعلیم کے خلاف مسلمانوں میں بہت سے عادات و رسوم، لہو و لعب کی تفریحات اور عیش و تنعم کے لوازم پیدا ہو چلے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اسے سختی کے ساتھ روکا۔ ایک مرتبہ آپ کو معلوم

ہوا کہ بہت سے مسلمان لہو و لعب میں مشغول ہو گئے ہیں اور خواتین جنازہ کے ساتھ بال بکھرے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں۔ آپ نے تمام عمال کو فرمان بھیجا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ سفہاء کی عورتیں زمانہ جاہلیت کی طرح موت کے وقت بال کھولے نوحہ کرتی ہوئی نکلتی ہیں۔ اس نوحہ و ماتم پر قدغن بلیغ کرو، اہل عجم چند چیزوں سے جنہیں شیطان نے ان کی نگاہ میں محبوب کر دیا، دل بہلاتے تھے، مسلمانوں کو اس لہو و لعب اور راگ باجے سے روکو اور جو نہ مانے اسے اعتدال کے ساتھ سزا دو۔ (طبقات ابن سعد ج۔ ۵، ص۔ ۲۹۰)

اہل عجم کے اثر سے حماموں کا عام رواج ہو گیا تھا، جن میں عورتیں اور مرد بے باکانہ غسل کرتے تھے اور پردہ بلکہ شرم و حیا کا بھی کوئی لحاظ نہ رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عورتوں کو حمام میں جانے سے بالکل روک دیا اور مردوں کو حکم دیا کہ وہ بغیر تہبند کے حمام میں غسل نہ کریں اس حکم پر نہایت سختی سے عمل کرایا جاتا تھا اور اس کی خلاف ورزی پر سزا دی جاتی تھی۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص۔ ۸۰)

حمام کی دیواروں پر خلاف شریعت تصویریں ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہیں خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور فرمایا اگر مصور کا نام معلوم ہوتا تو میں اس کو سزا دیتا (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۔ ۲۸۱)

اسلام میں مردوں کے لیے بال سنوارنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ بال سنوارنا مسنون ہے، لیکن اس زمانے کے شوقین اس سے بڑھ کر پٹیاں جماتے تھے۔ آپ نے پولیس کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کے دن مسجد کے دروازہ پر کھڑی ہو جایا کرے اور جو بھی شخص پٹیاں جمائے ہوئے گزرے اس کے بال کاٹ دیا کرے (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۔ ۱۸۱)

اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی روح آپ کے دور کی خصوصیت بن گئی تھی۔ طبری کا بیان ہے کہ ولید عمارتوں کا بانی تھا۔ اس لیے اس کے زمانہ کا عام مذاق یہی ہو

گیا تھا اور لوگ آپس میں صرف تعمیر اور عمارتوں پر گفتگو کرتے تھے۔ سلیمان کو عورتوں سے نکاح سے دلچسپی تھی۔ اس لیے اس کے زمانہ میں اسی کا چرچا تھا اور لوگوں کا موضوع بحث شادی اور لونڈیاں تھیں، لیکن جب عمر بن عبدالعزیزؒ نے تخت خلافت پر قدم رکھا تو مذہب، عبادت اور اس کی تفصیلات موضوع بن گئیں (طبری ص ۱۲۷-۱۲۸) غرض حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے احیائے شریعت کے ساتھ مسلمانوں کی اخلاقی نگہداشت بھی فرمائی۔

ایک بری بدعت کا خاتمہ : اموی خلفاء نے ایک بری بدعت یہ جاری کی تھی کہ وہ خود اور اس کے تمام عمال خطبہ میں حضرت علیؑ پر لعن و طعن دیا کرتے تھے اور اسے خطبہ کا جز بنا دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے بالکل بند کر دیا اور تمام عمال کے نام فرمان جاری کر دیا کہ حضرت علیؑ کے متعلق جو ناملائم الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں وہ بند کر دیئے جائیں اور اس کی جگہ کلام اللہ کی یہ آیت داخل کی۔

﴿ان الله يامر بالعدل والاحسان وابتاء ذى القربىٰ وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغىٰ يعظكم لعلكم تذكرون﴾
 اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور فحش برائی اور ظلم سے منع کرتا ہے کہ شاید تم سمجھو۔

جو آج تک جاری ہے۔ (تاریخ الخلفاء ۲۴۲-۲۴۳ وابن سعد ص ۲۹۱)

اشاعت اسلام : اسلامی حکومت کے حدود میں توسیع کی بجائے اسلام کی توسیع و اشاعت کو مقصد قرار دیا اور اپنی ساری توجہ اس کی تبلیغ میں صرف کر دی اور اس کے لیے ہر طرح کے مادی و اخلاقی ذرائع اختیار کیے۔ فوجی افروں کو ہدایت تھی کہ وہ رومیوں کی کسی جماعت سے اس وقت تک جنگ نہ کریں جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہ دے لیں۔ (ابن سعد ترجمہ عمر بن عبدالعزیزؒ) تمام عمال کو حکم تھا کہ وہ ذمیوں

فرمانرواؤں سے بالکل مختلف تھا۔ اس لیے آپ کے دور میں فوجی سرگرمیوں اور فتوحات جو عموماً حکومتوں کا سب سے مقدم فرض تصور کی جاتی ہیں، سب سے آخری درجہ میں نظر آتی ہیں، چنانچہ سندھ اور اسپین میں بعض معمولی فتوحات کے علاوہ جہاں پہلے سے مہم جاری تھی، آپ کے دور میں کوئی قابل ذکر فتوحات نہیں ہوئیں بلکہ مہمات سے فوجیں واپس بلا لیں۔

خسانہ جنگی اور خونریزی کا خاتمہ: حضرت عثمان ؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک اسلامی تاریخ کے اوقات مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو روکنے کے لیے اتنی احتیاط برتی کہ سرکش اور فتنہ جو اسلامی فرقوں کے مقابلہ میں بھی تلوار نہ اٹھائی۔ خارجی جو صرف حکومت کے خلاف تھے، بلکہ ان کا وجود امن عامہ کے لیے بھی خطرہ تھا، کسی کی جان و مال ان سے محفوظ نہ تھا۔ اس لیے گذشتہ خلفاء کے زمانوں میں برابر ان سے مقابلہ جاری رہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے مقابلہ میں بھی تلوار روک لی اور عبدالحمید والی کوفہ کو جو پہلے سے خوارج کے مقابلہ پر مامور تھے، لکھا: کہ جب تک یہ لوگ خونریزی اور فتنہ و فساد نہ برپا کریں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور ان کی شورش کے تدارک کے لیے کسی دورانہ لیش آدمی کو مقرر کیا جائے۔ عبدالحمید کو یہ ہدایت دینے کے ساتھ آپ نے خوارج کو افہام و تفہیم کے ذریعہ شورش انگیزی سے روکنے کی کوشش کی اور خوارج کے سردار بسطام کو لکھا کہ بہتر یہ ہے کہ تم میرے پاس آ کر بحث و مناظرہ کرو اگر ہم لوگ حق پر ہوں تو تم لوگ عام مسلمانوں کی طرح مطیع ہو جاؤ اور اگر تم حق پر ہو تو ہم اپنے متعلق غور کریں۔ (اس مناظرہ کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے، دیکھو طبری ص ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰ ابن اثیر ج ۴، ص ۱۹۱۸)

اس دعوت پر بسطام نے مناظرہ کے لیے دو شخصوں کو بھیجا۔ فریقین میں مناظرہ ہوا۔ طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان میں سے ایک شخص نے حق کا اعتراف کر لیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کا وظیفہ مقرر کیا اور دوسرا لوٹ گیا۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے آخری دور حکومت کا واقعہ ہے۔ اس لیے آپ کی زندگی میں خوارج کے ساتھ کوئی معرکہ پیش نہیں آیا، لیکن ابن سعد کا بیان ہے کہ خارجیوں پر اس مناظرہ کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بدستور اپنی روش پر قائم رہے۔ اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو مجبور ہو کر ان شرائط کے ساتھ عبدالحمید کو ان سے مقابلہ کی اجازت دینی پڑی کہ:

- (۱) عورت بچے اور قیدی قتل نہ کیے جائیں، زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔
- (۲) فتح کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آئے وہ خوارج کے اہل و عیال کو واپس کر دیا جائے۔

- (۳) قیدی صرف اس وقت تک قید میں رہیں جب تک وہ راہ راست پر نہ آجائیں۔

ان پابندیوں کے ساتھ عبدالحمید نے مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، ان کے بعد مسلمہ بن عبدالملک بھیجے گئے۔ انہوں نے چند دنوں میں قابو حاصل کیا۔

علامت: ابھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا کہ رجب ۱۰ھ میں آپ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ اس بارے میں دو بیانات ہیں۔ ایک یہ کہ علالت طبعی تھی۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ زہر کا نتیجہ تھا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بنی امیہ نے جب یہ محسوس کیا کہ اگر کچھ دنوں تک آپ کی خلافت قائم رہی تو آپ بنو امیہ کا زور توڑ کر خلافت کی اصلاحات کو اس قدر مستحکم کر دیں گے کہ پھر ان کا گزشتہ اقتدار واپس نہ آ سکے گا۔ اس لیے انہوں نے آپ کے ایک خادم کو ایک ہزار اشرفی دے کر زہر دلوا دیا۔ آپ کو دوران علالت میں اس کا علم ہو گیا، لیکن آپ نے اس کا کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ اشرفیاں واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیں اور غلام کو آزاد کر دیا۔ (ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز)

یزید بن عبدالملک کو وصیت: اس بیماری سے بچنے کی امید نہ تھی۔

اس لیے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ یزید بن عبد الملک کو جسے سلیمان نامزد کر گیا تھا۔
یہ وصیت نامہ لکھوایا۔۔۔

”میں تم کو اس حال میں یہ وصیت نامہ لکھ رہا ہوں کہ مرض نے بالکل لاغر کر دیا
ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ خلافت کی ذمہ داریوں کے بارے میں مجھ سے سوال کیا
جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کا محاسبہ کرے گا اور میں اس سے کوئی کام نہ
چھپا سکوں گا۔“

﴿فَلْنَقْصِنْ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ﴾

ہم ان لوگوں سے اپنے ذاتی علم سے واقعات بیان کرتے ہیں اور ہم غیر حاضر
نہ تھے۔

ایسی حالت میں اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو گیا تو میں کامیاب ہوا اور ایک
طویل عذاب سے نجات پائی اور اگر ناراض ہوا تو میرے انجام پر افسوس ہے۔ میں اللہ
تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ محض اپنی رحمت سے عذاب و دوزخ سے نجات دے اور اپنی
رضا سے جنت عطا کرے۔ تم کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے اور رعایا کا خیال رکھنا چاہیے
کیونکہ میری طرح تم بھی تھوڑے ہی دن زندہ رہو گے۔ تم کو اس سے بچنا چاہیے کہ
غفلت میں کوئی ایسی لغزش سرزد ہو جائے جس کی تلافی نہ کر سکو۔ سلیمان بن عبد الملک
اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو وفات دی۔ اس نے مجھے خلیفہ بنایا اور
میرے بعد تم کو نامزد کیا۔ میں جس حال میں تھا اگر وہ اس لیے ہوتا کہ بہت سی بیویوں کا
انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں تو اللہ نے مجھے ایسے بہتر سامان دیئے تھے جو وہ
اپنے کسی بندہ کو دے سکتا ہے، لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں، بجز اس کے
کہ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔ (سیرت عمر بن عبد العزیز ج ۱۔ ۲۸۰)

اولاد کے متعلق ارشاد : یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے موروثی جاگیر اور
گھر کا ایک ایک تنکا بیت المال میں واپس کر دیا تھا اور آپ کی وفات کے وقت آپ کی

اولاد کی معاش کا کوئی سامان نہ رہ گیا تھا۔ اس لیے وفات سے کچھ پہلے آپ کے سالے مسلمہ بن عبدالملک نے آپ سے عرض کیا ”میرا المومنین آپ نے مال و دولت سے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا اور انہیں بالکل خالی ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق مجھے یا خاندان کے کسی فرد کو کچھ وصیت کرتے جائیے۔ اللہ کی قسم میں نے ان کا کوئی حق تلف نہیں کیا، البتہ جس مال میں ان کا حق نہ تھا وہ ان کو نہیں دیا۔ تم کہتے ہو ان کے متعلق کسی کو وصیت کرتا جاؤں، تو اس معاملہ میں میرا وصی اور والی میرا رب ہے، جو صلحاء کا ولی ہوتا ہے۔ میرے لڑکے اگر اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی سبیل نکال دے گا اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہوں گے تو میں مال دے کر ان کو گناہ کے لیے اور قوی نہ بناؤں گا، پھر لڑکوں کو بلا کر با چشم پر غم فرمایا۔

میری جان تم پر قربان، جن کو میں نے خالی ہاتھ چھوڑا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے تم کو اچھی حالت میں چھوڑا۔ بچو! تم کو کوئی ایسا عرب اور ذمی نہ ملے گا، جس کا تم پر حق ہو۔ بچو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی۔ ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے۔ دوسرے یہ کہ تم تہی دست رہو اور وہ جنت میں جائے۔ بس اللہ نگہبان اللہ تم کو حفظ و امان میں رکھے۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ، ۲۸۰)

وفات : ان مراحل سے فراغت کے بعد رجب ۱۰۱ھ میں انتقال ہوا۔ اس وقت عمر ۴۰/۳۹ سال کی تھی۔ دیر سمعان میں دفن کیے گئے۔ مدت خلافت دو سال پانچ مہینے۔

ازواج و اولاد : حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی چار بیویاں تھیں۔ ان سب سے اولادیں ہوئیں۔ جن کی مجموعی تعداد پندرہ سولہ تھی۔

حلیہ : صورتاً بہت ثقیل تھے۔ رنگ گورا اور چہرہ وجیہ تھا۔ خلافت سے پہلے عیش و عشرت کی زندگی کے باعث جسم نہایت شاداب اور تروتازہ تھا۔ خلافت کے بعد اس کی ذمہ داریوں کے احساس اور زہدانہ کی وجہ سے اتنے لاغر ہو گئے تھے کہ پسلیاں

نمایاں ہو گئی تھیں۔

مختصر تبصرہ: اوپر کے حالات خود عمری خلافت کی خصوصیات کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ان کے بعد مزید کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن بعض پہلوؤں کو پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خلافت کو اسلامی بنانا چاہتے تھے: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حقیقی خواہش یہ تھی کہ موروثی حکومت پھر اسلامی خلافت سے بدل جائے، لیکن یہ بنیادی تبدیلی آپ کے اختیار میں نہ تھی۔ بنی امیہ میں موروثی حکومت اصولی حیثیت سے مسلم ہو چکی تھی۔ خواہ خلیفہ بنی امیہ کی کسی شاخ سے بھی ہو۔ چنانچہ سلیمان خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد یزید بن عبدالملک کو خلیفہ نامزد کر گیا تھا، اس لیے انتخاب خلیفہ کا معاملہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اختیار میں نہ رہ گیا تھا۔ آپ نے بعض موقعوں پر خود اس معذوری کا اظہار کیا۔ اس موقع پر فرمایا کہ اگر خلافت کا مسئلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم بن عبداللہ کو خلیفہ بنا دیتا۔ (ابن سعد ج۔ ۵، ص ۲۵۴) ایک مرتبہ جب بنی امیہ نے آپ کی عادلانہ روش کے خلاف زیادہ احتجاج کیا تو آپ نے یہاں تک کہہ دیا کہ ”اگر آئندہ تم لوگوں نے میرے سامنے اس قسم کی باتیں کیں تو میں خلافت سے دستکش ہو کر مدینہ چلا جاؤں گا اور اس کو شوریٰ پر چھوڑ جاؤں گا۔ اس کا حقیقی اہل (قاسم بن عبداللہ) میری نگاہ میں موجود ہے (ابن سعد ج۔ ۵، ص ۲۵۳)

ملوکیت کے امتیازات کا استیصال: لیکن یہ انقلاب آپ کے بس میں نہ تھا اس لئے جہاں تک ہو سکا ملوکیت کے امتیازات اور شہنشاہیت کے برے مظاہر کو مٹایا اور تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سب سے اول خلیفہ کی حیثیت واضح کی کہ:

”میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض احکام الہی کو نافذ

کرنے والا ہوں۔ میں خود اپنی جانب سے کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض پیرو ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی پیروی کی جائے۔ میں تم میں بہتر آدمی بھی نہیں ہوں، البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زیادہ گراں بنا کر کیا ہے۔

(سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۸)

چنانچہ بادشاہت کے ایک ایک امتیاز کو منادیا۔ خلفاء کے ساتھ نقیب و نلبر دار چلتے تھے۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرح ان پر درود و سلام بھیجا جاتا تھا۔ سلام میں خاص امتیاز برتا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ان سب مراسم کو بند کر دیا، چنانچہ حسب دستور جب کو تو ال نے نیزہ اور نشان لے کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا تو آپ نے روک دیا اور فرمایا میں مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۵۳) عام حکم جاری کر دیا کہ سلام میں خصوصیت نہ برتی جائے بلکہ صرف عام سلام کیا جائے۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۳۸۳) عمال کے نام فرمان جاری کیا کہ پیشہ و روا عظماء پر درود و سلام بھیجتے ہیں انہیں روک دو۔ اور حکم دو کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے دعا کریں اور خلیفہ کے ساتھ خصوصیت چھوڑ دیں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۳۶)

ابوبکر بن محمد کو لکھا کہ کسی شخص کو صرف اس لیے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندان خلافت سے تعلق رکھتا ہے۔ میرے نزدیک یہ سب عام مسلمانوں کے برابر ہیں۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲) اور اسے عملاً برت کر دکھایا۔ ایک مرتبہ آپ کے سالے اور چچیرے بھائی مسلمہ بن عبدالملک فریق کی حیثیت سے مقدمہ میں آئے اور سرکاری فرش پر بیٹھ گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے روک دیا کہ اپنے فریق کی موجودگی میں تم فرش پر نہیں بیٹھ سکتے یا عام لوگوں کے برابر بیٹھو یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنا دو۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ) شاہی خاندان کے وظائف عام مسلمانوں کے برابر کر

دیئے۔ غرض آپ نے قصر ملوکیت کے تمام کنگروں کو پست کر دیا۔ امور خلافت کے انتظام و انصرام میں عہد فاروقی کو اپنے لیے نمونہ بنایا۔ حضرت عمرؓ کے پوتے سالم کو لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اگر اللہ مجھ کو اس کی استطاعت دے تو میں رعایا کے معاملات میں عمر بن الخطابؓ کی روش اختیار کروں۔ اس لیے تم میرے پاس ان کی وہ تحریریں اور فیصلے جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کیے ہیں، سمجھو، اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو میں ان کے نقش قدم پر چلتا رہوں گا۔ اس عزم پر انہوں نے کہاں تک عمل کیا، اس کا اندازہ کرنے کے لیے اوپر کے واقعات کافی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض حیثیتوں سے آپ حضرت عمرؓ سے بڑھ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کا زمانہ عہد رسالت سے بہت قریب تھا۔ اسلامی روح زندہ تھی، مسلمان دنیا میں بتلا نہ ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے لیے کوئی مزاحم طاقت موجود نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے جو کچھ کیا وہ کچھ زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے، لیکن حضرت عمر بن العزیزؒ نے ہر طرح کے مخالف حالات میں عہد فاروقی کو زندہ کر دکھایا۔ خود اس زمانہ کے اکابر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے کارنامے کو فاروقی کارناموں سے افضل سمجھتے تھے، چنانچہ سالم بن عبد اللہ نے آپ کو لکھا کہ عمر بن الخطابؓ نے جو کچھ کیا وہ دوسرا زمانہ تھا۔ دوسرے لوگ تھے، اگر تم نے اس زمانہ اور ان لوگوں میں عمر بن الخطابؓ کی پیروی کی تو تم ان سے افضل ہو گئے۔ (سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ ص ۱۳۱ و ۱۳۲) اسی لیے بعض محدثین ان کو پانچواں خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ (ابوداؤد کتاب السنہ باب فی التفصیل)

فضل و کمال : ان اوصاف کے ساتھ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ علمی اعتبار سے اپنے دور کے جلیل القدر عالم تھے۔ اگر سیاسی حالات نے انہیں تحت شاهی پر نہ بٹھا دیا ہوتا تو وہ منہ علم کی زینت ہوتے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں ﴿کان فقیہا مجتہدا عارفا بالسنن کبیر الشان ثباتا حجة حافظا قانتا لله او اها منیبا﴾

(تذکرۃ المھاظج - اہص - ۱۰۵) امام نوویؒ کا بیان ہے کہ ان کی جلالت شان فضیلت علمی، وفور علم، صلاح، آثار نبوی ﷺ کے اتباع اور خانائے راشدین کی پیروی پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماء ج - اہص - ۱۷) اس عہد کے اکابر علماء ان کے سامنے طفل دبستان تھے۔ میمون بن مہرانؒ کا جو خود ایک بڑے صاحب علم تابعی ہیں بیان کیا ہے کہ علماء عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے تلامذہ معلوم ہوتے تھے۔ (تذکرۃ المھاظج - اہص - ۱۰۶) مشہور صاحب علم تابعی مجاہدؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ انہیں تعلیم دینے گئے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ (ابن سعد ج - ۵ ص - ۲۷۱) تفسیر حدیث فقہ جملہ دینی علوم میں انہیں عبور حاصل تھا۔

علماء کی قدردانی اور ان سے مشورہ: اس فضل و مال کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کے دربار میں شعراء اور ظرفاء کی جگہ علماء اور ارباب مال کا مجمع ہو گیا تھا اور ان کی بڑی قدردانی تھی۔ دور دور سے علماء اور فقہاء کو بلا کر ان کی قدرا فرمائی فرماتے۔ امور خلافت میں وہی آپ کے مشیر اور ہم جلس تھے۔ ان میں میمون بن مہرانؒ، رجا بن حیوۃ، ریح بن عبیدہ، سالم بن عبداللہ محمد بن کعب قرظی اور سعید بن مسیبؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مذہبی امور میں سعید بن مسیبؒ سے ضرور مشورہ فرماتے تھے۔

تعلیمی خدمات: مذہبی تعلیم کی اشاعت کی جانب آپ کی خاص توجہ تھی۔ قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ لوگوں کو چاہیے کہ عام طور پر علم کی اشاعت کریں۔ تعلیم کے لیے حلقہ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان جائیں کیونکہ علم اس وقت تک برباد نہیں ہوتا جب تک خزانہ نہ بن جائے۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص - ۹۴) ایک اور عامل کو لکھا کہ اہل علم کو حکم دو کہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں کیونکہ حدیثیں مردہ ہو رہی ہیں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص - ۹۴) جو علماء اس مقدس فرض میں مشغول تھے انہیں فکر معاش سے بے نیاز کر دیا۔ حص کے گورنر کو لکھا

کہ جن لوگوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا ہے، بیت المال سے سوسو دیناران کا وظیفہ مقرر کر دو کہ وہ اطمینان کے ساتھ اس خدمت کو انجام دے سکیں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۹۵)

تعلیم کی اشاعت کے لیے طلبہ کے وظائف مقرر کیے۔ (جامع بیان العلم ص ۸۸) مختلف ملکوں میں تعلیم کے لیے علماء بھیجے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مشہور صاحب علم غلام نافع کو جو مدینہ کے بڑے فقیہ تھے، حدیث کی تعلیم دینے کے لیے مصر بھیجا۔ (حسن المحاضرہ ج ۱، ص ۱۱۹) قاری عثیل بن عامان کو قرأت کی تعلیم دینے کے لیے مصر و مغرب بھیجا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۷۴) یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یحجد اشعری کو بدوؤں کی تعلیم و تربیت پر مقرر کیا۔ (حسن المحاضرہ ص ۱۰۸) تعلیم کے ساتھ ارشاد و ہدایت کے لیے تمام ممالک محروسہ میں واعظ اور مفتی مقرر کیے، چنانچہ جاج ابو کثیر اموی اسکندریہ کے واعظ تھے (بخاری کتاب العلم باب کیف یقیض العلم)

ایک اہم دینی خدمت: آپ کا سب سے بڑا تعلیمی و مذہبی کارنامہ احادیث نبوی کی حفاظت اور اس کی اشاعت ہے، اگر انہوں نے ادھر نہ توجہ کی ہوتی تو احادیث نبوی کا متعدد حصہ ضائع ہو جاتا۔ آپ نے جب دیکھا کہ بڑے حفاظ حدیث اٹھتے چلے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ حدیثیں بھی دفن ہوتی جا رہی ہیں، تو قاضی ابو بکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی کی تلاش و جستجو کر کے انہیں لکھ لو۔ مجھے علماء کے ساتھ علم کے بھی مٹ جانے کا خوف ہے، لیکن یہ احتیاط ملحوظ رہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں قبول کی جائیں۔ (فتح الباری ج ۱، ص ۱۷۴) اس قسم کا فرمان تمام صوبوں کے والیوں کو لکھا۔ (جامع بیان العلم و فضلہ ص ۳۸) اس حکم پر تمام محدثین سے حدیثیں تلاش کر کے ان کے مجموعے مرتب کیے گئے اور تمام ممالک محروسہ میں بھیجے گئے۔ سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے دفتر کے

دفتر حدیثیں لکھیں اور انہوں نے اس کا ایک ایک مجموعہ تمام ممالک محروسہ میں بھیجا۔
(تہذیب الہندیہ ترجمہ عاصم بن قتادہ)

مغازی اور مناقب صحابہؓ کی تعلیم و اشاعت : مغازی اور مناقب صحابہؓ کی جانب اس وقت تک عملی حیثیت سے کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی تھی۔ سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عاصم بن قتادہ کو جو مغازی اور سیرت کے بڑے عالم تھے، حکم دیا کہ وہ جامع دمشق میں ان دونوں چیزوں کا درس دیا کریں (اخبار الحکماء عند کرمہ ماسر جو یہ)

بعض یونانی تصانیف کی اشاعت : اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اصل مقصد مذہبی تعلیم یعنی کتاب و سنت کی اشاعت تھا، لیکن انہوں نے غیر قوموں کے علم سے بھی فائدہ اٹھایا۔ مروان بن حکم کے زمانہ میں ایک یونانی حکیم کی طبی کتاب کا ترجمہ ماسر جو یہ نے کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی نقلیں کرا کے ملک میں انہیں شائع کیا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۸۸) غرض حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی علم نوازی کی وجہ سے ان کے دور میں علم و تعلیم کی کافی اشاعت ہوئی۔

فضائل اخلاق : اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مجددانہ کارناموں کے بعد آپ کے فضائل اخلاق پر روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ درحقیقت یہ سب فضائل اخلاق ہی کے پرتو ہیں، لیکن محض اس خیال سے کہ خالص اخلاقی رخ بھی سامنے آجائے۔ آپ کے فضائل اخلاق کے کچھ واقعات بھی لکھ دیئے جاتے ہیں۔

خشیت الہی : تمام فضائل اخلاق کا سرچشمہ خشیت الہی ہے۔ حکومت کا جاہ و جلال اللہ تعالیٰ سے غافل اور مواخذہ سے بے خوف بنا دیتا ہے، لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ کے دل کو اسی شئی نے خوف و خشیت سے لبریز کر دیا تھا۔ معمول تھا کہ عشاء کے بعد تنہائی میں بیٹھ کر رور و رومائیں کرتے تھے۔ اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی۔ بیدار ہوتے تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا اور ساری ساری رات اسی طرح گزر جاتی۔

ذمہ داری کا احساس اور مواخذہ کا خوف اس خشیت الہی کا نتیجہ تھا کہ آپ خلافت کی ذمہ داریوں اور امت کے حقوق کے خوف سے لرزہ بر اندام رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے آپ کے شبینہ مشغلہ کو دیکھ کر اس کا سبب پوچھا آپ نے نالا مکرانہوں نے اصرار کیا کہ میں اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے، سیاہ و سپید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں۔ اس لیے جب میں جس بے کس، غریب محتاج، فقیر، گم شدہ اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں، جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ ﷺ ان کے مدعی ہوں گے۔ ایسی حالت میں اگر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی معقول عذر اور دلیل نہ پیش کر سکا تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور جتنا میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اتنا ہی میرا دل خوفزدہ ہوتا ہے (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ج ۱ ص ۱۸۸)

جب لوگ آپ کے گریہ و بکا کے متعلق کچھ کہتے تو آپ فرماتے کہ تم لوگ رونے پر مجھے ملامت نہ کرو، کیونکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلہ میں عمر پکڑا جائے گا۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ج ۱ ص ۲۹۱، ۲۹۲)

اپنے ایک فوجی افسر سلیمان بن ابی کریمہ کو ایک مرتبہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و خشیت کا سب سے زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جس کو اس نے آزمائش میں ڈالا۔ جس میں میں ہوں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں۔ میں اپنی حالت سے سخت دل گرفتہ ہوں۔ مجھے خوف ہے کہ میرے یہ حالات مجھے ہلاک نہ کر دیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جانے والے ہو، میری حالت پر خطرہ اور میرا خطرہ بہت بڑا ہے۔ (ابن سعد ج ۵ ص ۱۹۲)

تقویٰ و تورع : آپ کے فضائل اخلاق میں سب سے نمایاں تقویٰ و تورع تھا۔ یوں تو آپ کا تقویٰ ہر شعبہ زندگی میں نمایاں تھا، لیکن مسلمانوں کے مال میں آپ نے اس کا جو نمونہ پیش کیا۔ اس کی مثال سلاطین و فرمانرواؤں کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ بیت المال سے معمولی سا فائدہ بھی اٹھانا گوارا نہ تھا۔ رات کو جب تک خلافت کا کام کرتے تھے اس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے تھے۔ اس کے بعد گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلواتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص۔ ۲۳۷ و ابن سعد ج۔ ۵ ص۔ ۲۹۵)

بیت المال کی جانب سے فقراء و مساکین کے لیے جو مہمان خانہ تھا اس کے باورچی خانہ سے اپنے لیے پانی تک گرم نہ کراتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی لاعلمی میں ملازم ایک مہینہ تک عام مطبخ میں پانی گرم کرتا رہا۔ آپ کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کرا دی۔

(ابن سعد ج۔ ۵ ص۔ ۲۵۵)

ایک مرتبہ بیت المال میں بہت سے سیب آئے۔ آپ انہیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ کا چھوٹا بچہ ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ آپ نے اس کے منہ سے چھین لیا۔ وہ رونے لگا اور جا کر ماں سے شکایت کی۔ ماں نے بازار سے سیب منگوادیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ گھر واپس آئے تو انہیں سیب کی خوشبو معلوم ہوئی۔ پوچھا فاطمہ! سرکاری سیب تو یہاں نہیں آیا۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم میں نے اس کے منہ سے نہیں چھینا تھا بلکہ اپنے دل سے چھینا تھا۔ اس لیے مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں مسلمانوں کے حصہ کے سیب کے بدلہ میں اپنے کو اللہ کے حضور برباد کروں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص۔ ۱۶۱)

آپ کو لبنان کا شہد بہت مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ اس کی خواہش ظاہر کی تو آپ کی بیوی فاطمہ نے لبنان کے حاکم ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا۔ انہوں نے بہت سا شہد

بھجوا دیا۔ فاطمہ نے اسے عمر بن عبد العزیز کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا، معلوم ہوتا ہے تم نے ابن معد کیرب کے پاس کہلا بھیجا تھا، چنانچہ اس کو چکھا تک نہیں اور بکوا کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کرادی اور ابن معد کیرب کو لکھ بھیجا کہ تم نے فاطمہ کے کہلانے پر بھیجا ہے۔ اللہ کی قسم اگر آئندہ تم نے ایسا کیا تو اپنے عہدہ پر نہیں رہ سکتے اور میں تمہارے چہرہ پر نظر نہ ڈالوں گا۔ (سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۱۵۸)

احتیاط کا آخری نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ بیت المال کا مشک آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے ناک بند کر لی کہ خوشبو ناک میں نہ جانے پائے۔ لوگوں نے عرض کیا، امیر المؤمنین خوشبو سونگھنے میں کیا حرج ہے؟ فرمایا مشک کا انتفاع یہی ہے۔ (سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۱۰۳) تختِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد تحفہ و ہدیئے قبول کرنے بند کر دیئے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے پاس سیب اور دوسرے میوے بھیجے، آپ نے واپس کر دیا، بھیجنے والے نے آپ سے کہا کہ ہدیہ تو رسول اللہ ﷺ قبول فرماتے تھے، آپ نے جواب دیا، لیکن ہمارے اور ہمارے بعد والوں کے لیے وہ رشوت ہے۔ (سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۱۰۶)

تواضع و مساوات: بنی امیہ نے حاکم و محکوم اور آقا و غلام کی جو تفریق پیدا کر دی تھی، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسے بالکل مٹا دیا تھا اور خود مساوات کا عملی نمونہ قائم کیا۔ ملازمین تک کو تعظیم کے لیے اٹھنے کی ممانعت کر دی اور خود ان کے برابر بیٹھتے تھے۔ (سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۵۷) بلکہ ان کی خدمت میں بھی تامل نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ پنکھا جھلتے جھلتے ایک لونڈی کی آنکھ لگ گئی۔ آپ نے پنکھا لے کر خود ان کو جھلانا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو دیکھ کر گھبرائی۔ آپ نے فرمایا، آخر تم بھی میری طرح ہو، تم کو بھی گرمی لگتی ہوگی، جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھیں، میں نے بھی تم کو جھل دیا۔ (سیرۃ عمر بن عبد العزیز ص ۱۷۳) اگر ملازم سو جاتے تو خود اپنے ہاتھ سے کام

کر لیتے۔ ملازم کے آرام میں خلل نہ ڈالتے۔ ایک مرتبہ رجاہ بن حیوۃ سے گفتگو میں رات زیادہ گزر گئی اور چراغ جھلملانے لگا۔ ملازم قریب ہی سویا ہوا تھا۔ رجاہ نے جگانا چاہا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے روک دیا۔ رجاہ نے خود چراغ درست کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے انہیں بھی روک دیا اور خود اٹھ کر تیل لیا اور چراغ میں ڈال کر واپس آئے اور فرمایا جب میں اٹھا، تب بھی عمر بن عبدالعزیزؓ تھا اور اب بھی عمر بن عبدالعزیزؓ ہوں۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۷۳، ۱۷۴) آپ کی سادگی، تواضع اور مساوات اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ جو لوگ آپ کو پہچانتے نہ تھے، انہیں عام مجموعوں میں پہچاننے کی دقت ہوتی تھی۔ (سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۷۳، ۱۷۴)

زہد و ورع: خلافت ملنے سے پہلے آپ کی زندگی جس عیش و تنعم کی تھی، اس کی تصویر اوپر گزر چکی ہے۔ خلافت کے بعد سارے تکلفات سے دستکش ہو گئے اور ابوذر غفاریؓ کا قالب اختیار کر لیا۔ لونڈی، غلام، فروش، لباس وغیرہ جملہ عیش و تکلف کے سامانوں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی تھی۔ گزارے کے لیے چار سو دینار سالانہ لیتے تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ لیتے تھے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۱۷۲، ۱۷۳ ابن سعد ج ۵، ص ۲۹۶)

لباس: ایک زمانہ میں چار سو کی قیمت کا کپڑا جسم پر بار معلوم ہوتا تھا اور دن بھر کئی کئی جوڑے بدلے جاتے تھے۔ اب صرف ایک جوڑا رہ گیا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔ (ابن سعد ج ۵، ص ۱۵۴) پھر ایک جوڑا بھی سالم نہ ہوتا تھا بلکہ پیوند پر پیوند لگے ہوتے تھے۔ آپ کے بچے بھی اسی تنگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی بچی آمنہ کے پاس کپڑا نہ تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ فرش پھاڑ کر کرتہ بنا دیا جائے۔ آپ کی بہن کو معلوم ہوا تو ایک تھان بھجوا دیا اور منع کر دیا کہ عمر سے نہ مانگنا۔ (ابن سعد ج ۵، ص ۱۵۴) ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے کپڑے مانگے۔ آپ نے ان سے فرمایا، خیابن رباح کے پاس رکھے ہیں۔ ان سے جا کر لے لو۔ عبداللہ

گئے تو خیار نے گزری کے کپڑے نکال کر دیئے۔ یہ لڑکے تھے۔ بولے یہ تو ہمارے پہننے کے لائق نہیں ہیں۔ خیار نے کہا، میرے پاس امیر المومنین کے یہی کپڑے ہیں۔ عبداللہ نے جا کر واپس حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے بھی یہی کہا۔ انہوں نے فرمایا۔ میرے پاس تو یہی کپڑے ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ مایوس ہونے لگے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے واپس بلا کر کہا کہ اگر اپنے وظیفہ سے پیشگی لینا چاہو تو لے سکتے ہو، چنانچہ دو سو درہم دلوائے اور وظیفہ تقسیم کرتے وقت کاٹ لیے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیزؓ ص ۲۷۳)

یزید بن عبدالملک

(۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ مطابق ۷۱۹ء تا ۷۲۳ء)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی وفات کے بعد رجب ۱۰۱ھ میں یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس کی ماں عاتکہ، یزید بن معاویہ کی لڑکی تھی۔ تخت نشینی کے بعد یزید نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی اور ان کی اصلاحات کو قائم رکھا لیکن چالیس دن سے زیادہ نہ چلا سکا۔ اس کے بعد تمام اصلاحات کو منسوخ کر کے پھر وہی پرانا استبدادی نظام جاری کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۷) اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کیے۔

یزید بن مہلب کی بغاوت اور اس کا خاتمہ: مامور اموی امیر مہلب بن ابی صفرہ کے کارنامے اوپر گزر چکے ہیں۔ اس کی خدمت اور کارناموں کی وجہ سے اس کی اولاد کو بڑا عروج ہوا۔ اس کے سب لڑکے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہوئے اور ان کا اقتدار اتنا بڑھا کہ وہ اپنے حدود حکومت میں چھا گئے تھے۔ جس طرح چاہتے تھے، حکومت کرتے تھے، خلفاء کو بھی انہیں ٹوکنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

سلیمان کے زمانہ میں یزید بن مہلب خراسان کا مختار کل تھا۔ سلیمان کی وفات

ہیں تو اس نے عدی سے مصالحت کی کوشش کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ بصرہ میں آل مہلب کے حامیوں کی بڑی تعداد تھی، ان کی مدد سے اس نے عدی کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور بصرہ پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ دار الحکومت پر قبضہ کے بعد عراق اور اس کے پورے ماتحت علاقہ سے اموی حکومت اٹھ گئی اور مہلب نے فارس وغیرہ میں اپنے عمال مقرر کر دیئے۔ یزید بن عبد الملک کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبد الملک کو اس کے مقابلہ کے لیے عراق روانہ کیا۔ اس وقت ابن مہلب نے یزید بن عبد الملک کی بیعت فسخ کر کے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے ذریعہ بنی امیہ کے مقابلہ پر آمادہ کیا اور انہیں یقین دلایا کہ ان سے جہاد کرنا ترک و یتیم کے ساتھ جہاد سے بہتر ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ ابھی کل تک یہی شخص بنی امیہ کی جانب سے حاکم تھا۔ اور ان کی خوشنودی کے لیے لوگوں کی گردنیں کاٹا تھا اور آج وہ انہی لوگوں کو ان کے خلاف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی دعوت دے رہا ہے لیکن آپ کو لوگوں نے خاموش کرادیا۔

مسلمہ کے عراق پہنچنے کے بعد ابن مہلب نے اپنے مقبوضات کی حفاظت کے انتظامات کیے۔ اپنے بھائی مروان کو بصرہ کی اور لڑکے معاویہ کو واسط کی نگرانی پر مامور کر کے خود مسلمہ کے مقابلہ کے لیے کوفہ کی طرف بڑھا۔ اس کا بھائی مقدمۃ الجیش کے ساتھ آگے تھا۔ چنانچہ پہلے اس کا اور عباس بن عبد الملک اموی کا مقابلہ ہوا۔ عبد الملک کو شکست ہوئی اور وہ لوٹ کر ابن مہلب سے مل گیا۔ اس کے بعد انبار کے قریب مسلمہ اور یزید بن مہلب کا سامنا ہوا۔ ابن مہلب کے ساتھ ایک لاکھ فوج تھی۔ ابھی جنگ شروع نہ ہوئی تھی کہ مسلمہ کے آدمیوں نے فرات کے پل میں آگ لگا دی۔ یہی عراقیوں کے گزرنے کا راستہ تھا۔ وہ پل سے دھواں اٹھتے دیکھ کر اتنے بدحواس ہو گئے کہ ان کی بڑی تعداد نے بغیر لڑے میدان چھوڑ دیا۔ ابن مہلب نے

ہرچند سنبھالنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس ہنگامہ میں اس کا بھائی حبیب قتل ہوا۔ اس کے قتل کے بعد ابن مہلب اپنی مختصر جماعت کے ساتھ جان پر کھیل گیا اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑ کر جان دی۔ اس کا دوسرا بھائی منضل الگ ایک جتھے کے ساتھ برسر پیکار تھا۔ ابن مہلب نے پہلے سے اس کا انتظام کر لیا تھا کہ اگر اسے اس معرکہ میں شکست ہوگی تو قذائبیل یعنی (سندھ) میں جو اس کے ماتحت تھا، ”پناہ لے گا۔ اس لیے منضل بن مہلب اپنے خاندان کو لے کر قذائبیل روانہ ہو گیا۔ ایک اموی سردار نے اس کا تعاقب کیا اور منضل کے بقیہ ساتھی بھی مارے گئے لیکن وہ خود کسی طرح جان بچا کر نکل گیا۔ قذائبیل پہنچنے کے بعد یہاں کے حاکم وداع بن حمید نے دھوکہ دیا اور منضل کو شہر میں داخل ہونے سے روکا۔ اس نے بزور داخل ہونا چاہا لیکن اب اس کے پاس کوئی قوت نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے منضل، عبدالملک، زیاد اور مروان خاندان مہلب کے تمام ارکان مارے گئے۔ صرف چند صغیر اس بچ گئے۔ انہیں مع عورتوں کے قید کر کے مسلمہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس افسوسناک طریقہ پر اس نامور خاندان کا خاتمہ ہوا جس کی اموی حکومت میں بڑی خدمات تھیں۔ (ابن اثیر میں اس بغاوت اور اس کے خاتمہ کی تفصیلات بہت طویل ہیں، ہم نے ان کا خلاصہ نقل کیا ہے)

قصر باہسلی پر ترکوں کا قبضہ: آل مہلب کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد یزید نے اپنے بھائی مسلمہ کو عراق کا گورنر جنرل مقرر کیا۔ اس نے اپنے داماد سعید بن عبدالعزیز کو خراسان کا والی بنا دیا۔ ترکستان کے باشندے بڑے سرکش اور جنگجو تھے۔ صرف قوت سے دبتے تھے اور سعید بڑا عیش پرست، کمزور اور نرم دل تھا۔ اس لیے ترکستان کی تمام قوموں کا حوصلہ بڑھ گیا اور خاقان کے اشارہ سے ترکوں کا ایک جرگہ اسلامی حدود میں گھس آیا اور مقام قصر باہلی کو جس میں بہت سے مسلمان آباد تھے، گھیر لیا۔ ان لوگوں نے عثمان بن عبداللہ والی سمرقند سے مدد

اس لیے ۱۰۳ھ میں وہ معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ سعید بن ہبیرہ کا تقرر ہوا۔ یہ بڑے دبدبہ اور شکوہ کا شخص تھا۔ اس نے آتے ہی مسلمانوں کو گرمایا کہ ”تم لوگ کثرت تعداد کے بل پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر لڑتے ہو اس کا نام لے کر کھڑے ہو جاؤ“۔ صغد کو اس کی خبر ہوئی تو وہ ڈر گئے اور فرمانہ کے فرمانروا سے نجدہ میں قیام کی اجازت چاہی۔ اس نے یہاں ٹھہرانے سے انکار کیا، البتہ ایک پرگنہ میں رہنے کی اجازت دے دی اور اس کے خالی ہونے تک عارضی طور پر ایک دوسرا مقام تجویز کر دیا، مگر اس دوران میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی۔ صغد نے عارضی قیام کے لیے شعب عصام کو پسند کیا۔ سعید خنسی کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً روانہ ہو گیا اور قبل اس کے کہ صغد شعب عصام میں داخل ہوں پہنچ گیا اور ہر طرف سے انہیں گھیر لیا۔ صغد نے فرمانروائے فرمانہ سے مدد طلب کی۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تمہارے قیام کے مستقل انتظام سے پہلے حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی تھی۔ یہ جواب سن کر صغد نے مجبور ہو کر اس شرط پر صلح کر لی کہ ان کے پاس جتنے مسلمان قیدی ہیں سب واپس کر دیں گے اور ان کی بغاوت کی وجہ سے خراج میں جو کمی ہوئی ہے اسے پوری کر دیں گے۔ آئندہ کوئی فریب نہ کریں گے اور نجدہ چھوڑ دیں گے اور اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو مسلمانوں کو جنگ کا اختیار رہے گا۔ ابھی یہ شرائط پورے نہ ہوئے تھے کہ صغد نے ایک مسلمان عورت کو قتل کر دیا۔ سعید کو معلوم ہوا تو انہوں نے صرف قاتل کے قتل پر اکتفا کیا، لیکن اس بد عہدی کے بعد ایک صغد سردار کو سعید کی جانب سے اطمینان نہ رہ گیا۔ اس نے علم بغاوت بلند کر دیا اور اسلامی آبادی پر تاخت کر کے چند مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ یہ سردار تو کسی نہ کسی طرح قتل کر دیا گیا، لیکن اس کے بعد کل صغد باغی ہو گئے اور ڈیڑھ سو مسلمان قیدیوں کو جو ان کے قبضہ میں تھے، تہ تیغ کر ڈالا۔ اس لیے دوبارہ سعید بڑے جوش و خروش سے ان کے مقابلہ کے لیے اٹھے اور ایک پورے جہرہ کو ختم کر کے صغد کے علاقہ میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور ان کی طاقت

کو توڑنے کی پوری کوشش کی۔

ککش اور نسف کسی اطاعت : ککش اور نسف کے علاقے مسلمانوں کے پرانے باجگزار تھے۔ انہوں نے سعد کی بغاوت میں مسلمانوں کے خلاف انہیں مدد دی تھی۔ اس لیے سعد سے بٹنے کے بعد سعید ککش پہنچے۔ اہل ککش نے بغیر کسی مزاحمت کے صلح کر لی۔ ککش کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد سعید نے مسربل بن خریث کو نسف کے فرمانروا کو سمجھانے کے لیے بھیجا۔ مسربل نے جا کر سمجھایا کہ ”تم باغیوں کا انجام دیکھ چکے ہو، تمہاری خیر اسی میں ہے کہ مسلمانوں کی پیش قدمی سے پہلے ان کی اطاعت قبول کر لو ورنہ تمہارا بھی وہی انجام ہوگا۔“ اس میں اور مسربل میں پرانے تعلقات تھے۔ اس نے اس خیر خواہانہ مشورہ کو قبول کیا اور اپنے کو سعید کے حوالہ کر دیا، لیکن سعید نے ان کی خطا معاف نہیں کی اور خراسان لیجا کو قتل کر دیا۔

خزرجہ پر حملہ : ترکستان کے بعد دوسرا مخدوش علاقہ خزرج کا تھا۔ اس لیے ۱۰۴ھ میں اس علاقہ پر فوج کشی ہوئی۔ خزرج قحاق اور ارمن نے متحد ہو کر مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کو فاش شکست ہوئی۔ اس کامیابی سے ان کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور انہوں نے سرحد پر بہت بڑا اجتماع کیا۔ یزید کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے جراح بن عبداللہ حکمی کو آرمینیا کا حاکم مقرر کیا اور خزرج کے مقابلہ کے لیے شام سے فوج روانہ کی۔ جراح اسے لے کر خزرج کے علاقہ میں داخل ہوا اور باب الابواب میں فوجیں پھیلا دیں۔ دریائے ران پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد خزرج نے فاش شکست کھائی اور ان کا کل سامان مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد بلجرج کی طرف بڑھے اور راستے میں شہر برغو کو مطیع کر کے بلجرج کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ بڑا سنگین اور مستحکم قلعہ تھا۔ اہل قلعہ نے تین سو گاڑیوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر قلعہ کے چاروں طرف ان کا حصار قائم کر دیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو بڑھنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ چند مسلمان ہمت کر کے گاڑیوں کی طرف بڑھے۔ اہل قلعہ نے تیروں کا یمنہ برسا دیا،

لیکن وہ جان پر کھیل کر گاڑیوں تک پہنچ گئے اور وہ رسا جس میں گاڑیاں بندھی ہوئی تھیں، کاٹ دیا۔ اس کے کٹتے ہی سب گاڑیاں لڑھک کر نیچے آ گئیں اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا۔ خزر نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن انہیں شکست ہوئی اور مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور اس کی بے شمار دولت ان کے ہاتھ آئی۔ قلعہ پر قبضہ کے بعد قلعہ دار مسلمانوں سے مل کر ان کا جاسوس بن گیا۔ اس کے صلہ میں جراح بن عبداللہ حکمی نے قلعہ مع نقد و جنس اسے واپس کر دیا۔ بلخر کے بعد قلعہ الو بندر کا رخ کیا۔ یہاں چالیس ہزار ترک خانوادے آباد تھے۔ ان لوگوں نے بغیر کسی مزاحمت کے صلح کر لی، لیکن ابھی جراح الو بندر میں تھے کہ دوسرے ترکمانی قبائل نے مسلمانوں کی ناکہ بندی کر دی۔ بلخر کے علاقہ دار نے فوراً اس کی اطلاع دی۔ اس لیے جراح رستاق ملی واپس چلے آئے اور دارا خلافت سے مزید فوجیں طلب کیں۔ ابھی جراح رستاق ملی میں مقیم تھے کہ یزید کا وقت آخر ہو گیا اور یہ مہم ہشام کے زمانہ میں تکمیل کو پہنچی۔

یہ طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے۔ (یہ تمام حالات طبری اور ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں) یعقوبی کا بیان ہے کہ بلخر کی فتح کے بعد جراح نے اس کے فرمانروا کا تعاقب کیا۔ دریائے دہل پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہو گیا۔ جراح اس مقابلہ میں کام آئے۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۳۷۴) لیکن یہ بیان بالکل غلط ہے۔ ہشام کے زمانہ میں جراح بہت دنوں تک اس نواح کی مہمات میں مشغول رہے۔

متفرق فتوحات : ان فتوحات کے علاوہ یزید کے زمانہ میں بعض معمولی فتوحات بھی حاصل ہوئیں۔ ۷۰۳ھ میں روم میں عباس بن ولید نے دلسہ اور ۷۰۵ھ میں مروان بن محمد نے قونیہ فتح کیا۔

خوارج : بعض مقاموں پر خوارج نے بھی سر اٹھایا، لیکن ان کا فتنہ بڑھنے نہ پایا۔ ۷۰۵ھ میں عتقان خارجی اٹھا، لیکن اس کی جماعت بہت مختصر تھی، جسے محض دھمکا کر

منتشر کر دیا گیا۔ اسی سنہ میں بحرین میں مسعود بن ابی زینب عبدی اٹھا اور یمامہ پر حملہ آور ہوا۔ یہاں کے والی سفیان بن عمرو عقیلی نے آسانی سے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد ہلال ابن مدلج نے اس کی جگہ لی یہ بھی شکست کھا کر قتل ہوا۔

ولسی عہد دی : تخت نشینی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یزید نے اپنے بھائی ہشام اور اس کے بعد اپنے لڑکے ولید کو نامزد کر دیا تھا۔

وفات : شعبان ۱۰۵ھ میں سل کی بیماری میں یزید کا انتقال ہوا۔ اس وقت چالیس سال کے قریب عمر تھی۔ مدت خلافت چار سال ایک مہینہ کچھ دن۔ اس کی وفات کے سلسلے میں ایک یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ اسے ایک لونڈی حبابہ سے بڑی شیفنگی تھی وہ مر گئی۔ اس صدمہ کی وہ تاب نہ لاسکا اور چند ہی دنوں کے بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ ممکن ہے یہ روایت صحیح ہے اس لیے کہ یہ مسلم ہے کہ وہ سل کا مریض تھا ایسی حالت میں کسی صدمہ سے موت کا جلد واقع ہو جانا کچھ بعید نہیں۔

اولاد : یزید کے دس لڑکے تھے۔ ولید، یحییٰ، محمد، عمر، عبد الجبار، داؤد، ابوسلیمان، عوام، ہاشم۔

عراق کا بندوبست : یزید کا زمانہ بہت مختصر تھا اور اس مختصر زمانہ میں بھی کوئی اہم واقعات و حوادث نہیں پیش آئے۔ وہ طبعاً بہت آرام طلب اور عیش پرست تھا۔ اس لیے تعمیر حیثیت سے اس کے دور میں عراق کے بندوبست کے علاوہ کوئی چیز قابل ذکر نہیں ہے۔ حضرت عمر ؓ کے زمانہ سے عراق کا بندوبست نہیں ہوا تھا۔ یزید نے اپنے آخری دور میں دوبارہ بندوبست کرایا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۳۷۶-۳۷۷)

ہشام بن عبد الملک

(۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ مطابق ۷۲۳ء تا ۷۴۳ء)

یزید کے انتقال کے وقت اس کا بھائی اور ولی عہد ہشام بن عبد الملک پایہ تخت سے باہر رصافہ میں تھا۔ یہیں اس کے سامنے خاتم اور عصائے خلافت پیش کیا گیا اور

رمضان ۱۰۵ھ میں وہ دمشق آ کر تخت نشین ہوا۔ ہشام مدبر اور حوصلہ مندی میں عبدالملک کا شفیق تھا۔ اس لیے اس کی تخت نشینی کے بعد اموی حکومت میں پھر ایک حرکت اور گرمی پیدا ہو گئی۔ اس کا دور بیرونی مہمات، فتوحات اور اندرونی گونا گوں انقلابات و حوادث کے اعتبار سے بڑا ہنگامہ خیز تھا۔

ترکستان کسی مہمات: وسط ایشیا خاص طور سے لڑائیوں کا مرکز رہا اور فرمانروائے ترکستان خاقان مارا گیا۔ وسط ایشیا کے چھوٹے چھوٹے باجگوار فرمانروا بڑے سرکش تھے۔ جہاں ذرا گرفت ڈھیلی ہوتی وہ باغی ہو جاتے تھے۔ اس کے آزاد فرمانروا اسلامی مقبوضات پر تاخت کیا کرتے تھے۔ اس لیے ہشام نے ان کا زور توڑنے اور انہیں مستقل قابو میں لانے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں ترک و تاتار وغیرہ کی تمام قومیں مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور کابل و ترکستان سے لے کر ارمنستان تک آگ لگ گئی، لیکن ہشام کی ہمت اور تدبیر نے ان سب پر قابو حاصل کر لیا۔ ہشام کی تخت نشینی کے وقت عمر بن ہبیرہ عراق کا گورنر جنرل تھا۔ ہشام نے اس کی جگہ خالد بن عبداللہ کا تقرر کیا۔ اس وقت ترکوں کے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی تھی اور مسلم بن سعید والی خراسان ان کے مقابلہ میں تھا۔ یہ خالد کے حکم سے فرمانہ کی طرف بڑھا۔ یہاں کے فرمانروا نے مسلمانوں کو ہر طرف سے گھیر لیا اور وہ بڑے خطرہ میں پھنس گئے، لیکن مسلم کسی نہ کسی طرح بچا کر نکال لایا۔ اس مہم کے بعد خالد نے مسلم خراسان سے ہٹا کر اپنے بھائی اسعد بن سعید کو اس کی جگہ بھیجا اور جنید بن عبدالرحمن کو سندھ کی ولایت پر مامور کیا (جنید نے سندھ پہنچ کر بہت سی فتوحات حاصل کیں، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی)

اسد نے ۱۰۷ھ میں غور پر فوج کشی کی۔ غوری اپنا کل مال و متاع ایک غار میں چھپا کر خود ہٹ گئے۔ اسد اسے نکلوا کر صحیح و سالم واپس آیا اور چند دنوں کے بعد ۱۰۸ھ میں دوبارہ حملہ کر کے غوریوں کو شکست دی۔ اس میں قبائلی عصبیت زیادہ تھی۔ جس سے

قبائل میں جنگ کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ۱۰۹ھ میں ہشام نے اسے معزول کر کے امیر اشرس بن عبداللہ سلمیٰ کو خراسان کا حاکم بنایا۔ یہ بڑا فاضل اور دیندار امیر تھا۔ اس نے تلواریں روک کر ترکستان میں اسلام کی اشاعت کی کوشش شروع کی اور ابوالمصیداء کو ایک جماعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے سمرقند بھیجا۔ ان کی کوشش سے اس کثرت سے ذمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی۔ یہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانہ نہ تھا کہ اسلام کی اشاعت کے مقابلہ میں جزیہ کی آمدنی کی پرواہ نہ کی جاتی۔ اس لیے اشرس کو باز پرس کا خطرہ پیدا ہوا، چنانچہ انہوں نے سمرقند کے عامل حسین بن عمر طہ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ذمیوں نے جزیہ سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے۔ اس لیے اس وقت تک ان کا جزیہ معاف نہ کیا جائے جب تک وہ ختنہ نہ کرائیں اور اسلامی فرائض ادا کر کے اپنے سچے مسلمان ہونے کا ثبوت نہ دیں اور حسین بن طہ کی جگہ ہانی بن ہانی کو سمرقند بھیجا۔ اس نے تحقیقات کر کے لکھا کہ ”نومسلم اسلامی فرائض ادا کرتے ہیں اور مسجد بھی بنالی ہے لیکن اس اطلاع کے بعد بھی اشرس نے جزیہ کی وصولی کا حکم قائم رکھا۔ نومسلموں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور سات ہزار آدمی جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ بہت سے حق پسند مسلمانوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۵۴)

اشرس کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے بشار بن مزاحم کو بھیجا۔ اس نے بعض ان مسلمانوں کو جنہوں نے نومسلموں کی حمایت کی تھی، حیلہ سے قید کر کے جزیہ کی معافی کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے بعد جب نومسلموں کا جتھا منتشر ہو گیا، اس وقت بشار نے ان کے تمام سرغنوں اور ان کے حمایتی مسلمانوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور ان سے زبردستی جزیہ وصول کیا۔ اس جبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ صغد اور بخارا میں پھر بغاوت پھیل گئی۔ ترکوں نے ان کا ساتھ دیا اور سارے ماوراءالنہر میں شورش پھا ہو گئی۔ اشرس اور قطن بن قتیبہ نے نیچوں کو عبور کر کے باغیوں کے مرکز بیکند کا محاصرہ کر لیا۔ ترکوں نے ان کا پانی

روک دیا۔ اس لیے وہ محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور پانی کی تلاش میں نکلے۔ ترکوں نے روکنے کی کوشش کی، لیکن مسلمانوں نے شکست دے کر پانی حاصل کر لیا۔ ابھی یہ معرکہ ختم ہوا تھا کہ ترکستان کے فرمانروا خاقان نے خراسان کے ایک بڑے شہر کمرجہ کا جس میں زیادہ تر مسلمانوں کی آبادی تھی، محاصرہ کر لیا۔ محصور مسلمانوں نے شہر کے پھاٹک بند کر کے پوری مدافعت کی۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ اسلامی فوجیں فرغانہ تک پہنچ گئیں۔ ان کی اطلاع پا کر خاقان نے کمرجہ کے محصورین سے کہا، بھیجا کہ ”ہم جس شہر کا محاصرہ کرتے ہیں اسے بغیر فتح کیے ہوئے نہیں ملتے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم لوگ شہر خالی کر کے چلے جاؤ۔ ہم کوئی مزاحمت نہ کریں گے۔ مسلمانوں نے جواب میں کہلایا کہ ”ہمارا مذہب ہمیں اپنے کو دشمن کے حوالہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے جو کچھ تمہارے بس میں ہے کر گزرو“۔ ان کا استقلال دیکھ کر خاقان نے ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ کمرجہ چھوڑ دیں تو انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، مسلمانوں کے پاس مدافعت کی قوت نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے پورا اطمینان حاصل کرنے کے بعد کمرجہ خالی کر دیا۔ خاقان وعدہ پر قائم رہا اور مسلمانوں کو دہائیوں تک پہنچانے کے لیے ایک دستہ ساتھ کر دیا اور وہ بحفاظت دہائیوں تک پہنچ گئے۔

۱۱۱ھ میں اشروس کی جگہ جنید بن عبدالرحمن مری کا تقرر ہوا۔ اس نے بھی ترکستان کی مہم جاری رکھی اور ترکوں کے ساتھ کئی معرکے ہوئے۔ آخری معرکہ میں ترکوں نے بڑی فاش شکست کھائی اور خاقان کا چچا زاد بھائی گرفتار ہوا۔

۱۱۲ھ میں جنید نے طخارستان پر فوج کشی کی۔ یہ ادھر مشغول تھا، دوسری طرف ترک ہر طرف سے سمرقند پر امنڈ آئے۔ یہاں کے حاکم سورہ بن ابجر نے جنید کو خطرہ کی اطلاع دی۔ اس نے فوج کو سمرقند کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ بعض تجربہ کار لوگوں نے کہا کہ ترکوں کا مقابلہ ہے۔ سب فوجیں منتشر ہیں۔ پچاس ہزار فوج سے کم کام نہ چلے گا۔ انہیں اکٹھا کرنے کے بعد سمرقند کا قصد کرنا چاہیے، لیکن سمرقند کے مسلمانوں

کی جان کے خوف سے جنید نے توقف پسند نہ کیا اور جتنی فوج پاس تھی۔ اسی کو لے کر روانہ ہو گیا اور سمرقند کے قریب پہنچ کر ایک گھاٹی میں خیمہ زن ہوا۔ ابھی یہ پہنچا ہی تھا کہ خاقان سعد، فرغانہ اور چاچ وغیرہ کی ٹڈی دل فوج کے ساتھ آ گیا۔ سب سے پہلے مسلمانوں کے مقدمتہ الحیش کا سامنا ہوا۔ خاقان اسے شکست دے کر پیچھے ہٹاتا ہوا اسلامی لشکر گاہ تک لے آیا۔ جنید نے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ دو دن تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ فریقین بڑی شجاعت و پامردی سے لڑے اس معرکہ میں بہت سے مسلمان بہادر کام آئے اور آخر میں ان کا پہلو کمزور پڑ گیا۔ جنید نے سورہ بن ابجر کو جو قریب ہی سمرقند میں تھا، اطلاع دے کر مدد طلب کی۔ وہ بارہ ہزار فوج لے کر مدد کے لیے روانہ ہوا۔ راستہ میں ترک حائل تھے۔ انہوں نے روکا اور راستہ بند کرنے کے لیے جھاڑیوں میں آگ لگا دی۔ سورہ نے ریلا کر کے نکل جانا چاہا، ترک مقابلہ میں آگئے۔ سورہ نے انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ اس داروگیر میں بہت سے ترک اور مسلمان آگ کی لپیٹ میں آ گئے۔ سورہ گھوڑے سے گر پڑا اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی جس کے صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور ترکوں نے اس کی پوری فوج تہ تیغ کر دی۔ بارہ ہزار فوج میں سے کل دو ہزار زندہ بچے۔ ان میں سے سات سو آدمیوں نے مرغاب میں پناہ لی۔ ایک ترک افسر غورک ان سے جان بخشی کا وعدہ کر کے انہیں خاقان کے پاس لے گیا، لیکن اس نے غورک کی امان رد کر دی اور مسلمانوں نے لڑ کر مردانہ وار جان دی۔ سورہ کی فوج کی تباہی کی خبر سن کر جنید نے سمرقند سے نکل جانا چاہا، لیکن ایک مسلمان نے اس کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اس درمیان میں ترک بھی پہنچ گئے۔ اس لیے جنید کے لیے جنگ کے سوا چارہ کار نہ رہ گیا۔ اس لیے اعلان کر دیا کہ ”جو غلام اس جنگ میں کارنمایاں دکھائے گا وہ آزاد ہے۔ اس اعلان پر غلام اس بہادری سے لڑے کہ ترکوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔

ترکوں سے ہٹنے کے بعد جنید سمرقند میں داخل ہوا اور ہشام کو مفصل حالات لکھ

نہیجے۔ اسے سورہ کی موت کا بڑا صدمہ ہوا اور ترکوں سے انتقام لینے کے لیے بیس ہزار منتخب فوج اور بہت سا سامان حرب بھیجا اور جنید کو فوجوں کی تنخواہوں میں اضافہ کا بھی اختیار دے دیا۔ ابھی جنید سمرقند ہی میں تھا کہ اسے بخارا کی جانب خاقان کی پیش قدمی کی خبر ملی۔ سمرقند سے بخارا کا راستہ بڑا پرخطر اور دشوار گزار تھا۔ ہر قدم پر ترکوں کے حملہ کا خوف تھا، لیکن اہل بخارا کی مدد کے لیے پہنچنا ضروری تھا۔ اس لیے جنید حفاظت کے پورے اہتمام کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ کریمینہ کے قریب خاقان کے ایک دستہ کا سامنا ہو گیا، لیکن محض معمولی جھڑپ ہوئی۔ اس سے آگے بڑھ کر ترکوں نے اسلامی فوج کے پچھلے حصہ پر چھاپا مارا۔ اس حملہ میں خود ان کا ایک نامور افسر کام آ گیا۔ اس لیے وہ لوگ لوٹ گئے اور جنید بغیر و خوبی بخارا پہنچ گیا۔ اس کے پہنچنے کے بعد پھر ترکوں نے ادھر بڑھنے کی ہمت نہ کی۔

۱۱۶ھ میں جنید کی جگہ خراسان کی ولایت پر عاصم بن عبد اللہ ہلالی کاقرر ہوا۔ اس کے خراسان پہنچنے کے ساتھ ہی ایک مسلمان امیر حارث بن شریح نے علم بغاوت بلند کر دیا اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی دعوت کے ذریعے ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کی مدد سے بلخ، جوزجان، خالقان اور مرو و الزور وغیرہ بہت سے شہروں پر قبضہ کر کے خراسان کے پایہ تخت مرو کی طرف بڑھا، لیکن عاصم نے اسے شکست دے کر لوٹا دیا۔ اس کے پیشوا آدمی مارے گئے۔ بہت سے ڈوب کر مرے اور خود عاصم چند ہزار آدمیوں کے ساتھ بچ کر نکل گیا۔ انتظامی حیثیت سے خراسان کا صوبہ ہمیشہ سے عراق کے ماتحت رہا تھا، کچھ دنوں سے اس کو عراق سے الگ کر دیا گیا تھا۔ حارث کی بغاوت کے بعد عاصم نے ہشام سے درخواست کی کہ جب تک خراسان کو عراق سے ملحق نہ کیا جائے گا اس وقت تک اس کا انتظام سنبھالنا مشکل ہے کہ اس الحاق سے اسے عراق کی حکومت بھی مل جائے گی، لیکن ہشام نے خراسان کا عراق سے الحاق کر دیا مگر اسے عاصم کے ماتحت کرنے کی بجائے خالد بن عبد اللہ

قمری والی عراق کے ماتحت رکھا اور اس کے بھائی اسد کو خراسان کا والی مقرر کیا۔

گوحارث نے شکست کھائی تھی، لیکن جن شہروں پر وہ قبضہ کر چکا تھا وہ اب تک

اس کے قبضہ میں تھے۔ اس لیے اس نے دوبارہ قوت حاصل کر لی۔ عاصم اس کے

مقابلہ کی تیاری کر رہا تھا کہ اسد خراسان پہنچ گیا۔ عاصم کو اپنی معزولی اتنی ناگوار ہوئی

کہ اس نے حارث سے مل جانا چاہا، لیکن شامی فوج نے انکار کیا، اس لیے مجبوراً

حارث سے لڑنا پڑا۔ اس مرتبہ بھی حارث نے شکست کھائی، اسے شکست دینے کے

بعد اسد نے عاصم کو گرفتار کر لیا۔ اس دوسری شکست کے بعد بھی حارث کی قوت نہ ٹوٹی،

بلکہ اس کی شورش اور بڑھ گئی اور خراسان کے اور بہت سے شہروں پر اس نے قبضہ کر

لیا۔ اس کے اور اسد کے درمیان مہینوں معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ بڑی دشواریوں کے

بعد ۱۱۸ھ میں حارث کا زور ٹوٹا اور وہ خراسان سے بھاگ کر خاقان سے مل گیا۔

حارث کی شورش ختم کرنے کے بعد اسد نے پھر ترکستان کی طرف توجہ کی اور ۱۱۹ھ میں

ختل کے کئی قلعوں کو چھین لیا۔ خاقان کو معلوم ہوا تو وہ فوراً مقابلہ کے لیے پہنچا۔ اسد

اس وقت واپس ہو رہا تھا، جنوں کے پار دونوں کا سامنا ہوا۔ خاقان نے شکست کھائی

اور اسد بخارا لوٹ گیا اور سردیوں کا موسم یہیں بسر کیا۔ سردی ختم ہونے کے بعد

خاقان پھر بخاری پہنچا، لیکن اس مرتبہ بھی اسے شکست ہوئی اور اس کا بہت سا سامان

مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اس معرکہ کے بعد ایک نامور ترک سردار کو رصول کے

ساتھ چوگان کھیلنے میں خاقان کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ خاقان بگڑ گیا اور قسم کھائی کہ وہ کو رصول

کا ہاتھ توڑ کر رہے گا۔ اس دھمکی پر کو رصول خاقان کے خلاف ہو گیا اور بنخون مار کر

اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد ترکوں کا شیرازہ بکھر گیا اور ان میں خانہ جنگی شروع

ہو گئی، اس سے فائدہ اٹھا کر اسد نے ختل پر فوج کشی کر دی۔ ترک مقابلہ نہ کر سکے اور

ختل چھوڑ کر چین چلے گئے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد کو رصول کو اپنا قائد بنایا۔

۱۲۰ھ میں اسد کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ نصر بن سیار کنانی کا قعر ہوا۔ یہ بڑا

مدیر منتظم اور بہادر امیر تھا۔ اس نے ہر شعبہ کو بڑی ترقی دی۔ مظالم کی تحقیقات کا محکمہ قائم کیا۔ نو مسلموں کا جزیہ بند کیا۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۸۷) خراج کی بے عنوانیوں کو دور کر کے ازسرنو اس کا نظام کیا۔ ان تعمیری کاموں کے ساتھ ماوراء النہر پر مختلف سمتوں سے فوج کشی کی۔ ۲۰ھ میں چانچ پر حملہ کیا۔ دریائے چانچ کے قریب کورصول نے جو خاقان کے بعد ترکوں کا قائد بنا تھا۔ مسلمانوں کے لشکر گاہ پر چھاپہ مارا۔ اتفاق سے ایک مسلمان افسر عاصم بن عمرو کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور نصر کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ بڑا بہادر اور مسلمانوں کا بڑا خطرناک دشمن تھا۔ ۲۰ھ لڑائیاں لڑ چکا تھا، اس لیے نصر نے اسے قتل کرا دیا۔

حارث بن شریح خاقان کے بعد کورصول کے ساتھ ہو گیا تھا اور اس معرکہ میں اس کے ہمراہ تھا کورصول کے خاتمہ کے بعد نصر نے یحییٰ بن حصین کو حارث کے استیصال پر مامور کیا۔ حارث چانچ میں تھا، اس لیے یحییٰ چانچ کی طرف بڑھا ایک بڑا ترکی افسر آخرم مقابلہ میں آیا اور مارا گیا۔ اس کی موت سے چانچ والوں کی ہمت چھوٹ گئی۔ اسی دوران میں نصر بھی پہنچ گیا۔ چانچ کے فرمانروا نے صلح کا پیام دیا۔ نصر نے اس شرط پر منظور کیا کہ وہ حارث کو اپنے ہاں سے نکال دے۔ حاکم چانچ نے قبول کر لیا اور حارث چانچ سے نکل کر فاراب چلا گیا اور کئی سال آوارہ گردی کے بعد ۲۷ھ میں خراسان واپس آ کر مسلمانوں سے مل گیا۔ چانچ سے فراغت کے بعد نصر فرمانہ کے حدود کی طرف بڑھا، لیکن ابتدائی معرکوں کے بعد ہی حاکم فرمانہ نے صلح کی درخواست کی۔ نصر نے منظور کر لی اور حاکم فرمانہ کی ماں نے نصر کے پاس آ کر صلح کی تکمیل کی۔ خاقان اور کورصول کے بعد ترکوں کا کوئی راہنما نہ رہ گیا تھا۔ وہ مسلسل لڑتے لڑتے پریشان ہو چکے تھے۔ ان کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور اب وہ اپنے وطن میں امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے خواہش مند تھے اور یہ چاہتے تھے کہ نو مسلم صغد میں سے جو شخص اپنے مذہب میں لوٹ جائے اسے سزا نہ دی جائے اور ان کے

مذہبی امور میں مداخلت نہ کی جائے اور ان کے پاس جو مسلمان قیدی ہیں انہیں عادل قاضی کے فیصلہ کے بغیر واپس نہ لیا جائے۔ خراسان کے سابق والی ان مطالبات کو منظور نہ کرتے تھے، لیکن نصرمد برامیر تھا۔ اس نے منظور کر لیا اور ایک عرصہ کے کشت و خون کے بعد سعد اور مسلمان دونوں کو امن و سکون حاصل ہوا۔

آرمینیہ اور آذربائیجان کا محاذ: ہشامی دور کا دوسرا جنگی محاذ آرمینیہ اور آذربائیجان کا علاقہ تھا۔ اس محاذ پر ترک ارمن اور خزر دلان وغیرہ کی تمام قوتیں خاقان کے لڑکے کے زیر قیادت مسلمانوں کے مقابلہ میں متحد ہو گئی تھیں۔ اس لیے یہ علاقے بھی کئی سال تک رزمگاہ بنے رہے۔

اس کی ابتداء ۶۰۶ھ ہی سے ہو گئی تھی، لیکن مسلسل لڑائیوں کا آغاز ۱۱۱ھ سے ہوا۔ سب سے اول جراح بن عبداللہ حکمی والی آرمینیہ نے بحر خزر کی سمت سے بحری حملہ کر کے خزر کا ایک شہر فتح کیا۔ اس کے انتقام میں خزر نے ۱۱۲ھ میں ترکوں کی مدد سے جراح کا مقابلہ کیا۔ مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ جراح اس کے مقابلہ میں کام آئے اور ان کے اہل و عیال خزر کے ہاتھوں قید ہو گئے۔

جراح کے قتل سے خزر کا حوصلہ بہت بڑھ گیا۔ وہ یورش کرتے ہوئے موصل تک پہنچ گئے۔ اس سے پورا کردستان خطرہ میں پڑ گیا۔ ہشام نے اس کے تدارک کے لیے سعید حرشی کو آذربائیجان بھیجا اور تمام فوجی افسروں کے نام ان کی مدد کا حکم جاری کر دیا۔ سعید حرشی مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دیتا اور انہیں ساتھ لیتا ہوا ارزن آیا اور یہاں سے جراح کی باقی ماندہ شکست خوردہ فوج کو ساتھ لے کر خلاط پہنچا اور محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ خلاط کے بعد چھوٹے چھوٹے قلعوں کو فتح کرتا ہوا برذرعہ آیا۔ یہاں معلوم ہوا کہ خاقان کا لڑکا (ارمنستان اور آذربائیجان کے کچھ حصے خاقان کی حکومت میں تھے) لیکن ان لڑائیوں میں اس نواح کی دوسری قوتیں بھی خاقان کے ساتھ ہو گئی تھیں) ورنہ ان کے مسلمانوں کا محاصرہ کیے ہوئے اسلامی آبادیوں پر تاخت کر رہا ہے۔ اہل

ورثان کے پاس کوئی جنگی قوت نہ تھی۔ سعید نے فوراً ان کے پاس قاصد بھیجا کہ وہ لوگ ہمت و استقلال سے کام لیں، بہت جلد مدد پہنچتی ہے۔ اتفاق سے قاصد دشمن کے ہاتھ پکڑا گیا۔ انہوں نے بھر اس سے وعدہ لیا کہ وہ شہر ان کے حوالہ کر دیں۔ قاصد نے مصلحتاً اقرار کر لیا، لیکن شہر کے قریب پہنچ کر بآواز بلند اعلان کیا کہ ”میں فلاں شخص سعید حرشی کا قاصد ہوں وہ عنقریب پہنچنا چاہتے ہیں، تم لوگ دو دن اور استقلال سے کام لو“۔ خزر نے قاصد کو قتل کر دیا، لیکن یہ پیغام سن کر اہل ورثان کی ہمت بڑھ گئی۔ اس درمیان میں سعید قریب پہنچ چکا تھا اس لیے خزر محاصرہ اٹھا کر لوٹ گئے۔

ورثان پہنچنے کے بعد سعید خزر کی تلاش میں باجروان گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ تھوڑے ہی فاصلہ پر موجود ہیں۔ سعید راتوں رات ان کے لشکر گاہ پہنچ گیا۔ خزر بالکل غافل تھے۔ سعید نے شبخون مار کر پورے جرگہ کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد ہی اطلاع ملی کہ قریب ہی ایک دوسرا گروہ موجود ہے اور جراح کے قیدی اہل و عیال بھی اس کے ساتھ ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی سعید فوراً پہنچا اور دفعۃً حملہ کر کے اس گروہ کا بھی خاتمہ کر دیا اور جراح کے اہل و عیال اور دوسرے مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر ان کی دلجوئی کی۔

ان دونوں گروہوں کی تباہی کا حال سن کر خاقان کا لڑکا ایک لشکر جراح کے ساتھ خود حرشی سے مقابلہ کے لیے نکلا۔ ترند میں دونوں کا سامنا ہوا۔ خزر کا حملہ اتنا شدید تھا کہ مسلمان اس کی تاب نہ لاسکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یہ صورت دیکھ کر خزر کی فوج کے مسلمان قیدیوں نے فریاد کی اور تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ دوسری طرف سے سعید نے لکارا اور مسلمانوں نے سنبھل کر دوبارہ ایسا سخت حملہ کیا اور اس جانبازی سے لڑے کہ خزر کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے مسلمانوں نے دریائے ارس تک تعاقب کر کے ان کا کل سامان چھین لیا اور مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر باجروان پہنچایا۔ اس شکست نے خاقان کے لڑکے کو اور زیادہ مشتعل کر دیا اور ازسرنو فوجیں جمع کر کے دوبارہ انتظام کے لیے نکلا۔ دریائے بیتقان پر اس کا اور سعید کا

مقابلہ ہوا۔ خزر بڑی جان بازی سے لڑے۔ اپنی پوری قوت مقابلہ میں صرف کر دی لیکن مسلمانوں کے صف شکن حملوں کی تاب نہ لاسکے اور ایک خونریز جنگ کے بعد شکست کھا کر اس بے ترتیبی اور بدحواسی سے پیچھے سے بٹے کہ ان کا بڑا حصہ دریائے بیلقان میں غرق ہو گیا۔ سعید نے ہشام کو ان کامیابیوں کی اطلاع دی۔ اس نے اس کا رگزاری پر اظہار خوشنودی کیا۔

۱۱۳ھ میں ہشام نے سعید کو واپس بلا لیا اور اس کی جگہ اپنے بھائی مسلمہ کا اقرار کیا۔ اس نے خزر کے سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دیں اور ان سے بڑے پرزور معرکے ہوئے۔ خاقان کا لڑکا مارا گیا اور کوہستان بلج کے اس پار کا پورا علاقہ زیر نگیں ہو گیا۔

خاقان کے لڑکے کے قتل سے سارے خزر میں آگ لگ گئی اور جوش انتقام سے لبریز ہو گئے اور اپنے آس پاس کی کل قوموں کو ساتھ لے کر مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے امنڈ آئے۔ مسلمہ اس وقت بلج میں تھا۔ اس میں اس انبوہ عظیم کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے کل خیمہ و خرگاہیں چھوڑ کر باب الاہاب لوٹ آیا۔

ہشام کے چچیرے بھائی مروان محمد نے جو اس معرکہ میں مسلمہ کے ساتھ تھا، واپس جا کر ہشام سے مسلمہ کی کمزوری کی شکایت کی اور خزر کے مقابلہ کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ ہشام نے منظور کر لیا اور ۱۱۴ھ میں مروان بن محمد کو آرمینہ بھیجا اور ایک لاکھ بیس ہزار فوج اس کی مدد کے لیے ساتھ کی۔

آرمینہ آنے کے بعد مروان بن محمد نے لان پر فوج کشی کا ارادہ ظاہر کر کے خزر کو صلح کا پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کر لیا اور گفتگو کے لیے قاصد بھیجا۔ مروان نے چند دنوں اس کو روکے رکھا اور جنگ کی تیاری مکمل کرنے کے بعد جنگ کا پیغام دے کر قاصد کو واپس کر دیا اور اس کے ساتھ ہی خود روانہ ہو گیا اور بجلت تمام منزلیں طے کرتا ہوا خزر کے علاقہ میں داخل ہو گیا۔ فرمانروائے خزر نے صلح کی امید میں کوئی تیاری نہ

کی تھی۔ اس لیے مقابلہ نہ کر سکا اور دارالسلطنت چھوڑ کر سرحدی علاقہ کی طرف نکل گیا اور مروان بغیر کسی رکاوٹ کے دور تک بڑھتا ہوا چلا گیا اور بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔

چند دنوں خنز کے علاقہ میں قیام کرنے کے بعد اس نواح کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کی طرف بڑھا۔ سریر اور زرگران کے رئیسوں اور لکڑ، قرمان اور شیروان کے باشندوں نے صلح کر لی۔ انہیں مطیع بنانے کے بعد صحیح و سالم اپنے مستقر پر واپس آیا اور کئی سال تک سکون رہا۔ پھر ۱۱۸ھ میں نواح خنز کے ایک رئیس ورینس پر فوج کشی کی اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے شہر چھوڑ کر خنز کے علاقہ میں نکل گیا۔ مروان نے اس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی درمیان میں کسی غیر معلوم شخص نے ورینس کو بھاگنے کی حالت میں قتل کر دیا اور اس کا سر قلم کر کے مروان کے پاس بھیج دیا۔ اس کے قتل کے بعد اہل قلعہ نے اطاعت قبول کر لی۔ ایک سال بعد ۱۱۹ھ میں لان ہوتا ہوا خنز کے علاقہ میں داخل ہوا اور بلجرت تک بڑھتا چلا گیا۔ پھر ۱۲۱ھ میں بحر خنز کے ساحلی علاقہ کی سمت بڑھا اور جزران، شکران، لکڑ، ہیبت السمری، خیزج از، بطران، تومان، حزین، کیران، طبرسران اور فیلان وغیرہ ان تمام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو ارمنستان سے طبرستان تک پھیلی ہوئی تھیں، مطیع بنایا۔

(ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۸۰ و یعقوبی ج۔ ۳، ص۔ ۳۸۱)

ایشیائے کوچک کی فتوحات: ایشیائے کوچک کا محاذ مستقل تھا، قریب قریب ہر سال اس پر فوج کشی ہوتی تھی۔ یہاں بھی متعدد فتوحات حاصل ہوئیں۔ ۱۰۵ھ میں مروان نے قونیہ اور کمنج فتح کیے۔ ۱۰۸ھ میں مسلمہ بن عبدالملک نے قیساریہ پر قبضہ کیا۔ ۱۰۹ھ میں ہشام کے لڑکے معاویہ نے قلعہ طیبہ، ۱۱۰ھ میں صملہ اور ۱۱۲ھ میں خرشنہ فتح کیے، ۱۲۰ھ میں مسلمہ بن ہشام نے مطورہ پر قبضہ کر لیا (یہ فتوحات ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں)

سندھ کی مہمات: ادھر عرصہ سے سندھ کو ہموں کا سلسلہ تقریباً رک گیا تھا۔ ہشام کے

زمانہ میں پھر شروع ہوا اور یہاں بڑے انتقامات پیش آئے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ ۱۰۷ھ میں سندھ کی حکومت پر جنید بن عبدالرحمن کا تقرر ہوا تھا۔ اس نے سندھ آنے کے بعد دریائے سندھ کے کنارے پیش قدمی شروع کی۔ یہ راجہ داہر کے لڑکے بے سنگھ کا علاقہ تھا۔ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں مسلمان ہو گیا تھا اور انہوں نے اس کی حکومت برقرار رکھی، چنانچہ اس نے جنید سے کہا بھیجا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور مجھ کو تمہارے برگزیدہ خلیفہ نے برقرار رکھا تھا، اس لیے میرے حدود میں تم کو جا رہا نہ پیش قدمی نہ کرنی چاہیے، مجھ کو تمہاری نقل و حرکت سے خطرہ ہے۔ جنید نے اسے اطمینان دلایا کہ اس کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور فریقین نے اطمینان کے لیے ایک دوسرے کے پاس بریغمال بھجوا دیئے، لیکن بے سنگھ مطمئن نہ ہوا اور دونوں میں اتنی بدگمانی بڑھی کہ اپنے اپنے آدمی واپس بلا لیے۔ بے سنگھ مرتد ہو گیا اور بحری بیڑہ کے ساتھ جنید کے مقابلہ میں آ گیا۔ دریائے سندھ کے مشرقی کنارہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا، لیکن بے سنگھ کی بد قسمتی سے اس کی کشتی دریا کے پایاب حصہ میں پھنس گئی اور وہ گرفتار ہو گیا۔ جنید نے اسے قتل کرا دیا۔ بے سنگھ کے قتل کے بعد چم جنید کی شکایت کرنے کے لیے عراق روانہ ہو گیا۔ جنید کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے بطائف الجبل واپس بلا کر قتل کر دیا۔ کیرج کا علاقہ محمد بن قاسم کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا، پھر بھی باغی ہو گیا تھا۔ بے سنگھ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جنید نے کیرج کا محاصرہ کیا اور اس کی سنگین شہر پناہ کو قلعہ شکن آلات سے توڑ کر کیرج پر قبضہ کر لیا۔

کیرج کو فتح کرنے کے بعد مختلف افسروں کو مارواڑ، ماڈل، وچ، بھروچ، اجین اور مالوہ وغیرہ مختلف سمتوں میں روانہ کیا۔ ان سب نے اپنی اپنی مہموں کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچایا، خود جنید نے بھیل مان اور گجرات کو زیر نگین کیا۔

۱۰۷ھ سے ۱۱۱ھ تک جنید سندھ میں رہا۔ اس مدت میں فتوحات میں توسیع کے علاوہ اس نے انتظامی حیثیت سے سندھ کی حکومت کو بڑی ترقی دی (پتھ نامہ میں ان

فتوحات کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ہم نے فتوح البلدان کا مختصر بیان لکھا ہے۔
 (کتاب مذکور ص۔ ۲۴۷، ۲۴۸)

۱۱۱ھ میں جنید خراسان کی حکومت پر مقرر ہو کر چلا گیا اور اس کی جگہ تمیم داری آیا۔
 یہ بڑا کمزور اور نا اہل تھا۔ جنید کے قائم کردہ نظام کو نہ سنبھال سکا۔ اس کے آتے ہی
 سارے سندھ میں بغاوت پھیل گئی۔ تمیم اس پر قابو حاصل نہ کر سکا اور محمد بن قاسم کے
 زمانہ سے لے کر اس وقت تک سندھ میں مسلمانوں نے جو کچھ کیا تھا، سب خاک میں
 مل گیا۔ یہاں سے اسلامی حکومت قریب قریب اٹھ گئی اور سندھیوں کا زور اتنا بڑھا کہ
 سندھ کے متوطن مسلمانوں کو سندھ چھوڑ دینا پڑا۔ خود تمیم داری سندھ چھوڑ کر عراق روانہ
 ہو گیا، لیکن راستہ میں پیام اجل آپہنچا (فتوح البلدان ص۔ ۲۴۸، یعقوبی ج۔ ۲،
 ص۔ ۲۸۰) اس کے سندھ چھوڑنے کے بعد ایک تجربہ کار افسر حکم بن عوانہ سندھ بھیجا
 گیا۔ یہ جس وقت سندھ پہنچا ہے، اس وقت یہاں قصبہ کے علاوہ اور کہیں مسلمانوں کے
 لیے جائے پناہ نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے سب سے پہلے حکم نے دریائے سندھ کے مشرقی
 سمت ایک شہر محفوظ آباد کر کے مسلمانوں کا مرکز قائم کیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم کی
 یادگار عمرو بن محمد بن قاسم کی مدد سے چند دنوں میں باغیوں کو زیر کر کے دوبارہ حکومت
 قائم کی اور اس کامیابی کی یادگار میں ”منصورہ“ آباد کیا جو آئندہ چل کر سندھ کی حکومت
 کا مرکز بنا۔ (فتوح البلدان ص۔ ۲۴۸)

سندھ کا علاقہ انتظامی حیثیت سے خراسان کے والی کے ماتحت تھا اور وہی
 سندھ کے حاکم مقرر کرتے تھے، چنانچہ حکم کا تقرر خالد بن عبد اللہ قسری والی خراسان
 نے کیا تھا۔ ۱۲۰ھ میں ہشام نے خالد کو معزول کر کے یوسف بن عمرو ثقفی کا تقرر کیا۔
 یہ خالد کا مخالف تھا اس لیے اس کے ماتحت عمال کے ساتھ سختی شروع کی۔ حکم کو اس کی
 جانب سے خطرہ پیدا ہوا۔ اس نے اس کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے
 لیے سندھ کے بعض غیر مفتوحہ علاقوں کو فتح کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں ایک

معرکہ میں کام آ گیا۔ حکم کے بعد اس کے ماتحت حکام میں دو شخص عمرو بن محمد بن قاسم اور ابن عرار اس کی جانشینی کے امیدوار تھے۔ یوسف نے اس کا فیصلہ ہشام پر چھوڑ دیا۔ اس نے عمرو بن محمد کے حق میں فیصلہ کیا۔ یوسف کی بھی یہی خواہش تھی۔ اس لیے سندھ کی حکومت عمرو بن محمد کو مل گئی۔ اس نے ابن اعرار کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور منصورہ کو مرکز حکومت بنایا۔ حکم کی موت کے بعد عمرو بن محمد بن قاسم اور ابن اعرار کے اختلاف سے ایک ہندو راجہ نے فائدہ اٹھا کر منصورہ کا محاصرہ کر لیا۔ عمرو کے پاس کافی قوت نہ تھی۔ اس نے یوسف کو اطلاع دی۔ اس نے چار ہزار فوج بھیج دی، لیکن فوج آ جانے کے بعد راجہ محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا۔ عمرو نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے فرو دگاہ پر شہنشاہ مار کر راجہ کی فوج کا بڑا حصہ برباد کر دیا، لیکن وہ خود بچ کر نکل گیا، عین اس وقت ایک سردار مروان بن یزید باغی ہو گیا، لیکن عمرو نے اس کی جماعت منتشر کر کے اسے قتل کر دیا۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۳۸۹) اس کے بعد بھی سندھ میں مہمات کا سلسلہ جاری رہا، لیکن وہ چنداں لائق ذکر نہیں۔

فرانسس کو فتح کرنے کی کوشش : اندلس کے حالات میں عرب مورخین عموماً طارق بن زیاد کی فتوحات کے بعد یہاں کے والیوں کے صرف نام گنا کر دوسرا دور عبدالرحمن الداخل سے شروع کر دیتے ہیں اور اس مدت میں اندلس میں جو واقعات و حوادث پیش آئے یا یہاں کے والیوں نے دوسری جو مہمات انجام دیں، ان کا ذکر بہت کم یا بہت سرسری کرتے ہیں۔ اسی لیے عربی تاریخوں میں فرانس پر حملہ کے حالات نہایت مختصر ہیں، لیکن انگریزی تاریخوں میں اس کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ فرانس کو فتح کرنے کا خیال اندلس کی فتح کے بعد ہی مسلمانوں کو پیدا ہو گیا تھا اور مختلف والیوں نے اس کی کوشش کی، لیکن سب سے اہم حملہ ہشام کے زمانہ میں ہوا۔ جس میں مسلمان وسط فرانس تک پہنچ گئے تھے۔

پہلی کوشش : اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اندلس کی فتح کے بعد ولید ہی کے زمانہ

میں مسلمان جبل البرانس کو پار کر کے سرزمین فرانس میں اربونہ اور حصین لوڈون تک پہنچ گئے تھے، لیکن فارلہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اسے بعد عرصہ تک کسی والی نے ادھر بڑھنے کا ارادہ نہیں کیا۔

دوسرا حملہ : حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں امیر سج بن مالک خولانی اندلس کا والی مقرر ہوا۔ بڑا حوصلہ مند اور منتظم امیر تھا۔ اندلس کے اندرونی انتظام کو درست کرنے کے بعد اس نے فرانس کو فتح کرنے کا عزم کیا اور ۱۰۲ھ میں بڑے اہتمام سے اس پر فوج کشی کی۔ جبل البرانس کے پار جنوبی فرانس میں سب سے پہلے نارمن کی ریاست پڑتی تھی۔ امیر سج نے اس کا محاصرہ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ نارمن کے بعد ڈیوک آف ایکیٹین (اس زمانہ میں فرانس میں دو بڑی حکومتیں تھیں۔ جنوب میں گاتھ فرمانروا ڈیوک آف ایکیٹین کی، اس کا دارالسلطنت ٹولوس تھا۔ دوسری مرکزی حکومت شمال میں میر دوئچی خاندان کی تھی۔ اس کا بادشاہ برائے نام تھا۔ اصل حکومت چارلس ماٹل کے ہاتھوں میں تھی) کی سلطنت کی طرف بڑھا اور اس کے پایہ تخت طلویشہ (ٹولوس) کا محاصرہ کیا۔ ڈیوک اس وقت موجود نہ تھا۔ اہل شہر میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ انہوں نے اطاعت قبول کر لینے کا اراد کیا، لیکن اسی دوران میں ڈیوک ایک بڑی فوج لے کر پہنچ گیا اور بڑی شجاعت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ امیر سج جوش میں آ کر دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد مسلمان شکست کھا گئے۔ ان کی بڑی تعداد میدان جنگ میں کام آئی۔ امیر سج کے بعد مسلمانوں نے امیر عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی کو افسر بنایا۔ یہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ باقی ماندہ مسلمانوں کو دشمنوں کے زغہ سے بچا کر نکال لائے۔ (اخبار الاندلس ایس پی اسکاٹ ترجمہ اردو جلد اول ص ۲۷۱-۲۷۰)

تیسرا حملہ : امیر سج کے بعد اندلس کی ولایت پر امیر عبسہ بن تحیم کا قعر رہا۔

عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی کا تقرر ہوا۔ یہ بڑا الوالعزم، حوصلہ مند، مدبر اور منتظم تھا۔ اس نے حکومت اندلس کی تمام انتظامی خرابیوں کو دور کر کے بہترین نظم و نسق قائم کیا۔ اس سے فراغت کے بعد فرانس کی مہم کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوا۔ امیر سخ کے ساتھ اس کو ایک مرتبہ ناکامی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس مرتبہ انہوں نے بڑے اعلیٰ پیمانہ پر انتظامات کیے۔ اندلس کے تمام صوبہ داروں کو اپنی اپنی فوجیں لے کر اندلس اور فرانس کی سرحد پر جمع ہونے کا حکم دیا۔ عام مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کی ترغیب دلائی۔ انہوں نے بڑے جوش کے ساتھ اس دعوت پر لبیک کہا اور ہر مسلمان جانی اور مالی ہر طرح کی مدد دینے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ ان انتظامات سے فراغت کے بعد ۱۱۴ھ میں بڑے سرو سامان کے ساتھ حدود فرانس کی طرف بڑھا۔

ابھی مسلمان سرحد پر پہنچے تھے کہ امیر عثمان بن ابی نعسہ صوبہ دار سرحد باغی ہو گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ عثمان پہلے پورے ملک اندلس کا والی تھا۔ پھر اسے معزول کر کے فرانس اور اندلس کے درمیانی علاقہ کا والی بنا دیا گیا تھا۔ یہ بربری ہونے کی وجہ سے یوں بھی عربوں کے خلاف تھا، معزول ہونے کے بعد ان کا دشمن ہو گیا اور ان کے خلاف ڈیوک آف اکیٹین سے مل گیا۔ ڈیوک اور فرانس کی مرکزی حکومت میں عرصہ سے اختلاف چلا آ رہا تھا اور ان دونوں میں آویزش کا سلسلہ جاری تھا۔ دوسری طرف فرانس کی فوج کشی میں مسلمانوں کے سامنے سب سے پہلے اسی کی حکومت پڑتی تھی اور وہ دو سمتوں سے دو دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے عثمان کی مخالفت سے فائدہ اٹھا کر اس کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ عثمان کو بھی ایک مددگار کی ضرورت تھی اس لیے وہ فوراً اس سے مل گیا۔ ڈیوک نے اس اتحاد کو مضبوط کرنے کے لیے اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دی۔ اس اتحاد کے بعد عثمان علانیہ باغی ہو گیا اور عبدالرحمن کی طلبی پر وہ فوجیں لے کر نہیں آیا اور حیلہ کر کے ٹالنے کی کوشش کی۔ امیر عبدالرحمن کو اس کا علم ہو گیا۔ اس نے فرانس پر حملہ سے پیشتر اس خطرہ کو دور کرنے کے لیے ایک افسر ابن زیان

کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ عثمان کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ وہ پہاڑی علاقہ میں بھاگ گیا۔ ابن زیان نے تعاقب کیا اور پکڑ کر قتل کر دیا۔ (اخبار الاندلس ج۔ ۱، ص۔ ۲۸۸ تا ۲۹۲ ملخصاً) عثمان کا خطرہ دور ہونے کے بعد اسلامی فوجیں جبل البرتات کو عبور کر کے فرانس کے میدانی علاقہ میں داخل ہوئیں۔ اس حملہ کے نتائج تنہا ڈیوک آف اکیٹین تک محدود نہ تھے بلکہ مسلمانوں کی کامیابی کی صورت میں اس کا اثر پورے جنوبی فرانس پر پڑتا تھا۔ اس لیے یہاں کے کل امراء ان کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے۔ ڈیوک نے پہاڑ کے دامن میں بڑی شجاعت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا، لیکن اس سیلاب کو نہ روک سکے اور مسلمانوں نے اسے شکست دے کر دریائے گاران کی سرسبز وادیوں کو پامال کرتے ہوئے بورڈیوک کے بندرگاہ تک پہنچ گئے۔ یہاں ڈیوک کے ساز و سامان کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اس لیے اہل شہر نے روکنے کی پوری کوشش کی، لیکن مسلمانوں نے معمولی جنگ کے بعد بورڈیوک فتح کر کے کل ذخیرہ پر قبضہ کر لیا۔ بورڈیوک کے بعد مسلمان شمال کی طرف بڑھے۔ دریائے ڈارڈون پر ڈیوک کی فوج نے پھر روکنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے شکست دے کر پورا دستہ تباہ کر دیا اور دریا کو پار کر کے پانی ٹیرس پہنچے اور یہاں سینٹ ہلاری کے مشہور گرے کی بیکراں دولت پر قبضہ کر کے شہر پناہ کی دیوار پر اسلامی جھنڈا نصب کر کے پھر یہاں سے ٹورس کا رخ کیا (اخبار الاندلس ج۔ ۱، ص۔ ۲۹۲، ۲۹۳ ملخصاً) ڈیوک نے جب دیکھا کہ اس سیلاب کو روکنا اس کے بس سے باہر ہے اور کوئی دم میں اسلامی فوجیں وسط فرانس تک پہنچنا چاہتی ہیں تو اس نے مجبور ہو کر اپنے حریف چارلس مائل سے لدا کی درخواست کی۔ ڈیوک کے علاوہ فرانس کے دوسرے امراء نے بھی چارلس کو غیرت دلائی کہ عرب جیسی بے سرو سامان قوم فرانسیسی جیسی قوم پر غالب ہوتی جارہی ہے۔ (تمدن عرب ص۔ ۲۸۶)

شمال میں مسلمانوں کی پیش قدمی خود چارلس کے لیے خطرناک تھی اس لیے وہ ڈیوک سے مل کر انہیں روکنے کے لیے تیار ہو گیا اور مسلمانوں سے جنگ کو قومی مسئلہ بنا

کر ملک کے تمام جنگ آزما امراء کو ان کے مقابلہ کے لیے آمادہ کر لیا، چنانچہ اس کی دعوت پر جرمنی، فرانس اور پرتگال کے امراء اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے اور چارلس ایک جرافنوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اکلا۔ اس وقت اسلامی فوجیں ٹورس کے قریب پہنچ چکی تھیں، یہیں ایک میدان میں دونوں کا سامنا ہوا۔

فرانسیسیوں اور مسلمانوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا۔ ایک طرف یورپ کے دیوبیکر آہن پوش بہادروں کا جبرائشکر تھا۔ دوسری طرف بے سرو سامان عربوں کی مختصر فوج تھی اور ملک اجنبی۔ اس کے باوجود ایک ہفتہ تک چارلس کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک ہفتہ انتظار کے بعد امیر عبدالرحمن سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے حملہ کر دیا اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی۔ پھر رات کی تاریکی پھیلنے کے بعد دوسرے دن کے لیے ملتوی ہو گئی۔ دوسرے دن پھر معرکہ کارزار گرم ہوا اور سہ پہر تک پوری شدت سے جنگ جاری رہی۔ دونوں کا پلہ برابر تھا کہ ڈیوک ایکی ٹین نے ایک تازہ دم فوج کے ساتھ ایک شدید حملہ کیا۔ تھکے ہوئے مسلمان اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان کی کمزوری دیکھ کر فرانسیسیوں نے پوری قوت صرف کر دی۔ امیر عبدالرحمن مسلمانوں کو سنبھالنے اور ان کا دل بڑھانے کے لیے دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور جسم پر سینکڑوں زخم کھا کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کے پاؤں پہلے ہی اکھڑ چکے تھے۔ امیر عبدالرحمن کی شہادت سے ان کی ہمت پست ہو گئی، چنانچہ شام ہونے کے بعد جب دوسرے دن کے لیے جنگ ملتوی ہوئی تو انہوں نے رات کی تاریکی میں میدان خالی کر دیا۔ مسلمانوں کو اس پسپائی کے باوجود چارلس مائل پران کی بہادری کا اتنا خوف غالب تھا کہ تعاقب کرنے کی ہمت نہ کی۔ (اخبار الاندلس ج ۱، ص ۲۹۹-۳۰۰)

اہل یورپ اور یورپین مورخین اس معرکہ کو غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں اور چارلس کی کامیابی کو اس کا بڑا کارنامہ تصور کرتے ہیں۔ اسی کارنامہ کی بدولت اس کو

مائل (تھوڑا) کا معزز لقب ملا۔ (تاریخ عرب موسیو سد یو تر جمہ اردو ص ۱۷۱) اس میں شبہ نہیں، اگر مسلمانوں کا یہ حملہ کامیاب ہو گیا ہوتا تو صرف فرانس بلکہ پورے مغربی یورپ کی تاریخ اور ہوتی۔

آخری حملہ : اس مہم میں ناکامی اور امیر عبدالرحمن کی شہادت کی خبر افریقہ پہنچی تو عبداللہ بن حجاب سلولی والی افریقہ نے امیر عبدالملک بن قطن فہری کو اندلس کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس نے شمالی اندلس میں بشکنس (بسکے) پر حملہ کیا (فتح الطیب ج ۱، ص ۱۱۰) اور مسلمانوں کی شکست کا انتقام لینے کے لیے پھر فرانس پر فوج کشی کی، لیکن نا غایت اندیشی کی وجہ سے موسم کی ناسازگاری کا لحاظ نہیں کیا۔ برسات کا موسم تھا۔ ندی نالے طغیانی پر تھے۔ اس لیے اسلامی فوج کو قدم قدم پر دشوار کا سامنا کرنا پڑا۔ عیسائیوں نے الگ چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ اس سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچا اور عبدالملک بمشکل تمام انہیں بچا کر واپس لاسکا۔ اس کی نا غایت اندیشی اور ظلم و جور کی بنا پر ابن حجاب نے اسے معزول کر کے ۱۱۶ھ میں عقبہ بن حجاج کو اندلس کا والی بنایا (اخبار الاندلس ج ۱، ص ۳۰۳ و فتح الطیب ج ۱، ص ۱۱۰)

شمالی افریقہ اور اس کے ماتحت علاقے اندلس وغیرہ کے حالات : امیر عقبہ بن حجاج بڑا صالح، منتظم اور عاقل امیر تھا۔ اس نے حکومت اندلس کی تمام خرابیوں کو دور کر کے نئے سرے سے بہترین نظم و نسق قائم کیا اور ہر لحاظ سے اندلس کو بڑی ترقی دی۔ تمام بد دیانت اور ظالم عمال کو ایک ایک کر کے نکال دیا۔ شاہراہوں کے انتظام اور ان کی حفاظت و نگرانی کے لیے سوار پولیس کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا۔ رعایا کی سہولت اور دادرسی کے لیے ہر گاؤں میں عدالتیں قائم کیں۔ ہر فرقہ کے لیے الگ الگ مدارس قائم کیے، جگہ جگہ مسجدیں تعمیر کرائیں اور ان سے متعلق مذہبی مکاتب قائم کیے۔ اس کے حسن انتظام سے چند دنوں میں اندلس کی کایا پلٹ گئی (اخبار الاندلس ج ۱، ص ۳۰۳ و ۳۰۴ ملخصاً)

ان اندرونی انتظامات کے ساتھ بعض غیر مفتوحہ علاقوں کو بھی زیر نگین کیا، چنانچہ سرحدی صوبہ کے پایہ تخت بلبلونہ اور اس سے ملحق صوبہ البہ (الیویا) اور اندلس کے آخری شمالی مغربی صوبے جلیقیہ (غلیسیہ) فتح کیے اور فرانس میں اربونہ تک بڑھ گیا۔
(مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۲۸)

سسوس اقصیٰ اور سوڈان پر قبضہ : امیر عبداللہ بن حباب والی افریقہ نے اندلس کے ساتھ اپنے تمام ماتحت علاقوں میں نئے انتظامات کیے۔ عرصہ سے جو ہمیں رکی ہوئی تھیں۔ ان کا پھر آغاز کیا۔ طنجہ کی حکومت پر عمر بن عبداللہ مرادی کا تقرر ہوا۔ (ابن اثیر کا بیان ہے طنجہ کا حاکم اپنے لڑکے اسماعیل کو بنایا تھا، عمر بن عبداللہ مرادی کا مشیر تھا) حبیب بن ابی عبیدہ فہری کو مغرب کی مہم پر مامور کیا۔ اس نے سوس اقصیٰ اور سوڈان کی تمام طاقتوں کو زیر کر کے ان پر اسلامی حکومت کی دھاک بٹھائی اور بہت سا سونا مال غنیمت حاصل کیا۔ (کتاب المونس ص ۳۸ و ۳۹، ابن اثیر ج ۵ ص ۷۰)

سردانیہ پر حملہ : ادھر عرصہ سے بحر روم کی مہمات بھی رکی ہوئی تھیں۔ اب حباب نے جہاز سازی کے نئے کارخانے قائم کر کے بحری بیڑے کو ترقی دی اور ۱۱ھ میں حبیب بن ابی عبیدہ کو جزیرہ سردانیہ کی مہم پر مامور کیا۔ وہ حملہ کر کے کامیاب واپس آیا۔

صقلیہ پر حملہ : اس کے بعد ۲۲ھ میں حبیب کو جزیرہ صقلیہ کی مہم پر بھیجا۔ اسلامی بیڑہ صقلیہ کے پایہ تخت سرقوسہ کی سمت جولب ساحل تھا۔ لنگر انداز ہوا۔ خشکی پر اترنے کے ساتھ ہی حبیب کے نامور اور بہادر فرزند عبدالرحمن نے رومیوں کو شکست دے کر سرقوسہ کا محاصرہ کیا۔ اہل شہر چند دنوں تک مدافعت کرتے رہے، لیکن پھر مقابلہ کی طاقت نہ پا کر اطاعت قبول کر لی۔ حبیب کا ارادہ تھا کہ وہ پورے جزیرہ کو فتح کرنے کے بعد واپس ہوگا، لیکن اسی دوران میں شمالی افریقہ میں بربریوں نے بڑی سخت

بغاوت پیا کردی۔ یہاں فوجی قوت نہ تھی، اس لیے ابن حجاب نے حبیب کو واپس بلا لیا۔
(ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۷۰)

افریقہ میں بدربر کی بغاوت : اس بغاوت کا سبب یہ ہوا کہ بدربر کی وحشت،
بربریت اور سرکشی کی وجہ سے ان میں اور عربوں میں قدیم منافرت چلی آتی تھی۔
عرب انہیں وحشی سمجھتے تھے اور بدربر ان سے تعصب رکھتے تھے، لیکن قوت کے مقابلہ
میں بے بس تھے۔ چنانچہ جب کبھی انہیں موقع مل جاتا تھا، باغی ہو جاتے تھے۔ ابن
اثیر کا بیان ہے کہ اس منافرت کی وجہ سے عمر بن عبداللہ مرادی والی طنجہ کا طرز عمل عام
بربر کے ساتھ پسندیدہ نہ تھا۔ اسے نو مسلم بدربر پر بھی اعتماد نہ تھا، چنانچہ اس نے غیر مسلم
بربر کی طرح ان سے بھی خس وصول کرنے کا ارادہ کیا۔ اس لیے وہ بھی اس کے خلاف
ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ افریقہ کی فوجیں سسلی کی مہم میں تھیں اور طنجہ بالکل خالی تھا،
میدان خالی پا کر بدربر نے علم بغاوت بلند کر دیا (کتاب المونس ص۔ ۳۸ و ۳۹ و ابن
اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۷۰) شمالی افریقہ میں خوارج کی بھی بڑی تعداد تھی وہ بھی اموی
حکومت کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بدربر نے میسرہ نامی ایک خارجی کو اپنا
سردار بنا کر طنجہ پر حملہ کر دیا۔ عمر بن عبداللہ نے مقابلہ کیا، لیکن اس کی طاقت کمزور تھی۔
بربر نے اسے قتل کر کے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ (مجموعہ فتح اخبار اندلس و ابن اثیر ج۔ ۵،
ص۔ ۷۰) اور نہایت بے دردی سے عربوں کا قتل عام کیا۔ طنجہ میں بغاوت کی خبر سن کر
سارے شمالی افریقہ کے بدربر باغی ہو گئے اور اپنے یہاں کے عرب حکام کو نکال کر
شہروں پر قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس معرکہ کے بعد میسرہ کا دماغ اتنا
خراب ہو گیا کہ اس نے بدربر کی تحقیر شروع کر دی۔ اس لیے انہوں نے اسے قتل کر دیا
اور ایک اور خارجی خالد بن حمید زناتی کو سردار بنایا، لیکن ابن قوطیہ وغیرہ کے بیانات
سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر تک بدربر کی راہنمائی کرتا رہا۔ بعض دوسرے بیانات سے بھی
اس کی تائید ہوتی ہے) اس وقت شمالی افریقہ عربی فوج سے خالی تھا۔ اس لیے ابن

حجاب نے حبیب بن ابی عبیدہ کو مستقلیہ سے واپس بلا کر اس کے لڑکے خالد کو بربر کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ طنجہ کے قریب دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ اس جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور میرہ طنجہ لوٹ گیا۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۷۰ و کتاب المونس ص۔ ۱۳۹) تھوڑے دنوں کے بعد طنجہ ہی میں پھر دوسرا مقابلہ ہوا۔ عرب کے بڑے عمائد و شرفاء حبیب کے ساتھ تھے، فریقین بڑی بہادری و پامردی سے لڑے۔ ابھی جنگ جاری تھی کہ بربر کی ایک تازہ دم فوج نے کمین گاہ سے نکل کر حملہ کر دیا۔ عربوں میں اس ناگہانی حملہ کو روکنے کی طاقت نہ تھی، لیکن انہوں نے میدان چھوڑنا عار سمجھا اور بڑے استقلال سے لڑ کر جان دی۔ اس جنگ میں عرب کے بڑے بڑے شرفاء اور عمائد کام آئے تھے اس لیے یہ جنگ، جنگ اشراف کہلاتی ہے۔ (ابن قوطیہ ص۔ ۱۴۰) اس لیے یہاں کے بربر نے بھی علم بغاوت بلند کر دیا۔ ہشام کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ۱۲۳ھ میں ابن حجاب کو معزول کر کے کلثوم بن عیاض قشری کو تیس ہزار فوج کے ساتھ افریقہ کا والی بنا کر بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اگر کلثوم قتل ہو جائے تو اس کا بھتیجا بلج بن بشر اس کا جانشین ہوگا۔ یہ بھی کام آئے تو ثعلبہ بن سلامہ عالمی اس کی جگہ لے گا۔ (مجموعہ اخبار الاندلس ص۔ ۳۰ و ۳۱) اور شام سے لے کر شمالی افریقہ تک راستہ میں جو جو ملک پڑتے تھے، سب میں فرامین جاری کر دیئے کہ ہر جگہ کے جنگ آزما س مہم میں کلثوم کا ساتھ دیں، چنانچہ کلثوم مصر وغیرہ کی فوجوں کو ساتھ لیتا ہوا قیروان پہنچا۔ یہاں شمالی افریقہ کی شکست خوردہ فوجیں بھی ساتھ ہو گئیں اور ان سب کی مجموعی تعداد ستر ہزار تک پہنچ گئی۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۷۱ و الاندلس ص۔ ۳۵) بربر کو شامی فوج کے آنے کی خبر ہوئی تو انہوں نے طنجہ میں اپنی قوت جمع کر لی اور کلثوم قیروان سے طنجہ کی طرف بڑھا۔ مقام بقدرہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ شامیوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن بربر کی لاتعداد فوج کے مقابلہ میں ان کا بس نہ چل سکا اور بڑی فاش شکست کھائی۔ ان کی ایک تہائی فوج برباد ہو گئی اور کلثوم

بن عیاض، حبیب بن عبیدہ وغیرہ ممتاز اور بڑے افسر مارے گئے۔ ایک بڑی تعداد زندہ گرفتار ہوئی، جو فوج بچ رہی ان میں سے افریقہ کے عربوں نے قیروان کا راستہ لیا اور بلج بن بشر شامی فوج کو لے کر اندلس کے ارادہ سے سبتہ چلا گیا (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۷۱ و مجموعہ اخبار فتح اندلس ص۔ ۳۶) اس دوران میں اندلس کے حالات اور زیادہ نازک ہو گئے۔ بربر شروع میں حکومت کے خلاف اٹھے تھے، لیکن پھر عربوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ خاص اندلس کے باشندے بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اسی سلسلہ میں یمنی اور مصری عربوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور اندلس قتل و خونریزی کی آماج گاہ بن گیا۔ اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ ہشام کو شامی فوج کی بربادی، عربوں کی خونریزی اور اندلس کے انقلاب کی اطلاع ملی تو وہ جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور قسم کھائی کہ وہ اپنی قوت بربر کے استیصال میں صرف کر دے گا اور اگر ضرورت ہوئی تو وہ خود اور اس کی اولاد تک میدان جنگ میں نکلے گی اور حنظلہ بن صفوان کلبی کو تیس ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ افریقہ روانہ کیا اور اس کے پیچھے بھائی ابوالنحلاء کو اندلس کی حکومت کا پروانہ عطا کیا (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۷۱)۔

اس وقت افریقہ بربر کی شورش بدستور قائم تھی، چنانچہ حنظلہ کے قیروان پہنچتے ہی انہوں نے دو خارجی سرداروں عطا شہ بن ایوب فزاری اور عبدالواحد بن یزید ہواری کی قیادت میں دو مختلف سمتوں سے قیروان پر یورش کی۔ عکاشہ پہلے پہنچ گیا تھا، اس لیے پہلا مقابلہ اسی سے ہوا۔ حنظلہ نے اسے فاش شکست دی اور بے شمار بربر مارے گئے۔ عکاشہ کو شکست دینے کے ساتھ ہی عبدالواحد کے مقابلہ کے لیے چالیس ہزار فوجیں روانہ کر دیں۔ قیروان سے تھوڑے فاصلہ پر ہی دونوں کا سامنا ہوا۔ عبدالواحد کے ساتھ تین لاکھ بربری تھے۔ شامی فوج اس ٹڈی دل سے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکی اور شکست کھا کر لوٹ گئی اور بربر آگے بڑھ کر قیروان سے تین میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوئے۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۷۱)۔

بربر کے اس ہجوم سے قیروان کے عرب بڑے بڑے خطرہ میں پڑ گئے، لیکن جنگ کے علاوہ ان کے لیے مفر کی کوئی صورت نہ رہ گئی تھی۔ اس لیے جان پر کھیل کر مقابلہ کے لیے نکل آئے۔ علماء جہاد کا وعظ کہہ کر اور مستورات اپنے ناموس اور شکست کے بعد سوانیوں کا خوف دلا کر ابھار رہی تھیں، اس لیے عرب اس بے جگری سے لڑے کہ ان کی تلواریں ٹوٹ گئیں۔ ان کی اس جانبازی نے بربر کے ٹڈی دل کو آخر میں فاش شکست دی اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ عربوں نے دور تک تعاقب کر کے انہیں قتل کیا۔ اس جنگ میں دو لاکھ کے قریب بربری کام آئے اور شمالی افریقہ میں ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ (اس مخالفت کا سبب یہ تھا کہ عقبہ سے پہلے عبدالملک پورے صوبہ اندلس کا والی تھا، پھر اس عہدہ سے تنزل کر کے عقبہ کے ماتحت کر دیا تھا)

اندلس کے حالات: جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس دوران میں اندلس میں بھی انقلاب اور شورش پھا ہو گئی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ افریقہ کے بربر کی بغاوت کی خبر سن کر اندلس کے بربر بھی باغی ہو گئے تھے اور یہاں کے والی عقبہ بن حجاج کو نکال کر سابق معزول والی عبدالملک بن قطن کو والی بنالیا تھا۔

عبدالملک گو خود بھی عرب تھا، لیکن اس کو عقبہ بن حجاج سے مخالفت تھی۔ اس کے علاوہ عبدالملک مصری تھا۔ اس لیے وہ شامیوں سے، جن میں زیادہ تر یمنی عرب تھے، تعصب رکھتا تھا۔ اس مخالفت میں بھی اس نے بربر کی رہنمائی قبول کر لی تھی، لیکن اس کے علاوہ حکومت کی کوئی اور عملی موافقت یا مخالفت نہیں کی (ابن قوطیہ ص ۱۴) اندلس کے بربر شروع میں حکومت کے خلاف اٹھے تھے، لیکن پھر ان کی مخالفت عربوں تک وسیع ہو گئی اور انہوں نے جلیقیہ اور استرقتہ وغیرہ سے جہاں جہاں عرب آباد تھے، ان کو نکال دیا اور ان کا قتل عام کیا اور عرب ہر طرف سے سمٹ کر وسط اندلس میں جمع ہوئے۔ (مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۳۸) اس وقت عبدالملک کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں اس کا بھی وہی انجام نہ ہو جو طنجہ کے عربوں کا ہو چکا ہے، اس لیے وہ شامیوں سے مدد

کا مدار تھا۔ اس لیے ان کے مقابلہ کے لیے ناچار شامیوں سے مدد لینے پر مجبور ہو گیا اور اس شرط پر بلج اور اس کی فوج کو تبتہ سے اندلس بلا لیا کہ ”بربر یوں کی بغاوت فرو ہونے کے بعد ٹوٹ جائے گی اور عبدالملک انہیں بحفاظت افریقہ پہنچا دے گا۔“ اور چند شامی معززین کو ضمانت میں بطور یرغمال لے لیا۔ بربر کو عبدالملک کی اس تدبیر کی اطلاع ہوئی تو جلیقیہ، ماروہ، قوریہ اور طلبیریہ وغیرہ کے تمام بربر مقابلہ کے لیے جمع ہو گئے۔ عبدالملک نے شامی فوج کو اپنے لڑکوں قطن اور امیہ کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ طلیطلہ کے قریب دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ بربر نے بڑی فاش شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد میدان جنگ میں کام آئی اور بہت کم زندہ بچ سکے۔ بربر کو شکست دینے کے بعد شامی فوج سارے اندلس میں پھیل گئی اور ہر جگہ ان کی بغاوت فرو کر کے ان کا پورا استیصال کیا۔ اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد عبدالملک نے معاہدہ کے مطابق شامیوں کو واپس کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تیار ہیں، لیکن سب ایک ساتھ جائیں گے۔ عبدالملک نے عذر کیا کہ ہمارے پاس اتنی کشتیاں نہیں ہیں کہ سب کو ایک ساتھ بھیج سکیں، البتہ تبتہ تک ایک ساتھ پہنچا سکتے ہیں۔ شامیوں نے انکار کر دیا کہ ہم کو سمندر میں غرق کر دینا بربر کے حوالہ کر دینے سے بہتر ہے۔

عبدالملک کے اس طرز عمل سے شامیوں کو شبہ ہوا کہ وہ ان کے ساتھ فریب کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے انہوں نے قصر حکومت پر قبضہ کر لیا اور عبدالملک کو پکڑ کر بلج کے حوالہ کر دیا اور اس کی جگہ بلج کو اندلس کا والی بنا دیا۔ عبدالملک کی گرفتاری سے پھر شورش پا ہو گئی۔ اتفاق سے اسی دوران میں یہ ناگوار واقعہ پیش آ گیا کہ عبدالملک کے پاس جو شامی افسر بطور ضمانت تھے۔ ان میں سے ایک افسر منتظمین کی بدسلوکی کی وجہ سے مر گیا۔ اس سے شامی فوج میں جس میں زیادہ تر یمنی تھے بڑی برہمی پیدا ہو گئی اور اس نے بلج سے مطالبہ کیا کہ اس کے انتقام میں عبدالملک کو قتل کر دیا جائے۔ اس نے ٹالا۔ اس سے یمنیوں کو بدگمانی پیدا ہو گئی اور انہوں نے بلج پر مصر کی حمایتی کا الزام لگایا۔ بلج

نے جب دیکھا کہ فوج کے بگڑ جانے کا خوف ہے تو مجبور ہو کر عبدالملک کو اس کے حوالہ کر دیا اور اس نے اسے سولی پر لٹکا دیا۔

عبدالملک کے قتل کے بعد اس کے لڑکے امیہ اور قطن انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اندلس کے برابر اور عرب مل کر عبدالملک کے بہادر افسر امیر عبدالرحمن والی اربونہ کی قیادت میں قرطبہ کی طرف بڑھے۔ قرطبہ سے دو منزل کی مسافت پر شامیوں کا مقابلہ ہوا۔ شامیوں نے ابتدائی حملوں میں عبدالرحمن کی فوج کو کمزور کر دیا۔ یہ صورت دیکھ کر عبدالرحمن نے بلج پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا، لیکن اس کے ایک ماتحت افسر حمین بن وجین نے فوج پر اس کا کوئی اثر نہ پڑنے دیا اور عبدالرحمن کو شکست ہوئی، لیکن بلج زخموں سے جانبر نہ ہو سکا۔ اس کی موت کے بعد شامیوں نے اقلبہ بن سلامہ کو اپنا افسر بنالیا۔ اس معرکہ کے بعد اندلس کے عرب اور برابر نے ناروہ کے قریب اجتماع کیا۔ اقلبہ نے بڑھ کر وہیں ان کا مقابلہ کیا، لیکن پھر عربوں اور برابر کی تعداد کے مقابلہ میں اپنی قوت کمزور دیکھ کر ناروہ میں داخل ہو گیا۔ اسی دوران میں عید الاضحیٰ آ گئی۔ برابر عید منانے کے لیے منتشر ہو گئے، اقلبہ کو موقع مل گیا۔ اس نے ناروہ سے نکل کر ذعتہ حملہ کر دیا۔ عرب اور برابر اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی۔ صرف قیدیوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ اندلس کا امن پسند طبقہ اس مسلسل شورش اور بد امنی سے گھبرا گیا تھا۔ چنانچہ یہاں کے معززین نے افریقہ جا کر والی افریقہ سے درخواست کی تھی کہ قتل و خونریزی نے ہم لوگوں کو تباہ کر دیا ہے۔ کوئی ایسا والی بھیجے جو اس شورش اور اختلاف کو دور کر کے پھر سب کو ایک مرکز پر جمع کر دے (یہ تمام حالات مجموعہ اخبار فتح اندلس ص ۳۸ تا ۴۵ سے ملخصاً ماخوذ ہیں) یہ وہ زمانہ تھا جب ہشام شمالی افریقہ اور اندلس کے انقلاب کی خبر سن کر ابو الحظاء کو اندلس کی حکومت پر مقرر کر چکا تھا، وہ اسی دوران میں اندلس پہنچ گیا۔ لیکن ابن قوطیہ کا بیان اس سے مختلف ہے۔ اس کے بیان کے مطابق جب بلج کی استمداد پر عبدالملک نے کوئی

زید بن علی کا خروج اور قتل : بنی امیہ کے حریف مقابل بنی ہاشم نے بھی
 خروج کیا۔ محمد بن حنفیہ کی اولاد اور بنی عباس تو اپنی خفیہ دعوت میں عرصہ سے مشغول تھے
 لیکن خاص اہل بیت کرام خاموش تھے۔ ان میں سے ایک بزرگ امام زین العابدین
 ؑ کے صاحبزادے زید بن علی کے دل میں البتہ حصول خلافت کا جذبہ موجود تھا جو کبھی
 کبھی زبان پر بھی آ جاتا تھا۔ (الفخری ص ۱۱۸) لیکن ایک عرصہ تک انہوں نے اس
 کے لیے کوئی عملی کوشش نہیں کی۔ ہشام کے زمانہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا کہ
 عراقیوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر انہیں اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ اس کی تفصیل
 یہ ہے کہ ہشام کو ان کے خیالات کا علم تھا۔ اتفاق سے ایک قضیہ کے سلسلہ میں انہیں
 ہشام کے پاس جانا پڑا۔ اس نے ان سے کہا کہ ”تم لونڈی زاہدہ کو خلافت کی خواہش
 رکھتے ہو۔ زید نے جواب دیا کہ تم لونڈی ہونے کی وجہ سے میری ماں کا درجہ گھٹاتے ہو
 حالانکہ حضرت اسحاق ؑ آزاد عورت کے بطن سے تھے اور حضرت اسماعیل لونڈی
 کے بطن سے تھے۔“ ان دونوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل ؑ کو نبوت کے
 لیے منتخب فرمایا اور ان کی نسل سے عرب پھیلے اور انہی کی نسل سے رسول اللہ ﷺ پیدا
 ہوئے۔ ایسی باتوں کو زبان پر لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا خوف کیا کرو۔ ہشام نے کہا
 تمہارے جیسا شخص مجھے اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتا ہے؟ زید نے کہا نہ کوئی آدمی اتنا چھوٹا
 ہے کہ وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہ ڈرا سکے اور نہ کوئی اتنا بڑا ہے کہ وہ اس کو نہ سن
 سکے۔ (یعقوبی ج ۳، ص ۳۹۰) اس گفتگو کے بعد ہشام نے انہیں قضیہ کی تحقیقات
 کے سلسلے میں یوسف بن عمرو والی عراق کے پاس کوفہ بھجوا دیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ
 ان کو ایک لمحہ کے لیے تنہا نہ چھوڑنا۔ ایسے چرب زبان اور شیریں کلام آدمیوں کی جانب
 عراقی بہت جلد مائل ہو جاتے ہیں۔ زید جس وقت ہشام کے پاس سے واپس ہوئے۔
 ان کی زبان پر تھا کہ جو شخص زندگی کو محبوب رکھتا ہے اسے ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا
 ہے (یعقوبی ج ۳، ص ۳۹۰) ہشام کا خطرہ صحیح نکلا، زید بن علی جب کوفہ سے مدینہ

واپس جانے لگے تو کوفیوں نے ان کے پاس جا کر کہا کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔ ایک لاکھ تلواریں آپ کی حمایت کے لیے موجود ہیں۔ عراق میں بنی امیہ کی تعداد اتنی مختصر ہے کہ ہمارا ایک قبیلہ ان کے لیے کافی ہے۔ زید نے جواب دیا کہ مجھ کو تم لوگوں پر اعتماد نہیں ہے۔ تم نے میرے دادا حسین ؑ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ معلوم ہے۔ ان لوگوں نے قسم کھا کر یقین دلایا کہ ہم آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ آپ ضرور کامیاب ہوں گے اور انشاء اللہ بنی امیہ کی بربادی کا یہی وقت ہوگا۔ (الفخری ص ۱۱۸)

ان کے عہد و بیان پر یقین کر کے زید نے اپنے چچیرے بھائی ابو جعفر سے مشورہ کیا۔ انہوں نے مخالفت کی اور کہا آپ ہرگز کوفیوں پر اعتماد نہ کیجئے۔ وہ بڑے دھوکہ باز ہیں۔ وہاں آپ کے باپ اور دادا شہید کیے گئے۔ آپ کے بابا پر حملہ ہوا۔ ہمارے اہل بیت پر گالیاں برسائی گئیں، لیکن زید کے دل میں پہلے سے حصول خلافت کا جذبہ موجود تھا۔ کوفیوں کا سہارا پا کر ان کے فریب میں آ گئے اور مدینہ کا سفر ملتوی کر کے کوفہ میں مقیم ہو گئے۔ (مروج الذهب مسعودی ج ۳ ص ۲۲)

چند دنوں میں عراق کے دوسرے شہروں اور خراسان کو چھوڑ کر تنہا کوفہ کے پندرہ ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور وہ بنی امیہ کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ یوسف بن عمرو والی کوفہ نے ان کا مقابلہ کیا۔ ایک ہی معرکہ کے بعد کوفیوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور بہت مختصر جماعت زید کے ساتھ رہ گئی، لیکن وہ برابر جھے رہے۔ ایک تیر آ کر پیشانی پر لگا۔ اس کے نکلنے میں روح پرواز کر گئی۔ ان کے ہمراہیوں نے کوفہ ہی میں دفن کر کے یوسف کے خوف سے قبر زمین کے برابر کر دی، لیکن اس نے پتہ چلا لیا اور لاش قبر سے نکلوا کر سولی پر آویزاں کرادی۔ (الفخری ص ۱۹۱۸) ان کے قتل کے بعد ان کے اتباع کا ایک مستقل فرقہ پیدا ہو گیا جو امام زین العابدینؑ کے بعد امام باقر کے بجائے زید کو امام مانتا ہے اور زید یہ کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ اب بھی یمن اور دوسرے مقامات پر موجود ہے۔

بنی عباس کی دعوت : بنی عباس کی دعوت حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ سے شروع ہو گئی تھی۔ ہشام کے زمانہ میں اس نے اور زیادہ وسعت و تنظیم اختیار کر لی۔ خلافت کے اصل دعویدار اہل بیت نبوی ﷺ تھے یا ان کے بعد حضرت علیؑ کی غیر فاطمی اولاد تھی، لیکن سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں یہ منصب علویوں سے آل عباس میں منتقل ہو گیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد شیعان علی نے آپ کے خلف الصدق حضرت امام زین العابدینؑ کے سامنے منصب امامت پیش کیا تھا، لیکن آپ واقعہ شہادت سے اتنے دل شکستہ تھے کہ سیاسی میدان میں قدم رکھنا پسند نہ فرمایا۔ ان کے انکار پر شعیان علی نے حضرت علیؑ کے غیر فاطمی فرزند محمد بن حنفیہؑ کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے قبول کر لیا۔ اس طریقہ سے امامت کا منصب اہل بیت نبوی سے علوی شاخ میں منتقل ہو گیا۔ محمد بن حنفیہ کے بعد ان کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہ ان کے جانشین ہوئے اور سر زمین عجم میں ان کی حنفیہ دعوت ہوتی رہی۔ ۲۰ھ میں یہ سلیمان بن عبدالملک سے ملنے کے لیے شام گئے۔ اس نے ان کی بڑی مدارات کی اور ان کی جملہ ضروریات پوری کر کے انہیں عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ ان کی امامت کے خطرہ سے واپسی کے وقت انہیں زہر دلوادیا۔ یہاں ان کے اہل خاندان میں سے کوئی نہ تھا۔ ایک قریب تر مقام حمیمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؑ کے پوتے محمد بن علی بن عباس موجود تھے۔ اس لیے ابو ہاشم وہیں چلے گئے اور انتقال سے پہلے انہیں منصب امامت تفویض کر دیا اور اپنے عراقی اور خراسانی اتباع کو ہدایت کر دی کہ ان کے بعد محمد بن علی ان کے جانشین ہوں گے۔ اس لیے وہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں، چنانچہ ابو ہاشم کی وفات کے بعد ان لوگوں نے محمد بن علی کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ اس طرح امامت کا منصب علویوں سے بنی عباس میں منتقل ہو گیا۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۲۰) منصب امامت ملنے کے بعد محمد بن علی نے بے ضابطہ انفرادی دعوت

کے بجائے باضابطہ دعوت کا مکمل نظام قائم کیا۔ اس کے اصول و قواعد بنائے اور تجربہ کار داعیوں کی ایک جماعت منتخب کر کے اسے عراق و خراسان روانہ کیا۔ یہ لوگ مختلف بھیسوں میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں پھیل گئے اور بڑی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ بنی امیہ کے مظالم اور ان کی برائیوں کی تشہیر کر کے بنی عباس کی دعوت شروع کر دی۔ کبھی کبھی اس دعوت کا پردہ فاش ہو جاتا تھا اور داعی گرفتار کر کے قتل کر دیئے جاتے تھے، لیکن اس سے تبلیغی سرگرمی میں کوئی فرق نہ آنے پاتا تھا۔ ایک مارا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا، چنانچہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ سے لے کر ہشام کے عہد تک برابر خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا اور ہزاروں عراقی اور خراسانی اس میں شریک ہو گئے۔ عوام کے علاوہ بہت سے اشراف و عمائد بھی بیعت میں داخل ہو گئے۔ مشہور عباسی داعی ابو مسلم خراسانی (اس کی شرکت کی تفصیل آئندہ آئے گی) اسی زمانہ میں اس دعوت میں شامل ہوا۔ غرض ہشام کے زمانہ میں عباسی دعاۃ کی کوششوں سے خراسان و عراق کے بڑے حصے میں عباسی دعوت پھیل گئی اور جا بجا علانیہ بھی اس کے مظاہر نظر آنے لگے۔ اس وقت ہشام نے ادھر توجہ کی اور ایک نامور اور تجربہ کار شخص امیر نصیر بن سیار کو جو خراسان کے حالات سے پوری واقفیت رکھتا تھا۔ یہاں کا والی مقرر کر کے عباسی دعوت کے استیصال پر مامور کیا، لیکن اسی دوران میں ہشام کا وقت آخر ہو گیا۔

وفات : ربیع الثانی ۲۵ھ میں اس نے مرض خناق میں انتقال کیا اور اپنے نئے دار الحکومت رصافۃ الشام میں دفن ہوا۔ انتقال کے وقت پچپن سال کی عمر تھی۔ مدت خلاف ۱۹ سال ۹ مہینے۔

ہشامی عہد پر تبصرہ

ہشام تدبیر و سیاست، بیدار مغزی، اولوالعزمی و حوصلہ مندی وغیرہ اوصاف جہان بینی کے اعتبار سے بنی امیہ کے ممتاز خلفاء میں تھا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ وہ بڑا دقیق النظر، منتظم، کنایت شعار، امور مملکت میں بیدار مغز اور رعایا کی سیاست میں بڑا

باتدبیر تھا۔ سلطنت کے جملہ کام خود انجام دیتا تھا۔ اس کی نگاہ سے کوئی چیز چھپی نہ رہتی تھی۔ (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۲۲ و ۳۲۳) ابن طقطقی لکھتا ہے کہ وہ بڑا عاقل حلیم الطبع اور پاکباز تھا۔ (آداب السلطانیہ ص ۱۱۷) اس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علم و تدبیر اور عبدالملک کی سیاست و اولوالعزمی دونوں ایک ساتھ جمع ہو گئی تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ بنی امیہ میں ان تینوں پر سیاست و تدبیر کا خاتمہ ہو گیا۔ (مروج الذهب ج ۳ ص ۲۸) اس کے کارناموں اور اس کے دور کے واقعات سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے زمانے میں مشرق و مغرب دونوں میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث پیش آئے، لیکن حکومت کے کسی نظام اور سلطنت کے کسی حصہ کو جنبش نہ ہونے پائی۔ مشرق میں ترک و تاتار کی اور مغرب میں بربر کی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ رومیوں کو اسلامی حدود کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ جہاں جہاں خوارج نے سر اٹھایا فوراً ان کو پکڑ لیا گیا، اور پھر انہیں شورش پیا کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اسلامی سلطنت کے ہر حصہ میں اہم فتوحات حاصل ہوئیں۔ جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ عباسی دعوت البتہ پھیلی لیکن ایک عرصہ تک اس کا سلسلہ تناخفی رہا کہ پتہ نہ چل سکا اور جب اس نے قوت پکڑی اور اس کے مظاہر علانیہ نظر آنے لگے۔ اس وقت ہشام کا وقت آخر ہو گیا۔ ان سیاسی کارناموں کے ساتھ اس کا زمانہ تعمیری اور انتظامی حیثیت سے بھی کامیاب ہے۔

افتادہ زمینوں کی آبادی : افتادہ زمینوں کی آبادی کی طرف اس کی خاص توجہ تھی اور اس کے زمانہ میں ان کا کافی حصہ آباد ہوا۔ (مروج الذهب ج ۳ ص ۲۱)

بیعت المال کی اصلاح : اموی حکومت کے آغاز سے بیت المال میں بے عنوانیاں چلی آرہی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے اصلاح کی تھی، لیکن ان کے بعد پھر وہی پرانی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ ہشام نے اس کا پورا انسداد کیا اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ

اس لیے اسے پایہ تخت کی حیثیت حاصل تھی۔ (معجم البلدان ج ۴ ذکر رصافۃ الشام)
 سندھ میں دوشہر منصورہ اور محفوظہ آباد ہوئے۔ منصورہ سندھ کا اسلامی دار الحکومت تھا۔
 (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۲۸)

حوض اور تالاب کی تعمیر: حجاج کی آسائش کے لیے مکہ کے راستہ میں
 حوض اور تالاب بنوائے۔ (مروج الذهب ج ۲ ص ۲۱)

ریشمی کپڑوں کی صنعت: ملکی مصنوعات کی ترقی کی جانب بھی توجہ
 تھی۔ اس سلسلہ میں ریشمی کپڑوں کی صنعت میں بھی بڑی ترقی ہوئی (مروج الذهب
 ج ۲ ص ۲۱)

مذہبی خدمات: ان کارناموں کے ساتھ ہشام نے مذہبی خدمات بھی انجام
 دیں۔ وہ خود راسخ العقیدہ شخص تھا اور مذہب میں کسی ایسی بدعت کو پسند نہ کرتا تھا جس
 سے عقائد میں رخنہ پیدا ہو۔ اور اس قسم کے خیالات کا نہایت سختی سے تدارک کرتا تھا۔
 مشہور قدری غیلان بن یونس نے سب سے اول عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں قدر کا
 عقیدہ ظاہر کیا تھا، لیکن پھر ان کے سمجھانے سے توبہ کر لی تھی۔ ہشام کے زمانہ میں پھر
 اس کا اعادہ کیا تو اس نے قتل کرادیا۔ اسی طریقہ سے ایک اور شخص معد بن درہم نے
 خلق قرآن کا مسئلہ چھیڑا، ہشام نے اسے بھی قتل کر دیا۔

اپنے لڑکوں پر نماز کی بڑی تاکید رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک لڑکا جمعہ کی نماز میں نہ
 پہنچ سکا، تو ہشام نے باز پرس کی۔ اس نے عذر کیا کہ سواری نہ تھی۔ ہشام نے کہا پاپیادہ
 نہیں جاسکتے تھے اور سزا کے طور پر ایک سال کے لیے سواری بند کر دی۔ (ابن اثیر
 ج ۵ ص ۹۶، ۹۷)۔۔۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۹۶)

رعایا کی اخلاقی نگہداشت: وہ طبعاً متین و سنجیدہ تھا۔ اسے لہو و لعب
 سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ رعایا کو بھی اس قسم کے مشاغل سے روکتا تھا اور اس پر احتساب
 کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک بوڑھا شخص اس جرم میں پیش کیا گیا کہ وہ گانے والی عورتوں

شراب و کباب اور مزامیر سے دلچسپی رکھتا ہے۔ ہشام نے اسے دیکھ کر کہا کہ ”ظنبرہ اس کے سر پر توڑ دو“۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی، وہ رونے لگا، ہشام نے کہا صبر سے کام لو، بوڑھے نے جواب دیا، چوٹ کی وجہ سے نہیں روتا ہوں، بلکہ اس ناقدر شناسی پر روتا ہوں کہ اب ”بربط“ کو ظنبرہ کہا جاتا ہے۔

گھوڑوں کسی پرورش و پرداخت و ترقی : ہشام کو گھوڑوں اور گھوڑ دوڑ کا بڑا شوق تھا۔ اس شوق کی وجہ سے گھوڑوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی نسل میں بڑی ترقی ہوئی۔ اس کے پاس گھوڑ دوڑ کے چار ہزار منتخب گھوڑے تھے (ابن اشیر ج ۵۔ ص ۹۶)

علمی خدمات : ہشام کو علم و فن سے بھی دلچسپی تھی، چنانچہ اس نے امام زہریؒ سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کرایا تھا۔ (مروج الذهب ج ۲۔ ص ۲۹) غیر قوموں کے علوم میں فارسی کی ایک اہم کتاب کا جو ایرانیوں کے بہت سے علوم و فنون۔ ان کے فرمانرواؤں کے حالات اور سیاسی واقعات پر مشتمل تھی ترجمہ کرایا تھا۔ یہ کتاب مصور تھی اور مسعودی کی نظر سے گزری تھی۔ التنبیہ والاشراف میں اس نے اس کا تفصیلی حال لکھا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱۔ ص ۹۷)

اخلاق و سیرت : ہشام کے اوصاف میں دو وصف زیادہ نمایاں تھے۔ حلم اور کنایت شعاری۔ امیر معاویہؓ کے حلم کی طرح اس کا حلم بھی تاریخی مسلمات میں ہے۔ وہ تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اس کو رو در روخت الفاظ کہے۔ اس نے صرف اس قدر کہا کہ اپنے امام کو برا کہنا مناسب نہیں۔ (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۱۰۶) ایک مرتبہ خود اس نے ایک معزز شخص کو ناملائم الفاظ کہے۔ اس نے کہا خلیفۃ اللہ فی الارض ہو کر اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ہشام سخت شرمندہ ہوا اور بولا مجھ سے اس کا بدلہ لے لو۔ اس شخص نے کہا، تمہارے جیسا مکینہ میں بھی ہو جاؤں۔ ہشام نے کہا تو اس کا مالی معاوضہ لے لو۔ اس

نے کہا یہ بھی نہیں کر سکتا۔ ہشام نے کہا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دو۔ اس نے کہا پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں پھر تمہارے لیے اس واقعہ سے ہشام نہایت شرمندہ ہوا اور قسم کھائی کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۹۶) اس کی زبان سے جو سخت سے سخت کلمہ تاریخوں میں ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص پر بہت برہم ہوا تو کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ تم کو ایک کوڑا ماروں گا، لیکن یہ ارادہ قول سے عمل میں نہ آیا۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۹۷)

وہ اپنے پیشروؤں کے برعکس نہایت کنایت شعار تھا۔ اس کی کنایت شعاری بلکہ بخل کے بہت سے واقعات ملتے ہیں، لیکن ان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ البتہ صحیح ہے کہ وہ بڑا کنایت شعار تھا۔ ایک ایک لباس برسوں پہنتا تھا۔ اپنے لڑکوں کو بھی سادگی کا عادی بنایا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے بعد بے اندازہ دولت چھوڑ گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص۔ ۲۳۸)

ولید ثانی بن یزید بن عبد الملک

(۱۲۶۱ھ مطابق ۷۴۳ء تا ۷۴۴ء)

یزید بن عبد الملک اپنی زندگی میں ہشام کے بعد اپنے لڑکے ولید کو نامزد کر گیا تھا۔ اس لیے ہشام کی وفات کے بعد ربیع الثانی ۲۵ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔ ولید ہر اعتبار سے خلافت کے لیے نااہل تھا۔ امور مملکت سے غافل، ہر وقت فسق و فجور میں غرق رہتا تھا۔ ہشام نے اپنی زندگی میں اسے سدھارنے کی بڑی کوشش کی تھی۔ زبانی فہمائش کی۔ اس کے بد اخلاق ندیموں کو الگ کر دیا۔ امیر الحج بنا کر مکہ بھیجا۔ آخر میں وظیفہ بند کر دیا، لیکن ولید کے مشاغل میں کوئی فرق نہ آیا، بلکہ اس کی ضد اور بڑھتی گئی اور دونوں کے تعلقات اتنے خراب ہو گئے کہ ولید ہشام کی قربت چھوڑ کر اپنی جاگیر پر اردن چلا گیا۔ اس کی اصلاح سے مایوس ہونے کے بعد ہشام نے امام زہریؒ اور بعض دوسرے اکابر کے مشورہ سے ولید کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے مسلمہ کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی تھی، لیکن ابھی اس کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ اس کا وقت آخر ہو گیا۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۵۹۷، امام زہریؒ کی تاریخ کا ذکر تاریخ الخلفاء میں ہے) ہشام کی وفات کے وقت ولید اردن میں تھا، یہیں اس کی وفات کی خبر ملی۔ اس نے فوراً عباس بن عبد الملک کو فرمان لکھا کہ رصافہ جا کر ہشام کی کل دولت اور متروکات کو اپنے قبضہ میں لے لو۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۹۸) ولید ہشام کے تمام وابستگان دولت خصوصاً ان امراء سے بہت برہم تھا، جو ولی عہدی سے اس کے اخراج کی تجویز میں شریک تھے، چنانچہ تختی نشینی کے بعد اس نے سب سے انتقام لیا۔ انہیں یک قلم ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا۔ (یعقوبی ج۔ ۲، ص۔ ۳۹۷) اور ہشام کے تمام آدمیوں پر اتنی سختیاں کیں کہ اس کے خدام اس کی قبر پر جا کر روتے تھے۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۹۸) ہشام کے ماموں ہشام بن اسماعیل کو مکہ کی حکومت سے معزول کر دیا۔ ان کے لڑکوں محمد اور ابراہیم کو کوڑوں سے پٹوا کر انہیں یوسف بن عمروؒ والی عراق کے حوالہ کر دیا۔ اس نے

ان کو اتنی ایذا نہیں دیں کہ اس کے صدمہ سے وہ مر گئے۔ (ابن اثیر ص ۱۰۰ و ۱۰۱) ان مظالم کے ساتھ اس کی حکومت کا آغاز ہوا۔

یہی بن زید کا خروج اور قتل: ولید کی تخت نشینی کے چند ہی دنوں بعد یہی بن زید خراسان میں اٹھے۔ وہ اپنے والد زید بن علی کے خروج میں ان کے ساتھ تھے۔ ان کے قتل کے بعد خراسان چلے گئے تھے اور بلخ کے ایک محب اہل بیت حریش بن عمر بن داؤد کے یہاں مقیم تھے۔ ولید کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے حفظ ماتقدم کے خیال سے نصر بن سیار والی خراسان کو لکھا کہ حریش سے فوراً یہی کے حوالہ کرنے کا مطالبہ کرو۔ اس نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حریش نے لاعلمی ظاہر کی۔ نصر نے سختی سے کام لیا۔ اس کی سختی دیکھ کر حریش کے لڑکے نے بتا دیا اور نصر نے یہی کو گرفتار کر کے ولید کو اطلاع دی۔ وہ صرف یہی کو شیعوں کے دام سے الگ کرنا چاہتا تھا اور ان کو نقصان پہنچانا مقصود نہ تھا۔ اس لیے لکھا کہ انہیں وہاں سے ہٹا کر چھوڑ دو۔ نصر نے انہیں دو ہزار درہم دے کر شام جانے کی ہدایت کی۔ لیکن بلخ سے نکلنے کے بعد ان کے پیروؤں نے انہیں یہ کہہ کر پھر و رغایا کہ ہم لوگ کب تک ذلت برداشت کرتے رہیں گے۔ اس لیے یہی شام جانے کے بجائے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ نیشاپور چلے گئے۔ یہاں کے حاکم عمرو بن زرارہ کو ان کے ارادہ کا علم ہوا تو اس نے سلمہ بن احوز ہلائی کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا اور خود بھی نکلا۔ جوزجان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اس میں یہی بن زید قتل ہوئے اور ان کی پوری جماعت کام آئی۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۳۹۸)

عباسی دعوت: ۲۶ھ کے آخر میں امام محمد بن علی عباسی کا انتقال ہو گیا اور ان کے لڑکے ابراہیم ان کے جانشین ہوئے اور عباسی دعوت کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔ ولید کی ناعاقبت اندیشی اور اس کے نتائج: ولید کی فاسقانہ زندگی اور ان کے مظالم کی وجہ سے شروع ہی سے اس کے خلاف عام بددلی پھیل گئی تھی۔ اپنی ناعاقبت اندیشی سے اس نے اپنے خاندان کے ارکان اور ان امراء اور قبائل کو بھی

مخالف بنالیا جن پر بنی امیہ کی سطوت و قوت کا مدار تھا۔ ہشام کے متعلقین سے انتقام کے سلسلہ میں اس نے ایک بڑی غلطی یہ کی کہ اس کے لڑکے سلیمان کو کوڑوں سے پٹوایا اور اس کا سر اور داڑھی منڈوا کر قید کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۵، ص ۱۰۳) اس کے اس فعل سے ہشام کی اولاد اس سے برہم ہو گئی۔ مضری یا نزاری اور یحییٰ قبائل پرانے حریف تھے اور بنی امیہ کی قوت کا دار و مدار زیادہ تر یحییٰ قبائل پر تھا۔ اس لیے اموی خلفاء ان کی بڑی مدارات کرتے تھے۔ ولید نے ان کے امراء و عمائد کی بھی تذلیل و تحقیر کی اور ان کے مقابلہ میں بنی نزار کو بڑھانا شروع کیا۔ اس سے ان کی قدیمی رقابت پھر ابھر آئی۔ (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۲۳)

خالد بن عبداللہ قسری یحییٰ قبائل کا بڑا ممتاز اور مقتدر سردار تھا اور ہشام کے زمانہ میں عراق کا والی تھا۔ اس زمانہ میں اس نے عراق کی آمدنی کی ایک خطیر رقم فیاضی میں صرف کر دی تھی۔ جس کا کوئی حساب نہ دے سکا تھا۔ اس جرم میں ہشام نے انتظامی حیثیت سے اسے معزول کر دیا تھا، لیکن اس کے رتبہ کا لحاظ کر کے اور کوئی سزا نہیں دی تھی، بلکہ اس کی درشت باتوں کو سن کر انگیز کرتا تھا۔ (اخبار الطوال نے اس واقعہ کی بڑی تفصیل لکھی ہے، ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو کتاب مذکور ص ۳۲۴) ولید نے اپنے زمانہ میں اس رقم کا مطالبہ کیا اور جب خالد اسے ادا نہ کر سکا تو اسے یوسف بن نزاری والی عراق کے جو اس سے تعصب رکھتا تھا، حوالہ کر دیا۔ اس نے اسے طرح طرح کی اذیتیں دے کر مار ڈالا۔ ولید نے اسی پر بس نہیں کی، بلکہ یمن کی اس تحقیر کو فخریہ نظم کیا۔ اس سے قبائل یمن کے جذبات بھڑک اٹھے۔ (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۲۴) اور وہ اس کی مخالفت میں ہشام سے جو اپنے بھائی سلیمان کی تحقیر و تذلیل کی وجہ سے ہشام کے خلاف ہو گیا تھا، مل گئے اور اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔

یزید کسی بیعت اور ولید کا قتل: ولید اس وقت حمص اور دمشق کے درمیان قلعہ نجر میں تھا۔ یزید کے ہاتھوں پر بیعت کے بعد یحییٰ قبائل اسے لے کر نجر

پہنچے۔ اس وقت ولید کو ہوش آیا۔ اس کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی، لیکن مقابلہ کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا، ناچار اسی مختصر جماعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور شکست کھا کر مارا گیا۔ (کتاب التبیہ والاشراف ص ۳۲۴) یہ واقعہ جمادی الثانی ۲۶ھ میں پیش آیا۔ اس وقت اس کی عمر کل بیالیس سال کی تھی۔ مدت خلافت ایک سال دو مہینے۔

بعض قسابل ذکر اوصاف : اگرچہ ولید کی پوری زندگی رندی و سرمستی میں غرق تھی، لیکن اس میں بعض قابل ذکر اوصاف بھی تھے۔ اس نے حکومت کی جانب سے محتاجوں کی بھی پرورش اور معذوریوں کی خدمت کا انتظام کیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۶) شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتا تھا۔ خود خوشگو شاعر تھا۔ خصوصاً خمریات میں اسے بڑا کمال حاصل تھا۔ ابو نواس نے جو عربی زبان کا خیام سمجھا جاتا ہے، اپنے کلام میں ولید کے خمریات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۵) طبعاً بڑا فیاض اور سیر چشم تھا۔ شعراء کی قدردانی میں اس کی فیاضی اسراف کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔ یزید بن منبہ شاعر نے اس کی تحت نشینی کی تہریک میں پچاس شعر کا ایک قصیدہ پیش کیا تھا۔ ولید نے ہر شعر کے صلہ میں ایک ایک ہزار انعام دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۵) موسیقی کا بھی بڑا شائق اور قدردان تھا۔ اس کے دربار میں ابن سرتج، معبد، عریض، ابن عائشہ، ابن محرز، طولیس اور رحمان وغیرہ اس عہد کے بڑے بڑے با کمال مغنی جمع تھے۔ (مروج الذهب مسعودی ج ۳ ص ۳۱)

بعض غلط واقعات کی تنقید : اس کا فسق و فجور اور اس کے مظالم مسلم ہیں، لیکن ان کے ساتھ تاریخوں میں اس کے الحاد و دہریت کے بھی بعض جھوٹے افسانے ملتے ہیں کہ اس نے خانہ کعبہ کی چھت پر شراب پینے کا ارادہ کیا تھا یا کلام اللہ کی توہین کی، ملحدانہ مضامین کے بعض اشعار بھی اس کی جانب منسوب ہیں، لیکن اس کی حیثیت زیب داستان سے زیادہ نہیں ہے۔ ان واقعات کی شہرت کا سبب یہ ہے کہ ولید اپنے ظلم و فسق کی وجہ سے بہت بدنام تھا۔ ہر جماعت اس کے خلاف تھی۔ اس کے

مخالفین نے اس کی جانب سے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے رندی و ہوسنا کی کے واقعات کے ساتھ الحاد و زندقہ کے افسانوں کو بھی شامل کر دیا، لیکن ان کی صداقت اس سے ظاہر ہے کہ اکابر علماء محدثین تک جو دین و عقائد اسلامی کے سب سے بڑے محافظ و پاسبان ہیں۔ ان واقعات کو غلط سمجھتے ہیں، چنانچہ مہدی عباسی کے عہد کے ایک ممتاز فقیہ ابو علاشہ کا بیان ہے کہ ان سے ایک عینی شاہد نے جو ولید کی رندانہ صحبتوں میں شریک رہ چکا تھا۔ بیان کیا کہ وہ شراب میں بدمست رہتا تھا لیکن جیسے ہی نماز کا وقت آتا۔ رندی کا لباس اتار کر دوسرا سپید لباس پہنتا اور وضو کر کے نماز پڑھتا۔ نماز ادا کرنے کے بعد پھر رندانہ مشاغل میں مصروف ہو جاتا۔ فقیہ مذکور اس واقعہ کو بیان کر کے کہتے تھے کہ کیا یہ اس شخص کی زندگی ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ (ابن اثیر ج۔ ۵ ص ۱۰۲)

سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں حافظ ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ولید کی جانب کفر و زندقہ کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ البتہ وہ مے نوشی اور دوسرے منہیات میں ضرور مبتلا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۵۲) اس کی زندگی کا آخری عمل یہ تھا کہ جب وہ شکست کھا کر قصر میں محصور ہو گیا اور لوگ اسے قتل کرنے کے لیے اندر گھسے تو وہ کلام اللہ کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گیا اور کہا کہ ”جس طرح عثمان ؓ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے مارے گئے اسی طرح میرا بھی خاتمہ ہو“ (ابن اثیر ج۔ ۵ ص ۱۰۶)

یزید ثالث بن ولید المعروف بہ یزید الناقص

(۱۲۶ھ مطابق ۷۴۴ء)

ولید کے قتل کے بعد رجب ۱۲۶ھ میں یزید بن ولید تخت نشین ہوا۔ اس نے ولید کے دور کے فوج کی تنخواہ کے اضافہ کو گھٹا دیا تھا۔ اس لیے یزید ناقص کہلاتا تھا۔ یہ عابد و زاہد خلیفہ تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے حسب ذیل تقریر کی:

”لوگو! میں اس وقت تک کہیں کوئی نئی عمارت نہ بنواؤں گا اور نہ نئی نہر نکلاؤں گا“

جب تک اس مقام کی سرحد کی حفاظت کا انتظام نہ ہو جائے گا اور جب تک وہاں کے باشندوں کی احتیاج و ضروریات پوری نہ ہو جائیں گی۔ اس وقت تک وہاں کی آمدنی کسی دوسرے مقام پر نہ بھیجی جائے گی۔ ہر جگہ کا صرف وہی مال دوسری جگہ منتقل کیا جائے گا جو مقامی ضروریات سے زائد ہوگا۔ اپنا دروازہ حاجتمندوں کے لیے بند نہ کروں گا۔ سال بسال تمہارے وظیفے اور ماہ بماء تمہارا راشن ملتا رہے گا۔ حقوق میں دور کے رہنے والے قریب کے رہنے والوں کے برابر ہوں گے، جو کچھ میں نے کہا اگر اسے پورا کروں تو تم پر میری اطاعت اور میری امداد فرض ہے اور اگر پورا نہ کروں تو مجھے معزول کر دو۔ تم لوگ گواہ رہو، میں تو بہ کرتا ہوں، اگر کوئی ایسا شخص صالح تمہاری نگاہ میں ہو جو ان باتوں کا وعدہ کرے، جن کا میں نے وعدہ کیا ہے، اور تم اس کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہو تو میں سب سے پہلے اس کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔“ (الفخری ص ۱۲۱)

یزید کی مخالفت : اگرچہ ولید کی مخالفت اور اس کے قتل کا سبب اس کی نااہلی اور اس کے اعمال تھے اور اس کے مقابلہ میں یزید صالح خلیفہ تھا، لیکن کسی حکمران کے قتل کے اسباب خواہ کچھ ہی ہوں۔ حکومت کے نظام پر ہمیشہ اس کا برا اثر پڑتا ہے اور لوگوں میں حکمران کے خلاف اٹھنے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر ولید کے قتل کے اسباب میں یمنی اور مضری عصبیت بھی شامل تھی۔ اس لیے اس واقعہ سے ایک طرف لوگ خلیفہ وقت کی مخالفت میں جبری ہو گئے۔ دوسری طرف قبائلی عصبیت بھڑک اٹھی۔ جب تک ولید کے قتل کا واقعہ نہ پیش آیا تھا۔ ہر طبقہ اس کے خلاف تھا، لیکن یمنیوں کے ہاتھوں اس کا قتل قبائلی سوال بن گیا اور یمن و مضر کی پرانی عصبیت ابھر آئی اور وہ مضری بھی جو ولید کی زندگی میں اس کے خلاف تھے۔ یمنیوں سے، اس کے قتل کا انتقام لینے کے لیے آمادہ ہو گئے اور دونوں قبیلوں میں نہایت سخت مخالفت شروع ہو گئی

اور تمام مضری قبائل اور بنی امیہ کے اکثر ارکان یزید کے خلاف ہو گئے اور شام کے مختلف حصوں میں اس کے خلاف بغاوت پھا ہو گئی۔

حمص میں بغاوت : سب سے پہلے حمص کے باشندوں نے یزید کی خلافت ماننے سے انکار کیا۔ مروان ابن عبداللہ بن عبدالملک اموی نے بھی ساتھ دیا (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۱۰۹) اور حمص میں بغاوت پھیل گئی۔ یہاں کے باشندوں نے اپنے اپنے حاکم عبداللہ بن سخرہ کنڈی (یعقوبی ج۔ ۲، ص۔ ۴۰۱ و ۴۰۲) اور مروان بن عبدالملک اور اس کے لڑکے کو یزید کی حمایت کے جرم میں قتل کر دیا اور ولید کے قتل میں اعانت کے جرم میں عباس بن ولید اموی کا گھر مسمار کر دیا اور پایہ تخت دمشق پر حملہ کے لیے بڑھے۔ یزید کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبدالعزیز بن حجاج اور ہشام بن مصاد کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔ انہوں نے باغیوں کو شکست دے کر واپس کیا۔ شکست کھانے کے بعد اہل حمص نے مجبور ہو کر یزید کی خلافت تسلیم کر لی۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۱۰۹)

فلسطین اور اردن کسی بغاوت : حمص کی بغاوت کے ساتھ ہی فلسطین کے باشندوں نے بھی اپنے حاکم سعید بن عبدالملک کو نکال دیا تھا اور اسی کے بھتیجے یزید بن سلیمان بن عبدالملک کو جو یزید کے خلاف تھا، حاکم بنالیا۔ اس کی مخالفت سے فلسطین والوں کو بڑی تقویت ہوئی اور انہوں نے بھی یزید کی خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بغاوت کی خبر اردن پہنچی تو یہاں کے باشندوں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور شام میں ایک عام خلفشار پھا ہو گیا۔ ان کے مقابلہ کے لیے یزید نے سلیمان بن ہشام کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا اور دوسری خفیہ تدبیر یہ کی کہ فلسطین کے باغیوں کے سردار سعید بن روح اور نبعان بن روح کو حکومت اور مال کی طمع دلا کر توڑ لیا، چنانچہ وہ فلسطین کو لوٹ کر لے گئے اور اہل اردن تنہا رہ گئے۔ سلیمان بن ہشام نے تھوڑی سی فوج بھیج کر انہیں آسانی کے ساتھ زیر کر لیا اور فلسطین اور اردن دونوں

مقاموں میں یزید کی بیعت ہو گئی۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد یزید نے ضبجان کو فلسطین کا اور اپنے بھائی ابراہیم کو اردن کا حاکم بنایا۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۱۰۹)

مروان بن محمد کما جزیرہ پر قبضہ : یزید کے آخری زمانہ میں مروان بن محمد اموی نے جزیرہ پر مخالفانہ قبضہ کر لیا۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ ولید کے قتل کی وجہ سے مروان بھی یزید کے خلاف ہو گیا تھا۔ ولید کے قتل کے ہنگامہ میں جزیرہ کا والی عبدہ بن رباح غسانی جزیرہ سے شام گیا۔ مروان کا لڑکا عبدالملک قریب ہی حران میں تھا۔ میدان خالی پا کر اس نے جزیرہ کو اپنے انتظام میں لے لیا اور اپنے باپ کو آرمینہ اطلاع دی، وہ فوراً وہاں سے جزیرہ پہنچا۔ اہل جزیرہ نے اس کی کوئی مخالفت نہیں کی، بلکہ بیس ہزار آدمی اس کی حمایت کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کا سہارا پا کر اس نے یزید کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ یزید کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے جزیرہ، آرمینہ، موصل اور آذربائیجان کی حکومت دے کر اس کی مخالفت روک دی اور مروان نے اس کی بیعت کر لی۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۱۱۴، ۱۱۵)

مصر اور یمن میں بھی مخالفت ہوئی، لیکن بڑھنے نہ پائی۔ گویہ بغاوتیں ختم ہو گئیں، لیکن قبائلی عصبیت کی جو آگ لگی تھی وہ برابر بھڑکتی رہی تا آنکہ اموی حکومت کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

وفات : کل چھ مہینے حکومت کرنے کے بعد ذی الحجہ ۱۲۶ھ میں یزید کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ۶۴ سال کی عمر تھی۔ اسے بہت کم خلافت کا موقع ملا اور یہ مختصر مدت بھی بغاوتوں اور شورشوں میں گزری، اس لیے اس کے عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔

ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

(۱۲۶ھ تا ۱۲۷ھ مطابق ۷۴۷ء تا ۷۴۸ء)

یزید نے اپنے بھائی ابراہیم کو ولی عہد بنایا تھا۔ اس کے بعد ذی الحجہ ۱۲۶ھ میں

وہ تخت نشین ہوا، لیکن وہ برائے نام خلیفہ تھا۔ عام طور پر اس کی خلافت تسلیم نہیں کی گئی اور چند ہی مہینوں میں مروان نے اس کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

مروان بن محمد کی مخالفت : اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ولید کے قتل کی وجہ سے مروان بن محمد یزید کے خلاف تھا اور اسی کے زمانہ میں اس نے جزیرہ پر قبضہ کر لیا اور یزید کے مقابلہ میں اٹھنے والا تھا، لیکن یزید نے سیاست سے کام لیا اور اسے آرمینیا اور آذربائیجان کی حکومت دے کر خاموش کر دیا تھا۔ ابراہیم یزید کا جانشین تھا اور ولید کے لڑکے حکم اور عثمان اس کی قید میں تھے۔ انہیں وہ رہا نہ کرتا تھا۔ اس لیے مروان کی مخالفت اس کے ساتھ بھی قائم رہی۔ ابراہیم قوت اور سیاست دونوں سے محروم تھا۔ اس لیے اس کی تخت نشینی کے بعد مروان نے شام پر فوج کشی کر دی۔ راستہ میں مسرور بن ولید والی قسریں اور اس کے بھائی بشر نے روکا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ قبیلہ قیس کا سردار یزید بن عمرو بن مہیرہ جس پر مسرور کی قوت کا دار و مدار تھا، مروان سے مل گیا اور مسرور اور بشر دونوں کو پکڑ کے مروان کے حوالہ کر دیا۔ (ابن اثیر ج-۵، ص-۱۱۹) لیکن یعقوبی کا بیان ہے کہ مروان نے خود شکست دے کر گرفتار کر لیا، بہر حال قسریں میں مروان کو کامیابی ہوئی (یعقوبی ج-۲، ص-۴۰۳)

اہل حمص بھی یزید کے مخالفین میں تھے اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ انہوں نے اس کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی، لیکن شکست کی وجہ سے مجبور ہو گئے تھے۔ ابراہیم کی کمزوری کی وجہ سے انہیں بھی موقع مل گیا، چنانچہ انہوں نے اس کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ابراہیم نے عبدالعزیز کو ان سے بے جبر بیعت لینے پر مامور کیا۔ چنانچہ شام پر مروان کی فوج کشی کے وقت عبدالعزیز بیعت کے لیے اہل حمص کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔

ابراہیم کی شکست : اس لیے قسریں پر قبضہ کرنے کے بعد مروان حمص پہنچا۔ عبدالعزیز میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے وہ محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا اور اہل حمص

نے ابراہیم کی مخالفت میں مروان کی بیعت کر لی۔ مروان نے انہیں ساتھ لے کر پایہ تخت دمشق کا رخ کیا۔ ابراہیم نے سلیمان بن ہشام کو ایک لاکھ فوج دے کر اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ عین البحر میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ مروان نے کہا، بھیجا کہ اگر ولید کے دونوں لڑکوں حکم اور عثمان کو رہا کر دیا جائے تو وہ جنگ نہ کرے گا، لیکن سلیمان نے انکار کر دیا اور صفر ۱۲۷ھ میں دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ سلیمان نے بڑی شکست فاش کھائی۔ سلیمان کو شکست دینے کے بعد مروان نے ولید کے لڑکوں حکم اور عثمان کی غائبانہ بیعت لی اور ولید کے قاتلوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ سلیمان کو شکست کے بعد شامی امراء نے جس میں زیادہ تر ولید کے قاتلین اور اس کے مخالفین تھے۔ مشہور کیا کہ جب تک حکم اور عثمان زندہ ہیں، مروان ان کے نام پر لڑتا رہے گا اور انہیں خلیفہ بنانے کی کوشش کرے گا، اگر اس میں اس کو کامیابی ہوگئی تو اس وقت ولید کے قاتلوں کی خیر نہیں، چنانچہ حکم اور عثمان کو قتل کر دیا گیا۔ اسی دوران میں مروان دمشق پہنچ گیا۔ ابراہیم میں کوئی طاقت نہ تھی۔ وہ بھاگ نکلا اور کل تین چار مہینوں کے بعد اس کی خلافت ختم ہوگئی۔

مروان ثانی بن محمد بن مروان الملقب بہ حمار

(۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ مطابق ۷۴۵ء تا ۷۴۹ء)

ولید کے دونوں لڑکے جنہیں مروان خلیفہ بنانا چاہتا تھا، قتل ہو چکے تھے۔ اس لیے ابراہیم کے فرار کے بعد مروان کے ہاتھوں پر بیعت ہوئی اور صفر ۱۲۷ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور ابراہیم سے درگزر سے کام لیا۔ مروان سن رسیدہ، تجربہ کار، مستقل مزاج اور بہادر خلیفہ تھا، لیکن اس وقت اموی حکومت کا نظام اتنا بگڑ چکا تھا کہ مروان اس کو نہ سنبھال سکا۔ خود اموی خاندان میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ بنی امیہ کے مرکز حکومت شام میں مختلف پارٹیاں قائم تھیں۔ ان سب سے بڑھ کر نزاری اور یمنی قبائل میں جن پر حکومت کی فوجی قوت کا دارومدار تھا، مستقل خانہ جنگی پھا ہو گئی تھی۔ گوان

قبائل کی مخالفت بہت قدیم تھی اور وقفا نو قاس کا عملی ظہور ہوتا رہتا تھا، لیکن جب تک خاندان صاحب اقتدار تھے، اس کو اتنا آگے نہ بڑھنے دیتے تھے کہ حکومت کی قوت ختم ہو جائے، لیکن آخری دور میں وہ اپنی امداد و اعانت کے لیے خود ان کے محتاج ہو گئے تھے اور ان پر ان کا قابو نہ رہ گیا تھا، بلکہ وہ اپنے اغراض کے حصول کے لیے ان کے اختلاف کو اور زیادہ بڑھاتے تھے۔ اس لیے مروان کے دور میں ان میں مستقل جنگ قائم ہو گئی۔ اس سے حکومت کی قوت بالکل کمزور پڑ گئی اور بنی امیہ کی قدیم مخالف جماعتوں کے علاوہ ان کی نئی اور خطرناک حریف عباسی تحریک کو طاقت پکڑنے کا موقع مل گیا۔ عرب قبائل قومی خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اس لیے وہ عباسی تحریک کو نہ دبا سکے اور اس نے بڑھ کر اموی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔۔۔ یہ تمام واقعات چند سال کے عرصہ میں ایک ساتھ پیش آئے۔ ترتیب کے خیال سے ان کو علیحدہ علیحدہ لکھا جاتا ہے۔

شام کسی بغاوت اور اس کا خاتمہ : سب سے پہلے شام میں مروان کی مخالفت ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ وہ نزاری قبائل کا حامی تھا اور شام میں ان کے حریف یمنیوں کی آبادی زیادہ تھی۔ اس لیے اس کے مختلف حصوں میں مروان کی مخالفت شروع ہوئی اور حمص، فلسطین اور تدمر کے باشندوں نے اس کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ اہل غوطہ نے دمشق پر حملہ کر دیا اور سارے شام میں خلفشار پھا ہو گیا۔ مروان بڑا بہادر اور مستقل مزاج تھا۔ وہ اس مخالفت سے نہ گھبرایا اور حمص پر فوج کشی کر کے یہاں کے باشندوں کو مطیع بنایا اور اپنے تمام مخالفین کو قتل اور دس ہزار آدمی گرفتار کیے اور حمص کی شہر پناہ توڑ دی اور ابو الورد بن کوثر کو دس ہزار فوج دے کر اہل غوطہ کے مقابلہ کے لیے دمشق بھیجا۔ اس نے حملہ آوروں کو شکست دے کر یہاں سے ہٹایا۔ انہیں ہٹانے کے بعد ابو الورد فلسطین کے باغیوں کے مقابلہ کے لیے طبریہ پہنچا، لیکن یہاں کے باشندے خود شکست دے کر ان کو ہٹا چکے تھے۔ ابو الورد نے تعاقب کر کے

اس لیے مروان نے اسے معزول کر کے نصر بن سعید حشری کو کوفہ کا والی بنایا۔ ابن عمر نے اس کو حکومت کا جائزہ دینے سے انکار کر دیا اور دونوں میں جنگ ہو گئی۔ ان دونوں کی آویزش کو دیکھ کر ایک خارجی سردار ضحاک بن قیس شیبانی اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ دونوں کا دشمن تھا، اس لیے اس کے مقابلہ میں نصر اور عبداللہ نے صلح کر لی اور عبداللہ نے ضحاک کا مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، اس کا بھائی مارا گیا۔ اس کے بہت سے آدمی ساتھ چھوڑ کر واسط چلے گئے۔ ناچار عبداللہ نے بھی واسط کا راستہ لیا اور کوفہ پر ضحاک قابض ہو گیا۔ کوفہ پر قبضہ کے بعد یہاں شعیب بن عمران کو چھوڑ کر عبداللہ کے تعاقب میں واسط پہنچا۔ اس مرتبہ نصر اور عبداللہ دونوں نے مل کر اس کا مقابلہ کیا۔ کئی مہینے تک فریقین میں معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ عبداللہ کے ہوا خواہوں نے مشورہ دیا کہ ضحاک سے لڑنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اصلی حریف مروان کی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے تم اس سے صلح کر لو، اگر اس نے مروان کو مغلوب کر لیا تو تمہارا مقصد بھی حاصل ہو جائے گا اور صلح کی وجہ سے تم خود اس کے شر سے محفوظ رہو گے اور اگر شکست کھائی تو تمہارے لیے اس سے جنگ کرنے کا موقع بدستور باقی رہے گا۔ یہ مشورہ معقول تھا۔ عبداللہ نے قبول کر لیا اور اس میں اور ضحاک میں مصالحت ہو گئی۔ (ابن اثیر ج ۵، ص ۱۲۶) اس مصالحت کے بعد ضحاک مروان کے مقابلہ کے لیے بڑھا اور نصیبین میں مروان کے لڑکے عبداللہ کا محاصرہ کر لیا۔ مروان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے نصیبین کا قصد کیا، مگر اس دوران میں ضحاک عبداللہ کو چھوڑ کر مروان کے مقابلہ کے لیے خود جران پہنچ گیا، لیکن شکست کھا کر مارا گیا۔ اس کے قتل کے بعد خارجیوں نے خیبری کو سردار بنا کر جنگ جاری رکھی۔ یہ بھی شکست کھا کر مقتول ہوا۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۴۰۴ و ۴۰۵ و ابن اثیر ج ۵، ص ۱۳۰ و ۱۳۱ و یعقوبی و ابن اثیر کے بیان میں ضحاک اور خیبری کے قتل کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے) خیبری کے قتل کے بعد شیبان بن عبدالعزیز ابو دلف یشکری نے اس کی جگہ لی۔ یہ جنگ روک کر

خارجیوں کو لے کر موصل چلا گیا۔ مروان بھی اس کے تعاقب میں پہنچا اور خود شیبان کے مقابلہ میں رہا اور عمرو بن ہبیرہ والی فرقیسیا کو اس کے نائب شعی بن عمران کے مقابلہ کے لیے کوفہ بھیجا۔ اس نے شعی کو شکست دے کر کوفہ سے نکالا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد خارجیوں نے بصرہ میں اجتماع کیا۔ ابن ہبیرہ نے یہاں بھی ان کے قدم نہ جمنے دیئے اور عراق سے ان کو بالکل نکال دیا۔

عراق کو صاف کرنے کے بعد ابن ہبیرہ نے عامر بن صبارہ کو سات ہزار فوج کے ساتھ مروان کی مدد کے لیے موصل بھیجا۔ شیبان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے جون بن کلاب کو اس کے روکنے کے لیے روانہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر راستہ میں عامر کو شکست دی۔ وہ شکست کھا کر سن میں قلعہ بند ہو گیا۔ مروان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً مدد بھیجی۔ عامر نے اس کی مدد سے جون کو شکست دے کر قتل کر دیا اور مروان کی مدد کے لیے موصل روانہ ہو گیا۔ شیبان نے دونوں کے درمیان اپنے کو محصور کرنا مناسب نہ سمجھا اور موصل سے چلا گیا۔ مروان نے عامر کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ جیرفت میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ شیبان کو شکست ہوئی اور وہ سیستان کی طرف نکل گیا۔ اسی زمانہ میں ایک اور خارجی سردار ابو حمزہ بلج بن عقبہ ازدی نے حج کے موقع پر منی میں خروج کیا۔ عبدالواحد بن سلیمان اموی والی مکہ نے اس سے لکھ کر آنے کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ ہم حج کے لیے آئے ہیں اور فریقین میں طے ہوا کہ وہ حج کے اختتام پر مکہ میں بد امنی پیدا کرنے سے گریز کریں۔ عبدالواحد میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے حج ختم ہونے کے بعد وہ مدینہ چلا گیا اور ابو حمزہ فاتحانہ مکہ میں داخل ہو گیا۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۴۰۴ و ۴۰۵ و ابن اثیر ج ۵، ص ۳۰ و ۳۱ و یعقوبی و ابن اثیر کے بیان میں ضحاک اور خیبری کے قتل کا تفصیل میں کچھ اختلاف ہے)

عبدالواحد کو یقین تھا کہ ابو حمزہ مکہ کے بعد ضرور مدینہ آئے گا۔ اس لیے مدینہ

آنے کے بعد اس نے عبدالعزیز بن عبداللہ کو اہل مدینہ کے ساتھ ابوجمہ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ مدینہ سے کچھ دور چل کر اہل مدینہ کو ابوجمہ کا یہ پیام ملا کہ ”ہم تم لوگوں سے لڑنا نہیں چاہتے، ہم کو ہمارے دشمن سے نیٹ لینے دو“۔ لیکن اہل مدینہ نے پیش قدمی جاری رکھی۔ خوارج مکہ سے چل چکے تھے۔ مقام قدید میں ان کا اور اہل مدینہ کا سامنا ہوا۔ خوارج کے مقابلہ میں یہ لوگ جنگ سے بالکل ناواقف تھے۔ اس لیے بڑی فاش شکست کھائی اور ان کے اتنے آدمی مارے گئے کہ سارا مدینہ ماتم کدہ بن گیا۔ انہیں شکست دینے کے بعد ابوجمہ مدینہ پہنچا۔ عبدالواحد میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے اس نے شام کا راستہ لیا اور صفر ۳۰ھ میں ابوجمہ مدینہ میں داخل ہو گیا اور یہاں چند مہینے ٹھہرنے کے بعد مروان کے مقابلہ کے لیے شام کا رخ کیا۔ مروان نے عبدالملک بن محمد کو چار ہزار فوج کے ساتھ اس کو روکنے کے لیے بھیجا۔ وادی القریٰ میں جنگ ہوئی۔ ابوجمہ کو بڑی فاش شکست ہوئی اور خارجیوں کی بڑی تعداد کام آئی، جو بچ رہے وہ مدینہ لوٹ گئے۔ عبدالملک نے مدینہ پہنچ کر باقی خوارج کو تہ تیغ کیا اور ابوجمہ بھی مارا گیا۔ اس کے قتل کے بعد خارجیوں کی شورش ختم ہو گئی۔ (یہ تمام حالات ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

مذکورہ بالا مخالف جماعتوں میں سے کوئی نئی نہ تھی۔ امویوں کا ہمیشہ ان سے سابقہ رہا، اس لیے صرف ان سے اموی حکومت کو کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا، لیکن بنی امیہ کی بد قسمتی سے، مضر، یمن اور ربیعہ کے اختلاف نے مستقل جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس سے بنو امیہ کی اصل حریف عباسی تحریک کو پھیلنے اور طاقت پکڑنے کا موقع مل گیا اور ابو مسلم خراسانی نے سارے خراسان میں اس کو پھیلا دیا۔

عباسی تحریک: ہشام کے دور تک عباسی تحریک کی رفتار کے مختصر حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ ۲۶ھ میں امام محمد بن علی کا انتقال ہو گیا اور ان کے لڑکے ابراہیم ان کے جانشین ہوئے۔ انہوں نے از سر نو اس تحریک کی تنظیم کی۔ اس کے اصول و

قواعد بنائے اور ایک تجربہ کار داعی بکیر بن ہامان کو ان قواعد کے اجراء کے لیے خراسان بھیجا۔ اس نے تمام عباسی داعیوں کو جمع کر کے امام کے احکام و نصائح سنائے۔ ان سے ان کی بیعت لی اور نذرانہ عقیدت لے کر امام کی خدمت میں حمیمہ واپس آیا۔ ابراہیم کے دور میں عباسی تحریک کو بڑا فروغ ہوا، تاریخوں میں اس کی بڑی لمبی تفصیل ہے۔

ابو مسلم خراسانی: لیکن اس مبلغ اعظم نے عباسی تحریک کا غلامہ سارے خراسان میں بلند کر دیا اور ہاشمی خلافت کے تخیل کو تاریخ میں واقعہ کی شکل دی۔ وہ ابو مسلم خراسانی ہے۔ اس کے نسب اور عباسی تحریک میں اس کی شرکت کے زمانہ میں مختلف روایات ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عجمی النسل اور پارسی نژاد نو مسلم تھا۔ بعض اسے آزاد اور بعض اسے غلام بتاتے ہیں۔ اصفہان میں پیدا ہوا اور کوفہ میں عباسی داعیوں کے دامن میں اس کی نشوونما ہوئی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی داعی عیسیٰ بن موسیٰ سراج نے اس کی تربیت کی اور اسی کے وسیلہ سے وہ عباسی تحریک میں شامل ہوا اور بعض روایتوں میں ہے کہ عیسیٰ بن ادریس اور معتقل بن ادریس کا غلام تھا۔ یہ دونوں عباسی تحریک کی تبلیغ کے جرم میں قید کر دیئے گئے تھے۔ ابو مسلم جیل میں ان کی خدمت کرتا تھا۔ عیسیٰ اور معتقل کے بعض خوبہ تلاش ان سے خفیہ جیل میں ملنے آئے اور ابو مسلم کے بشرہ پر ذہانت و ہوشمندی کے آثار دیکھ کر واپسی میں امام محمد بن علی سے اس کے اوصاف بیان کیے۔ انہیں اپنی تحریک کے لیے ایسے ہونہار آدمیوں کی ضرورت تھی۔ اس لیے انہوں نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔ ابو مسلم بڑا ہونہار اور دانشمند تھا۔ اس نے بہت جلد محمد بن علی کے مزاج میں رسوخ حاصل کر لیا اور ان کا معتمد علیہ اور رازدار بن گیا اور دوسرے داعیوں کے پاس ان کے خفیہ پیغام لے جانے لگا۔ ایک روایت یہ ہے کہ بکیر بن ہامان نے اسے اس کے آقاؤں سے خرید کر امام ابراہیم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ بعض اور روایتیں بھی ہیں۔ (یہ تمام روایتیں ابن اثیر ج ۵، ص ۹۳ و ۹۴ و

اخبار الطوال ص ۳۳۹ و ۳۴۰ میں ہیں) بہر حال اتنا بیان مشترک ہے کہ وہ پارسی نژاد اور بڑا عالی دماغ تھا اور اس کے جوہر امام ابراہیم کے زمانہ میں چمکے۔ اس نے اپنی کارگزاریوں اور حسن خدمت سے اتنا رسوخ و اعتماد حاصل کر لیا کہ ابراہیم نے ۱۲۷ھ میں اس کو رئیس الدعاة بنا کر خراسان بھیجا۔ (ابن اثیر حوالہ مذکور) اور خود اپنے ہاتھ سے ”عباسی نشان“ جس کا نام ”سحاب“ رکھا تھا بنانا کر روانہ کیا۔ خراسان میں اس نے جس ہوشیاری سے عباسی تحریک کو پھیلا یا اور اس سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے ان کی تفصیل بہت طویل ہے اور اس کا نقل کرنا بیکار ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس نے بڑی دانشمندی اور سرگرمی سے کام کیا اور خراسان بھر میں دعاۃ بھیج کر اس کے چپہ چپہ میں عباسی دعوت پھیلا دی اور چند ہی دنوں میں اس تحریک نے اتنی طاقت پکڑ لی اور اتنے خراسانی اس میں شامل ہو گئے کہ وہ علانیہ بنی امیہ کے مقابلہ میں اٹھنے کے قابل ہو گئے۔ اس وقت ابو مسلم نے اپنے پیروؤں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور اس کے انتظام کے لیے ہر مقام پر ایک ایک امیر مقرر کیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۶۴) ابو مسلم کی خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں مضربین اور ربیعہ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اس نے ابو مسلم کے لیے راستہ صاف کر دیا اور اس نے حکمت عملی سے اس خانہ جنگی کو زیادہ بھڑکا دیا اور عربوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش کر دی۔

ابو مسلم عجمی نژاد تھا، عجمیوں کے دل سے ان کی حکومت کے زوال کا داغ نہ مٹا تھا اور ان کے دماغ میں ہمیشہ عربوں سے انتقام کے خیالات پرورش پاتے رہے؛ لیکن ان کے مقابلہ میں علانیہ اٹھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس لیے خفیہ سازشیں کیا کرتے تھے اور عربی حکومت کو نقصان پہنچانے والی جو تحریک شروع ہوتی تھی اس میں شریک ہو جاتے تھے اور اس کے مبلغ بن جاتے تھے، چنانچہ اس قسم کی اکثر تحریکیں سرزمین عجم ہی سے انھیں یا کم از کم انہیں فروغ یہیں حاصل ہوا۔ خلافت کے بارے میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کے مسئلہ کو بھی سب سے زیادہ عجمیوں ہی نے بڑھایا اور

اسی سرزمین میں وہ پروان چڑھا، چنانچہ اہل بیت کے شیعہ زیادہ تر عجمی تھے۔ عجمی یوں تو پوری قوم عرب کے خلاف تھے، لیکن بنی امیہ سے ان کو دو ہر اعناد تھا، کیونکہ اولاً وہ عرب تھے، پھر ان کی حکومت خالص عربی تھی، جس میں عجمیوں کو بار نہ تھا۔ اس لیے وہ اس کے ساتھ بڑا عناد رکھتے تھے۔ عربوں کی خانہ جنگی سے جب ان کے اتحاد کا شیرازہ بکھر اور اموی حکومت کمزور پڑی۔ اس وقت ابو مسلم اور اہل عجم کو ان سے انتقام لینے کا موقع مل گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی تحریک سب سے زیادہ عجم ہی میں پھیلی۔

عربوں کی خانہ جنگی : مضمر، یمن اور ربیعہ کی خانہ جنگی، ابو مسلم کی کارگزاریوں، عباسی تحریک کی اشاعت اور اموی حکومت کے خاتمہ کے واقعات کی ترتیب و تفصیل میں مورخین کے بیانات مختلف ہیں۔ ان سب کی تفصیل طویل بھی ہے اور بیکار بھی۔ اس لیے غیر ضروری تطویل اور اختیافی روایات کو چھوڑ کر صرف مشترک اور ضروری واقعات لکھے جاتے ہیں۔ مروان سے پہلے مضمر، یمن اور ربیعہ کے تعصب و اختلاف کے سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے۔ ان کا جستہ جستہ ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ مروان کے زمانہ میں اس اختلاف نے مستقل جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ مروان خود مضمر کا طرفدار اور ربیعہ کے خلاف تھا۔ اس لیے اس کے عمال کی بھی یہی پالیسی تھی، چنانچہ امیر نصر بن یسار والی خراسان جو خود مضمری تھا۔ یمن کے قبائل سے بڑا تعصب رکھتا تھا۔ ان سے کوئی کام نہ لیتا تھا، بلکہ اس کے حریف قبیلہ ربیعہ کا بھی مخالف تھا۔ اس طرز عمل سے اس میں اور قبیلہ ربیعہ کے سردار امیر جدیع بن علی کرمانی میں مخالفت ہو گئی۔ جدیع نے ابن یسار کو اس روش سے روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ باز نہ آیا۔ اس لیے جدیع اس کے خلاف ہو گیا اور اس کی مخالفت میں پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اس وقت امیر نصر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر اب وہ نہ رکا۔ کرمانی مقتدر اور با اثر امیر تھا۔ اس کی مخالفت سے خراسان میں بد نظمی پھیلنے اور عباسی تحریک کو تقویت پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے نصر نے مصلحتاً کرمانی کو قید کر دیا، لیکن اس کے آدمی اس کو

جیل سے نکال لے گئے اور ربیعہ اور یمن کا قبیلہ اس کی حمایت کیلئے جمع ہو گیا۔ انہیں دیکھ کر مضری نصر کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص ۱۱۲-۱۱۳ و اخبار الطوال ص ۴۵۱)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس وقت یہ معاملہ آگے نہ بڑھنے پایا اور دونوں میں مصالحت ہو گئی۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص ۱۱۳) لیکن دونوں کے دل صاف نہ تھے۔ اس لیے صلح پائیدار نہ ثابت ہوئی اور چند دنوں کے بعد پھر جنگ شروع ہو گئی۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص ۱۳۵ و ۱۳۶) دینوری کا بیان ہے کہ کرمانی کے قید سے نکلنے کے بعد امیر نصر نے اس سے معذرت کی اور اسے منانے کی کوشش کی مگر اس نے بڑی سختی سے انکار کیا اور نہایت سخت اور توہین آمیز جواب دیا اور ربیعہ اور یمن کے درمیان زمانہ جاہلیت میں جو معاہدہ ہوا تھا۔ نصر سے انتقام لینے کے لیے دوبارہ اس کی تجدید کر کے اعلان جنگ کر دیا۔ نصر کو بھی چاروں اچار مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا۔ اس طرح دونوں میں جنگ کا آغاز ہو گیا۔ (اخبار الطوال)

ابو مسلم خاموشی کے ساتھ اس خانہ جنگی کا تماشا دیکھتا رہا۔ اس وقت اس کی قوت کافی بڑھ چکی تھی۔ وہ جس کے ساتھ ہو جاتا اس کا پلہ بھاری ہو جاتا۔ اس لیے کرمانی اور نصر دونوں کو اس کی ہمدردی یا غیر جانبداری کی ضرورت تھی۔ ابو مسلم نے اس کا اندازہ کر لیا تھا چنانچہ وہ اس خانہ جنگی کو قائم رکھنے کے لیے فریقین کو الگ الگ اپنی حمایت و ہمدردی کا یقین دلاتا تھا۔ اس لیے دونوں اس کے شر سے غافل ہو گئے۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص ۱۳۶) اور وہ چپکے چپکے اس آگ کو سلگاتا اور عربوں کی تباہی کی دعائیں کرتا۔ (یعقوبی ج۔ ۲، ص ۴۰۸) ایک دورانہدیش عرب سردار عقیل بن معقل نے اس صورت حال کا اندازہ کر کے ان دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کی۔ نصر آمادہ ہو گیا اور عقیل نے جا کر کرمانی سے گفتگو کی۔ اس نے یہ شرط پیش کی کہ نصر اپنے عہدہ سے الگ ہو جائے اور اس کی جگہ قبیلہ ربیعہ کا کوئی شخص امیر مقرر کیا جائے۔ یہ شرط ایسی تھی کہ اسے نصر منظور نہ کر

سکتا تھا۔ اس لیے عقیل کی کوشش ناکام رہی۔ (اخبار الطوال ص ۳۵۵)

ابو مسلم کسی مداخلت : ابو مسلم ساری عرب قوم کا دشمن تھا، لیکن اموی حکومت میں چونکہ مضر کا عروج تھا۔ اس لیے اس وقت اس کے اصل حریف وہی تھے۔ چند دنوں تک تو خاموشی سے وہ عربوں کی خانہ جنگی کا تماشا دیکھتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب ربیعہ اور یمن سے مل کر مضر کی قوت توڑ دینے کا وقت آ گیا ہے تو وہ علانیہ اس کے ساتھ ہو گیا۔ اس کے مل جانے سے نصر کو بڑا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس نے پھر کرمانی کے پاس کہا، بھیجا کہ ابو مسلم کی باتوں میں آ کر اس کے خطرہ سے غافل نہ ہو جاؤ، مجھ کو ڈر ہے کہ وہ تمہیں بھی دھوکا دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے اختلاف کو بھلا کر صلح کر لیں۔ نصر کا یہ پیام کرمانی کی بھی سمجھ میں آ گیا اور وہ ابو مسلم کا ساتھ چھوڑ کر ایک مختصر جماعت کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے نصر کے پاس روانہ ہو گیا۔ نصر نے موقع پا کر راستہ ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس نے یہ سمجھ کر قتل کرایا تھا کہ کرمانی کے بعد اس کی مخالفت ختم ہو جائے گی، لیکن یہ مقصد حاصل نہ ہوا اور کرمانی کا لڑکا علی اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے ابو مسلم سے مل گیا۔ (ابن اثیر ج ۵، ص ۱۳۶)

دینوری کے بیان کے مطابق کرمانی کے قتل کا واقعہ بہت بعد میں پیش آیا تھا، لیکن آئندہ جو واقعات پیش آئے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی زمانہ میں ہوا۔ بہر حال ابو مسلم کے ساتھ ربیعہ اور یمن کا اتحاد حکومت کے لیے بہت مہلک تھا اور نصر تنہا ان تینوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے مروان کو ابو مسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت کا حال دیکھ کر یہ تاریخی اشعار لکھ بھیجے۔

اری بین الرماد و میض واخشی ان یکون بھا

نار ضار

مجھے خاکستر میں چنگاریاں نظر آتی ہیں آگ دو لکڑیوں سے جلانی جاتی ہے

فان النار بالعودين و ان الحرب مبدء ها

يـزكـى كـلام

آگ دو لکڑیوں سے جلائی جاتی ہے اور لڑائی کا آغاز باتوں سے ہوتا ہے

نقلت من التجب لیت ایقاظ بنی امیة ام ینام

شـعـری

میں نے تعجب سے کہا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ بنی امیہ جاتے ہیں یا سورہ ہے میں
حقیقت یہ ہے کہ اب بنی امیہ کا نصیبہ سوچا تھا اور ایسا سوچا کہ پھر جاگنا نصیب
نہ ہوا۔ یہ وقت تھا کہ مروان کی ساری قوت خوارج کے مقابلہ میں مشغول تھی۔ اس
لیے وہ کوئی مدد نہ کر سکا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۲۶۱ و مسعودی ص ۶۵) چند دنوں
کے بعد نصر نے دوبارہ یاد دہانی کی۔ مروان نے یزید بن ہبیرہ والی عراق کی بارہ ہزار
فوج بھیجنے کا حکم دیا۔ اس نے لکھا کہ اولاً بارہ ہزار فوج موجود نہیں ہے۔ دوسرے
عراقیوں کے دل میں خلیفہ کی خیر خواہی نہیں بلکہ کھوٹ ہے اور وہ اعتماد کے لائق نہیں۔
(اخبار الطوال ص ۲۶۱) مسعودی کا بیان ہے کہ یزید بھی خوارج کے مقابلہ کی وجہ
سے مدد نہ کر سکا۔ (مسعودی ج ۳ ص ۶۷) صرف ایک یعقوبی نے لکھا ہے کہ
پہلے ابن ہبیرہ نے ٹالنے کی کوشش کی، مگر پھر مروان کی مسلسل تاکید پر امدادی فوجیں
بھیجیں، لیکن صحیح یہی ہے کہ نصر کو کوئی مدد نہ مل سکی۔

امام ابراہیم کی گرفتاری اور قتل : اتفاق سے اسی زمانہ میں ابو مسلم کا
ایک قاصد جو ابراہیم کے پاس جا رہا تھا، پکڑا گیا اور مروان کے سامنے پیش ہوا۔
مروان نے اس کو دس ہزار روپے دیئے کہ وہ ابراہیم کے پاس جائے اور وہ ابو مسلم کے
خط کا جواب دیں، اسے لے آئے، چنانچہ جواب لا کر مروان کے حوالہ کر دیا۔ اس
میں دشمنوں کے استیصال کی بڑی تاکید کی تھی۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۴۰۳) اور ابو مسلم
کی برہمی کا اظہار تھا کہ اس نے کیوں اب تک نصر اور کرمانی کو چھوڑ رکھا ہے اور

خراسان میں کوئی عربی بولنے والا زندہ نہ چھوڑا جائے۔ (مسعودی ج ۳، ص ۶۹)
 اس خط کو حاصل کرنے کے بعد مروان نے ابراہیم کو جو حیمہ میں مقیم تھے گرفتار کرالیا
 اور ان سے عباسی تحریک کے متعلق استفسار کیا۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، مروان نے
 ان کا خط پیش کر دیا اور قاصد سے شہادت دلوائی۔ اس وقت ابراہیم کوئی جواب نہ دے
 سکے اور مروان نے ان کو قید کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۵، ص ۱۳۶) بعض روایتوں میں
 ہے کہ قید کے بعد فوراً ان کا کام تمام کر دیا گیا اور بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ
 کچھ دنوں کے بعد مارے گئے۔ (مروج الذهب ج ۳، ص ۷۰)

امام ابو العباس بن عبد اللہ کی جانشینی اور عباسیوں کا
 خروج : ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ان کے دونوں بھائی ابو جعفر عبد اللہ بن علی اور ابو
 عباس عبد اللہ بن علی حیمہ سے کوفہ چلے آئے اور ایک عباسی داعی ابو مسلمہ خلال کے
 یہاں ٹھہرے۔ ابو مسلمہ کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ خراسان سے کوفہ چلا آیا اور
 ابو العباس کے ہاتھوں پر بیعت کر کے انہیں ابراہیم کا جانشین بنایا۔ یہ اپنے بھائی کے
 قتل سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے حکم دیا کہ خراسان میں جو عرب ان کی دعوت
 قبول نہ کریں، انہیں بے دریغ قتل کر دیا جائے۔ یہ حکم لے کر ابو مسلمہ خراسان واپس گیا
 اور پورے خراسان کا دورہ کر کے ایک تاریخ مقرر کر دی کہ اس تاریخ کو بیک وقت
 پورے خراسان کے تمام عباسی اٹھ کھڑے ہوں اور امام ابراہیم کے غم میں سیاہ لباس
 عباسیوں کا نشان قرار دیا، چنانچہ مقررہ تاریخ کو ہر اہل بوشیخ، مروا، الروز، طالقان، مرو، نساء،
 ایبورو، طوس، منشا پور، بلخ، صغانیاں، ملخارستان، ختلان، کش اور نسف وغیرہ کے سیاہ پوش
 عباسی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے ڈنڈے تھے۔ جن کا
 نام ”کافر کوبات“ رکھا تھا اور ایک لاکھ سے زیادہ انسان ابو مسلمہ کے جھنڈے کے نیچے
 جمع ہو گئے۔ یہ طوفان دیکھ کر نصر کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے دیکھا کہ
 اگر اس وقت ربیعہ اور یمن اس کے ساتھ ہو گئے تو پھر اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ اس

لیے ایک مرتبہ پھر اس نے ان کی طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا اور ان کو لکھ بھیجا۔

ابـلـغ ربيعـة فـى مـرو ان يـغـضـبـوا قـبـل ان لا

واخـو تـهـا يـنـفـع الغـضـب

ربیعہ اور ان کے ساتھی یمن کو مرو میں یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ وقت آنے سے پہلے جب کہ غصہ کوئی فائدہ نہ دے گا ان کو غصہ آئے۔

ما بالکم یلحقون کان اهل الحجبى عن

الحرب بینکم فعلکم غیب

تم کو کیا ہو گیا ہے کہ آپس میں جنگ کرتے ہو گویا کوئی عاقل اور ذی ہوش تم میں موجود نہیں ہے۔

وتـسـرکـون عـدـوا قـدا مـمـن تـاشـب لا دین

ظـلـکم ولا حـسـب

اور اس دشمن کو تم نے چھوڑ دیا ہے جو تم پر چھا گیا ہے اور جس کا کوئی دین اور نسب نہیں ہے۔

لیسوالی عرب مناعر ولا صمیم الموالی ان

فہم نسیم

نہ تو وہ لوگ عرب ہیں جن کو ہم جانتے ہوں اور نہ وہ اپنی نسبت میں خالص موالی ہی ہیں۔

قوما یدینون دینا ما عن الرسول ولا جأت

سمعت به به الکتب

ان کا دین ایسا ہے کہ نہ وہ رسول سے سنا گیا ہے اور نہ اس کو کوئی کتاب الہی لائی ہے۔

فمن یکن سائلی عن فان دینهم ان تہلک

اصل دینهم العرب

اگر کوئی ان کے دین کی اصل حقیقت کے متعلق سوال کرے تو ان کا دین صرف یہ ہے کہ عرب برباد ہو جائیں۔

عربوں میں مصالحت اور ابو مسلم کی چالاکی سے دوبارہ اختلاف: عربوں کے قتل کے بارے میں امام ابراہیم کے حکم کے بعد عباسی تحریک کی روح اور اس کی عرب دشمنی آشکارا ہو چکی تھی۔ اس نظم نے اس کی پوری تشریح کر دی۔ اس وقت بعض عاقبت اندیش عربوں کو اس کا احساس ہوا، چنانچہ ایک عرب سردار یحییٰ بن نعیم بن ہبیرہ شیبانی کی کوشش سے ابو مسلم کے مقابلہ کے لیے مضر بن ربیعہ اور یمن میں ایک سال کے لیے عارضی صلح ہو گئی۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص ۱۳۷)

ابو مسلم نے جب دیکھا کہ اس کا بنانا کھیل بگڑا جاتا ہے تو اس نے عربوں کو زیادہ موقع نہ دیا اور فوراً ان کے مقابلہ میں آ گیا۔ عرب بھی ان کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ عین میدان جنگ میں ایک عباسی داعی سلیمان بن کثیر نے جو کرمانی کے لڑکے علی کے مقابلہ میں تھا۔ اس کو ابو مسلم کی جانب سے یہ پیام دیا کہ تمہاری غیرت نے یہ کیسے گوارا کیا کہ جس نے کل تمہارے باپ کو قتل کر کے سولی پر لٹکایا، آج تم نے اس سے صلح کر لی۔ سلیمان کا یہ افسوس کا رگر ہو گیا۔ علی بن کرمانی کی رگ جہالت پھڑک اٹھی اور اس نے نصر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کا ساتھ چھوڑتے ہی عربوں کا اتحاد ختم ہو گیا۔ اس طرح علی کی جہالت سے عرب کا خواب پریشان ہو گیا۔ اس اتحاد کے ٹوٹنے کے بعد پھر دونوں ابو مسلم کے سہارے کے لیے محتاج ہو گئے، چنانچہ دونوں نے اس سے ملنے کی کوشش کی۔ ابو مسلم کے اصل حریف مضر تھے۔ اس لیے اس نے ربیعہ اور یمن کی درخواست قبول کر لی اور مضر کا وفد نام واپس گیا۔ اس کامیابی کے بعد ابو مسلم کو عربوں کی جانب سے پورا اطمینان ہو گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ اب آئندہ عرب ہمارے خلاف متحد نہیں ہو سکتے۔ (ابن اثیر ج۔ ۴، ص ۱۴۱)

خراسان پر ابو مسلم کا قبضہ ہو گیا اور نصر کے اکثر ساتھی اس سے مل گئے۔ صرف ایک مختصر جماعت طوس چلی گئی۔ ابو مسلم نے مفتوحہ علاقوں کا از سر نو انتظام کیا اور زنباع بن نعمان ازدی کو سمرقند کا، خالد بن ابراہیم کو طخارستان کا اور محمد بن اشعث کو طبرستان کا حاکم بنایا اور قحطیہ بن شیبہ کو طوس اور سوذقان بھیجا۔ قحطیہ نے طوس پہنچ کر یہاں سے نصر کے آدمیوں کو نکالا۔ اس کے بعد نصر کے لڑکے تمیم کے مقابلہ کے لیے سوذقان پہنچا اور اسے شکست دے کر قتل کیا۔ نصر اس وقت نیشاپور میں تھا، اسے تمیم کے قتل کی خبر ہوئی تو وہ نیشاپور چھوڑ کر جرجان چلا گیا اور نیشاپور بھی ابو مسلم کے قبضہ میں آ گیا۔ (ابن اثیر ج ۱ ص ۴۳ و اخبار الطول ص ۳۶۲) یہاں سے قحطیہ جرجان پہنچا اور بتانہ بن حنظلہ والی جرجان کو قتل کر کے جرجان پر قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر ج ۱ ص ۵۰-۱۵۰)

عراق عجم پر قبضہ : خراسان پر قبضہ کے بعد قحطیہ نے عراق عجم کا رخ کیا۔ بنی امیہ کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ اس لیے ہر جگہ اس کو کامیابی ہوئی اور رے، اصفہان، نہاوند وغیرہ پر بھی معمولی لڑائیوں کے بعد قبضہ ہو گیا اور قحطیہ عراق کے ارادہ سے حلوان پہنچا۔ (اخبار الطول ص ۳۶۳) اور ابن اثیر نے ان فتوحات کی تفصیل بہت طویل لکھی ہے) اور ابو عون عبدالملک کو عثمان بن سفیان کے مقابلہ کے لیے شہر زور بھیجا۔ اس نے عثمان کو شکست دے کر شہر زور پر قبضہ کیا۔ (ابن اثیر ج ۱ ص ۵۰-۱۵۰)

مروان اس انقلاب سے غافل و بے خبر تھا۔ اس کے سامنے سب سے بڑا یہی مسئلہ تھا۔ اس فکر و تردد میں اس نے اپنا سارا عیش و آرام چھوڑ دیا۔ (مروج الذهب مسعودی ج ۳ ص ۶۹) لیکن اس کے پایہ تخت جزیرہ میں خوارج کی شورش ایسی پیا تھی کہ اس کو ابو مسلم کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔ قحطیہ کے حلوان پہنچنے کے بعد جب یہ سیلاب مروان کے سر پر پہنچ گیا اور اس کو اس درمیان میں خوارج سے فرصت بھی مل گئی۔ اس وقت وہ شام اور جزیرہ کی ایک لاکھ سے زیادہ فوج لے کر قحطیہ

کے مقابلہ کے لیے بڑھا اور دریائے زاب کے ساحل پر آ کر خیمہ زن ہوا۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۱۵۰)

دینوری کا بیان ہے کہ قطبہ نے ابو مسلم کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے لکھا کہ ابو عون کو تیس ہزار فوج دے کر مروان کے مقابلہ کے لیے بھیج دو اور تم خود ابن ہبیرہ والی عراق کے مقابلہ میں رہو تاکہ وہ مروان کی مدد نہ کر سکے۔ اس ہدایت کے مطابق قطبہ نے ابو عون کو مروان کے مقابلہ کے لیے بھیج دیا۔ شہر زور میں دونوں کا مقابلہ ہوا، مروان کو شکست ہوئی۔ (اخبار الطوال ص۔ ۳۶۳) لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ پہلے قطبہ اور ابن ہبیرہ میں جنگ ہوئی اور اس نے عراق پر قبضہ کیا۔ مروان کا مقابلہ بالکل آخری معرکہ تھا۔

عراق پر قبضہ : عراق کی جانب قطبہ کا رخ دیکھ کر ابن ہبیرہ والی عراق پہلے سے اس کے مقابلہ کے لیے تیار ہو چکا تھا اور اس کے حلو ان کے قیام کے زمانہ میں وہ ابن جوثرہ باہلی کے ساتھ جسے مروان نے اس کی مدد کے لیے بھیجا تھا قطبہ کے مقابلہ کے لیے نکل چکا تھا۔ قطبہ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ بھی کوفہ کی طرف چلا گیا۔ ابن ہبیرہ نے امیر حوثرہ اور محمد بن نباتہ کو اسے روکنے کے لیے آگے روانہ کر دیا۔ جباریہ کے قریب دونوں کا مقابلہ ہوا۔ حوثرہ اور ابن نباتہ کو شکست ہوئی اور وہ دونوں ابن ہبیرہ کے پاس لوٹ گئے۔ ان کی شکست سے ابن ہبیرہ کی ہمت ایسی چھوٹی کہ وہ راستہ ہی سے لوٹ گیا۔ (ابن اثیر ج۔ ۵، ص۔ ۱۵۰ و ۱۵۱) یعقوبی کا بیان ہے کہ خود قطبہ لاپتہ ہو گیا۔ اس کی کشدگی کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ وہ جنگ کے ہنگامہ میں نامعلوم طریقہ سے دریا میں ڈوب گیا اور بعد میں اس کی لاش ملی۔ (یعقوبی ج۔ ۲، ص۔ ۴۱۱)

مروان کو قطبہ کے ڈوبنے اور ابن ہبیرہ کی پسپائی کی اطلاع ہوئی تو اس کی زبان سے نکلا کہ ”یہ ادبار کی آخری حد ہے کہ زندہ مردہ کے مقابلہ میں پسپا ہو گیا“

‘(یعقوبی ج ۲، ص ۴۱۱)

امیر خالد بن عبداللہ قسری یمنی کا لڑکا جو اپنے والد کے قتل کی وجہ سے مضر اور بنی امیہ کا دشمن تھا، کوفہ میں مقیم تھا۔ ابن ہبیرہ کی شکست اور عراق میں بنی امیہ کی قوت کمزور دیکھ کر عباسی داعی بن گیا اور کوفہ سے اموی حاکم زیاد بن صالح کو نکال کر حسن بن قحطبہ سے اس کی حکومت کا پروانہ حاصل کر لیا۔ (کوفہ پر محمد بن خالد کے قبضہ کی تفصیلات میں مختلف روایتیں ہیں۔ ہم نے ان سب کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ دینوری نے اس کو مروان کی شکست کے بعد لکھا ہے، لیکن اور مورخین بالاتفاق کوفہ کے قبضہ کو مروان کے مقابلہ سے پہلے لکھتے ہیں)

ابوالعباس عبداللہ بن علی کی بیعت : امام ابراہیم کے قتل کے بعد ان کے دونوں بھائی ابوالعباس عبداللہ بن علی اور ابو جعفر عبداللہ بن علی کوفہ چلے آئے تھے۔ اس وقت سے وہ عباسی داعی ابوسلمہ خلال کے ہاں مقیم تھے۔ کوفہ پر محمد بن خالد کے قبضہ کے بعد عباسی دعاۃ نے ربیع الاول ۳۲ھ میں ابوالعباس عبداللہ بن علی کے ہاتھوں پر بیعت کر کے ان کو خلیفہ بنا دیا اور انہوں نے بحیثیت خلیفہ کے جامع کوفہ میں پہلا خطبہ دیا (معارف ابن قتیبہ ص ۱۶۲ و یعقوبی ج ۲، ص ۴۱۱، ابن اثیر نے پورا خطبہ نقل کیا ہے)

مروان کی شکست اور اس کا قتل : جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ مروان اس وقت دریائے زاب کے کنارے ایک لاکھ بیس ہزار فوج لیے ہوئے پڑا تھا۔ بیعت کے بعد ابوالعباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ جمادی الثانی ۳۳ھ میں دریائے زاب کے ساحل پر معرکہ آرائی ہوئی۔ مروان کے پاس فوج، ہمت اور بہادری کسی چیز کی کمی نہ تھی اور اس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن ایک طرف عباسیوں کے بڑھتے ہوئے اور فاتحانہ ولولے تھے۔ دوسری طرف ایک زوال پذیر حکومت کا مخالف طاقتوں میں گھرا ہوا اور تھکا ہوا فرما رہا تھا۔ اس لیے

اس کو بڑی فاش شکست ہوئی اور دریائے زاب کے کنارے بنی امیہ کی قسمت کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو گیا۔ اموی فوج اس بدحواسی اور بے ترتیبی سے پیچھے ہٹی کہ اس کا بڑا حصہ دریا میں ڈوب گیا۔ تنہا اموی خاندان کے تین سو آدمی غرق ہوئے۔ (یعقوبی ج ۲، ص ۴۱۵ و ۴۱۶، مروج الذهب ج ۳، ص ۷۱۔ ۷۲)

اس شکست نے مروان کی قوت بالکل توڑ دی اور وہ موصل لوٹ گیا۔ عبداللہ بن علی بھی تعاقب میں پہنچا۔ اس لیے مروان موصل میں نہ ٹھہر سکا اور حیران ہوتا ہوا شام چلا گیا۔ عبداللہ نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور موصل اور حران پر قبضہ کرتا ہوا شام پہنچا۔ ایسے نازک وقت میں اہل شام نے بھی مروان سے بے وفائی کی اور اسے شکستہ حال دیکھ کر اہل حمص نے لوٹنے کی کوشش کی۔ اس لیے اسے شام کو بھی خیر باد کہنا پڑا اور وہ حمص، دمشق اور فلسطین ہوتا ہوا مصر کی طرف نکل گیا۔ شام پہنچنے کے بعد عبداللہ بن علی نے حمص اور فلسطین پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ دمشق میں معاویہ بن ولید نے مزاحمت کی، لیکن عبداللہ نے محاصرہ کر کے اسے بھی فتح کر لیا اور یہاں سے مروان کے تعاقب میں مصر کا رخ کیا۔ پھر کچھ دور جا کر اپنے بھائی صالح اور ابوعون کو مروان کے تعاقب میں بھیج کر خود لوٹ آیا۔ مصر کے حدود میں داخل ہونے کے بعد مروان مقام بوسیر ٹھہرا تھا کہ ابوعون اور صالح پہنچ گئے۔ مروان نے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ ان کا آخری مقابلہ کیا اور شکست کھا کر گر گیا۔ (یہ واقعات مسعودی، یعقوبی اور ابن اثیر کے بیان کا خلاصہ ہیں)

دینوری کا بیان ہے کہ اس جنگ میں نہیں مارا گیا، بلکہ نیل کو عبور کر کے مغرب کی جانب نکل جانا چاہا۔ ایک مقام پر دم لینے کے لیے رکا تھا کہ ابوعون کا ایک آدمی پہنچ گیا۔ مروان پر سفر کی تکان سے غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ اس لیے اس آدمی نے حملہ کر کے قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد ذی الحجہ ۳۲ھ میں اموی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔ (اخبار الطوال ص ۳۶۴ و ۳۶۵، ابن اثیر ج ۵، ص ۱۶۱) قتل کے

وقت مروان کی عمر ۶۲ سال تھی۔ مدت خلافت پانچ سال دس مہینے مروان کا پورا زمانہ شورش و انقلاب اور جنگ و جدال میں گزرا۔ اس لیے اس دور میں بنی امیہ کے زوال اور خاتمہ کی روداد کے علاوہ اور کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔

بنی عباس کا انتقام اور بنی امیہ کا قتل عام : مروان کے قتل اور اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی بنی عباس کے جذبہ انتقام کو تسکین نہ ہوئی اور انہوں نے عوام کے دلوں پر اپنا رعب اور دبہ بٹھانے کے لیے نہایت بے دردی سے اموی خاندان کا نام و نشان مٹایا۔ جو اموی جنگ میں مارے گئے، ان کے علاوہ نوے زندہ گرفتار ہوئے تھے۔ ایک دن یہ سب عبداللہ بن علی کے ساتھ کھانے کے لیے دسترخوان پر آئے تھے کہ ایک شخص شبل بن عبداللہ نے بنی امیہ پر اشتعال دلانے والے چند اشعار پڑھ دیئے۔ عبداللہ نے اسی وقت کل امویوں کو ڈنڈوں سے پٹوا کر مروا ڈالا اور ان کی نیم بسل لاشوں پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا۔ اس کے نیچے سے جانکنی کی سسکیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ زندوں کے بعد مردوں کی باری آئی اور اموی خلفاء کی قبریں کھدوا کر ان کی خاک برباد کی۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش سالم نکلے، اس کو سولی پر لٹکا کر جلادیا۔ غرض اموی خاندان میں صغیر السن بچوں، عورتوں یا ان لوگوں کے علاوہ جو اندلس بھاگ گئے یا روپوش تھے، کوئی زندہ نہ بچا۔ اسی میں ایک عبدالرحمن الداخل تھا، جس نے اندلس پہنچ کر وہاں۔۔۔ اموی حکومت قائم کی۔

اموی حکومت کے زوال کے اسباب

اموی حکومت کا زوال اس کے قیام کے تقریباً ایک صدی بعد ہوا، لیکن اس کے عناصر اس کی تعمیر ہی کے وقت سے اس میں مضمر تھے اور بعد کے خلفاء کی سیاست اور ان کے اعمال کی بے عنوانیوں نے اس میں اور اضافہ کیا۔

(۱) اس کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ اسلامی خلافت کے بجائے موروثی اور شخصی۔۔۔ بادشاہت تھی۔ اس لیے اس میں رفتہ رفتہ شخصی حکومت کی تمام

برائیاں پیدا ہوتی گئیں گو اس حکومت کے بانی حضرت امیر معاویہ ؓ تھے لیکن وہ صحابی تھے اور رسالت کا مقدس دور دیکھے ہوئے تھے۔ اس لیے شخصی حکومت کے قیام کی بدعت کے باوجود انہوں نے اور دوسری حیثیتوں سے اس کو جادہ شریعت پر قائم رکھنے کی کوشش کی، لیکن ان کے جانشین اس روش کو قائم نہ رکھ سکے اور امیر معاویہ ؓ کے بعد ہی اموی حکومت اسلامی روح سے خالی ہو گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور میں اس کی اصلاح و تجدید کی، لیکن ان کے بعد پھر وہی پرانا غیر شرعی اور استبدادی نظام جاری ہو گیا۔ مسلمان اس نظام کے عادی نہ تھے۔ ان کے سامنے صرف خلافت راشدہ کا نمونہ تھا۔ اس سے اموی حکومت، خواص امت کے دلوں میں جگہ نہ پیدا کر سکی۔

امیر معاویہ ؓ نے ہمیشہ اسلام کے اساطین و عمائد خصوصاً بنی ہاشم اور اہل بیت نبویؐ کو جو ان کے حریف مقابل تھے، راضی رکھنے کی کوشش کی اور اپنے حسن سلوک، تحمل اور رواداری سے ان کو خوش یا کم از کم خاموش رکھا اور کوئی ایسی غلطی نہ ہونے پائی، جس سے عام مسلمانوں میں برہمی پیدا ہوتی۔ اس لیے ان سے اختلاف کے باوجود عام مسلمانوں میں ان کے خلاف کوئی انقلابی تحریک نہیں پیدا ہوئی، لیکن ان کے جانشین ان کی سیاست کو نہ نباہ سکے اور ان کے لڑکے یزید ہی کے زمانہ میں حضرت حسین ؓ کی شہادت اور حرین کی بے حرمتی جیسے اہم واقعات پیش آ گئے۔ جس کا اثر عام مسلمانوں پر نہایت برا پڑا اور یہ سلسلہ یزید پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ اس کے بعد بھی ناپسندیدہ واقعات پیش آتے رہے۔

شیعہ اور خارجی پہلے سے بنی امیہ کے خلاف تھے۔ گوان کا مسلک جدا گانہ تھا، لیکن بنی امیہ کی مخالفت دونوں میں مشترک تھی۔ یہ دونوں جماعتیں ہر زمانہ میں ان کے خلاف اٹھتی رہیں اور عراق میں انہوں نے کبھی مستقل امن قائم نہ ہونے دیا۔ پھر

بعد کے زمانہ میں جس قدر بے عنوانیاں بڑھتی گئیں، بنی امیہ کی مخالفت کا جذبہ ترقی کرتا گیا اور شیعہ اور خوارج کے علاوہ اور مخالف جماعتیں بھی پیدا ہو گئیں۔

اموی عمال کے جبر و استبداد کی بنا پر بہت سے خواص امت بھی حکومت کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ان کی مخالفت کی اور بنی امیہ کی مخالف تحریکوں میں حصہ لیا، چنانچہ ابن اشعث کی بغاوت میں سو علماء و حفاظ نے بنی امیہ کے خلاف ابن اشعث کا ساتھ دیا۔

ان مخالف جماعتوں میں شیعان علی سے خاص طور سے ان کو نقصان پہنچا۔ یہ بنی امیہ کے پرانے دشمن تھے۔ ان کی بے عنوانیوں خصوصاً حضرت حسین ؑ کے واقعہ شہادت نے شیعوں کے لیے مخالفت کا سامان فراہم کر دیا اور انہوں نے بنی امیہ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ واقعہ شہادت سے چونکہ مسلمان بھی متاثر تھے۔ اس لیے شیعوں کو بڑی کامیابی ہوئی اور عام مسلمانوں میں بھی بنی امیہ کے خلاف جذبات پیدا ہو گئے۔ عجمیوں کی عرب دشمنی کی بنا پر سرزمین عجم میں خاص طور سے شیعہ تحریک کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ جس نے بعد میں عباسی دعوت کی شکل اختیار کر لی۔ اموی عمال نے ان مخالف تحریکوں کو سیاست اور حسن تدبیر کے بجائے جبر و قوت سے دبانا چاہا، لیکن جب خود ان کی قوت کمزور پڑ گئی، اس وقت یہ آگ و فتنہ بھڑک اٹھی۔

(۲) دوسرا سبب ولی عہدی کا نظام تھا، خصوصاً ایک وقت میں یکے بعد دیگرے ایک سے زیادہ ولی عہدوں کی نامزدگی نے بڑی خرابی پیدا کی، کیونکہ عموماً پہلا ولی عہد تخت نشینی کے بعد اپنے بعد کے ولی عہد کو جو بیشتر اس کا بھائی یا اور کوئی قریبی عزیز ہوتا تھا، محروم کر کے اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ اس سے ایک طرف خود خاندان میں پھوٹ پڑتی تھی اور دوسری طرف عمالان سلطنت میں جماعت بندی ہو جاتی تھی، کیونکہ انہیں بہر حال اس تجویز کی مخالفت یا حمایت کرنا پڑتی تھی۔ اس لیے بعد میں ہونے والا خلیفہ اپنے مخالف امراء سے

انتقام لیتا تھا۔ اس سے ان میں بددلی پیدا ہوتی تھی اور اموی حکومت ان کی ہمدردی اور حمایت سے محروم ہو جاتی تھی۔ اس بری رسم کا آغاز سب سے پہلے مروان نے کیا۔ معاویہ بن یزید کی دستبرداری کے بعد اس کا وارث اور جانشین اس کا بھائی خالد تھا، لیکن اس کی کم سنی کی وجہ سے انتخاب خلیفہ کے بارے میں ارکان سلطنت میں اختلاف تھا۔ اس لیے اس شرط پر مروان کو خلیفہ بنایا گیا تھا کہ اس کے بعد علی الترتیب خالد اور عمرو بن سعید خلیفہ ہوں گے، لیکن تخت نشینی کے بعد مروان اس معاہدہ پر قائم نہ رہا اور دونوں کو ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے لڑکوں عبد الملک اور عبد العزیز کو ولی عہد بنا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مروان کے بعد عمرو بن سعید نے عبد الملک کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور عبد الملک نے اسے قتل کر دیا۔ باپ کا نمونہ دیکھ کر عبد الملک نے اپنے بھائی عبد العزیز کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی۔ اتفاق سے عبد العزیز کا انتقال عبد الملک کی زندگی ہی میں ہو گیا۔ اس لیے ولید اور سلیمان کے لیے خود راستہ صاف ہو گیا۔ پھر ولید نے سلیمان کے ساتھ یہی معاملہ کیا اور اس کی بجائے اپنے لڑکے عبد العزیز کو ولی عہد بنانا چاہا۔ اراکین سلطنت میں حجاج اور قتیبہ بن مسلم وغیرہ نے اس کی تائید کی، لیکن ولید کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولید کے بعد جب سلیمان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے مخالف امراء سے انتقام لینا شروع کیا۔ حجاج ولید کی زندگی میں مر گیا تھا، اس لیے سلیمان نے اس کے خاندان سے انتقام لیا، چنانچہ محمد بن قاسم فاتح سندھ اسی انتقام کا شکار ہوا۔ قتیبہ بن مسلم فاتح چین کے قتل میں گو خود اس کی غلطی کو بھی دخل تھا، لیکن اس کی یہ غلطی بھی سلیمان ہی کے انتقام کا نتیجہ تھی۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(۳) تیسرا سبب ان امراء اور اراکین سلطنت کی ناقدر دانی اور ان کے ساتھ خلفاء کی

بدسلوکی تھی۔ جن کی قوت کے بل پر اموی حکومت قائم تھی۔ موسیٰ بن نصیر جیسا اولوالعزم فاتح سلیمان کے عتاب کا شکار ہوا۔ یزید بن عبدالملک نے آل مہلب کا جن کی اموی حکومت میں بڑی خدمات تھیں خاتمہ کیا۔ اس کے کچھ اسباب بھی رہے ہوں، لیکن اس سے امراء میں بددلی پھیلتی تھی اور ان میں حکومت کے ساتھ وفاداری اور جاں نثاری کا جذبہ باقی نہ رہتا تھا۔

(۴) چوتھا اور سب سے آخری سبب جس نے اموی حکومت کا خاتمہ کیا عدنانی اور قحطانی یا مضری اور یمنی قبائل کا باہمی تعصب اور ان کی خانہ جنگی تھی۔ دونوں زمانہ جاہلیت کے پرانے حریف تھے۔ اسلام نے ان کو متحد کر دیا، پھر جس قدر اسلامی روح کمزور پڑتی گئی، یہ تعصب ابھرتا گیا۔ تاہم امیر معاویہ ؓ نے اس کو حسن تدبیر سے دبائے رکھا۔ ان کے بعد بھی جب تک خلفاء صاحب اقتدار رہے، اسے حد سے آگے نہ بڑھنے دیا، لیکن آخری زمانہ میں ایسے حالات پیش آئے کہ خود خلفاء نے اس کو اپنے اغراض کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ اس لیے یہ تعصب برابر بڑھتا گیا۔

بنی امیہ کی حکومت کا دارومدار زیادہ تر یمنی قبائل پر تھا۔ اس لیے ابتدائی دور میں ان کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ ان میں ایک مہلب بن ابی صفرہ والی خراسان کا گھرانہ تھا۔ یہ بڑا نامور قحطانی سردار اور بڑے دبدبے اور شکوہ کا امیر تھا۔ خوارج اور ترکوں کے مقابلہ میں اس کے بڑے کارنامے تھے۔ اس کے لڑکے بھی بڑے نامور تھے۔ اس لیے اس خاندان کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ یہ گھرانہ تدبیر و شجاعت کے ساتھ علم دوست اور شرفاء و نواز بھی تھا اور اس کا آستانہ ادب و اشعار کا مرجع بن گیا تھا۔

سوئے اتفاق سے یزید بن مہلب اور یزید بن عبدالملک کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ ابن مہلب نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے عراق اور خراسان پر قبضہ کر لیا، لیکن آخر میں اس کو شکست ہوئی اور یزید نے پورے گھرانے کو

اموی دور کی علمی حالت

بنی امیہ کے سیاسی کارناموں کے تفصیلی، تمدن کے اجمالی اور علم و فن کے جستہ جستہ حالات اور گزرجکے ہیں۔ اموی دور کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ علم و فن سے خالی تھا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ کتاب کے آخر میں اس دور کی علمی حالت پر اجمالی تبصرہ کر دیا جائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی اصلی علمی تاریخ عباسی عہد سے شروع ہوتی ہے۔ اسی زمانہ میں علوم کی کتابی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم کی جانب توجہ کی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اموی عہد علم و فن سے محض بیگانہ تھا۔ درحقیقت دینی علوم کی بنیاد اس سے بھی پہلے عہد رسالت ہی میں پڑ گئی تھی اور اس کی حامل جماعت صحابہ ؓ اسی زمانہ میں اور اس کے بعد خلافت راشدہ میں رہی۔ اس کے بعد اموی دور میں یہ امانت ان سے تابعین اور تبع تابعین میں منتقل ہوئی۔ جنہوں نے اس کو ساری دنیا میں پھیلا دیا اور اس کی تدوین کی، چنانچہ بڑے بڑے ائمہ تابعین اسی دور میں تھے۔ البتہ غیر قوموں کے علوم کی جانب عباسی دور میں توجہ ہوئی۔ اس کے مختلف اسباب تھے۔

سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ جب تک مسلمانوں میں اسلام کی اصلی روح باقی تھی۔ ان کے سارے افکار و تصورات کا مرکز دین رہا اور انہوں نے غیر دینی امور کی جانب توجہ نہیں کی۔ دوسرے حامل علم قوموں سے اختلاط ان کے علوم و فنون سے واقفیت اور ان کے خیالات و افکار سے اثر پذیری کا موقع انہیں ایک عرصہ تک نہ مل سکا، اگرچہ ایرانیوں اور رومیوں سے خلافت راشدہ ہی میں ان کا سابقہ شروع ہو گیا تھا، لیکن اولاً اس زمانہ میں اس کی توجہ تمام تر دین اور سیاست کی جانب تھی۔ دوسرے حضرت عمر ؓ کو مسلمانوں کی اور بنی امیہ کو عربوں کی خصوصیات کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ اس

لیے انہوں نے ان کو غیر قوموں سے خلط ملط نہ ہونے دیا۔ اس لیے ان کو ان کے علوم سے واقفیت کا بھی موقع نہ مل سکا۔

تیسرے بنی امیہ نے مفتوح اقوام کو حکومت سے بھی علیحدہ کر رکھا تھا۔ اس لیے مسلمان ان کے اثرات سے محفوظ رہے، بلکہ عبدالملک نے عربی کو سرکاری زبان بنا کر خود غیر قوموں کو اس کے سیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس لیے اس زمانہ میں وہ عربوں سے زیادہ متاثر ہوئیں۔ ان کے مقابلہ میں عباسی دور میں یہ ساری قیدیں ٹوٹ گئیں اور عباسی خلافت چونکہ عجمیوں کے بل پر قائم ہوئی تھی، اس لیے وہ ابتداء سے اس میں دخیل ہو گئے اور جتنا زمانہ گزرتا گیا۔ ان کا غلبہ و اقتدار بڑھتا گیا۔ ان کے اقتدار کے ساتھ ان کا تمدن بھی مسلمانوں میں پھیل گیا اور ان کے علوم و فنون کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع ملا، لیکن جہاں تک دینی علوم کا تعلق ہے اس کا آغاز خلافت راشدہ ہی سے ہو گیا تھا اور اموی دور میں اس میں برگ و بار پیدا ہونے لگے، چنانچہ اکثر بڑے بڑے ائمہ تابعین اسی دور میں تھے اور ساری دنیائے اسلام میں ان کے حلقہ ہائے درس قائم ہو گئے تھے اور دینی علوم کی ابتدائی تدوین بھی اسی زمانہ میں شروع ہو گئی تھی۔

عہد جاہلیت کے علوم : اس کی تفصیل سے پہلے زمانہ جاہلیت سے لے کر خانائے راشدین کے زمانہ تک کی علمی حالت کا اجمالی نقشہ سمجھ لینا چاہیے تاکہ اموی دور کی علمی ترقی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

شاعری : گو عرب مجموعی حیثیت سے علم و فن سے بیگانہ تھے، لیکن بعض فطری اور بعض کسبی علوم سے وہ واقفیت رکھتے تھے۔ شاعری اور خطابت کا ان میں فطری ملکہ تھا۔ انساب و اخبار عرب کے عالم اور طب نجوم اور بعض دوسرے فنون میں درک رکھتے تھے، لیکن ان کا اصل فن شاعری تھا۔ اس میں دنیا کی کوئی قوم ان کی ہمسری نہیں کر سکتی تھی اور وہ اپنی زبان آوری کے مقابلہ میں ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اور اپنے کو عرب یعنی فصیح اللسان اور دوسری قوموں کو عجم یعنی ثولیدہ بیان کہتے تھے۔ شاعر اپنے قبیلہ

کے لیے سرمایہ فخر و ناز ہوتا تھا۔ جس قبیلہ میں کوئی بڑا شاعر پیدا ہو جاتا تھا، اس کا نام ہمیشہ کے لیے بلند ہو جاتا تھا۔ شاعری کے بڑے بڑے ذہن ہوتے تھے، جس میں زبان اور اپنی تیغ زبان کے جوہر دکھاتے تھے۔ ان کا کوئی اجتماع شعرو سخن کے ذکر سے خالی نہ ہوتا تھا۔ شاعری ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ عرب کی اصل شاعری جاہلیت ہی کے دور کی تھی اور وہی زمانہ میں شعرو سخن کا معیار مانی گئی۔ اس دور کی شاعری تصنع، تکلف اور آورد سے پاک فطری اور سادگی کے باوجود نہایت پر جوش تھی۔ جاہلیت کا کلام فطرت کی صحیح تصویر ہوتا تھا۔ زبان خالص اور بے آمیز تھی، لیکن ان محاسن کے ساتھ کسی ضابطہ اخلاق کی پابند نہ تھی۔ بڑے بڑے شعراء اپنی بے حیائی کی داستانیں فخریہ بیان کرتے تھے اور عیفاء عورتوں سے عشق کو مزے لے کر علانیہ سناتے تھے۔ جاہلی شعراء کی تعداد بے شمار ہے۔ ان میں سے بعض فحول شعراء کے نام یہ ہیں:

امراء القیس، زہیر بن ابی سلمیٰ، نابغہ ذبیانی، عشی، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلزہ، طرفہ بن العبد، عتترہ، عیسیٰ، مہملہ بن ربیعہ، امیہ ابن ابی الصلت، قس بن ساعدہ اور عورتوں میں خنسا، خزنق، لیلیٰ اور جلیلہ۔

خطابہ: شاعری کی طرح فصاحت و بلاغت اور زبان آوری بھی عربوں میں فطری تھی اور وہ اپنے بچوں کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ (کتاب البیان والتبيين جلد اول، ص ۵۸، ۵۹ و بلوغ الاربع ج ۳، ص ۱۹۶) ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں بہت سے مشہور خطیبوں کے نام اور ان کے نمونے نقل کیے ہیں۔ بعض نام یہ ہیں۔ قس بن صاعدہ، حبان بن وائل، درید بن زید، زبیر بن حباب، مرشد الخیل، حارث بن کعب، مذحج، قیس زہیر، عیسیٰ، ذی الصبح، عدوانی، اشم بن صیفی اور عمرو بن کلثوم وغیرہ۔

انساب: عربوں کو نسب کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ حتیٰ کہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھتے تھے۔ اس لیے نسابی یعنی نسب دانی مستقل فن کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہر قبیلہ میں نساب ہوتے تھے جو مختلف قبائل اور ان کی شاخوں کے

نسب کے عالم ہوتے تھے اور نسب کی تحقیق میں ان کی جانب رجوع کیا جاتا تھا۔ بعض مشہور نسابوں کے نام یہ ہیں: دغفل السدوسی، ابو مضم غمیرہ، ابن لسان، زید بن الکیس، نمار بن الاؤس، صعصعہ بن صوحان عبداللہ بن الحجر وغیرہ۔ نسابی کا فن اسلام کے بعد بھی قائم رہا اور اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ حضرت ابو بکر ؓ اپنے زمانہ کے بڑے نساب شمار کیے جاتے تھے۔

تاریخ یماء اخبار عرب: گو عربوں میں موجودہ اصطلاحی فن تاریخ نہ تھا، لیکن وہ عرب کی قدیم تاریخی داستانوں کو حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے اور ان کو مجموعوں میں سناتے تھے، مثلاً ایام عرب ذی نواس کی حکومت، حبشہ پر یمن کے تسلط، مکہ پر اصحاب فیل کی چڑھائی، ذی نیرن حمیری کی جنگ، یمن میں ایرانیوں کے حالات، عمرو بن لُحی کا واقعہ، جرہم کا قصہ، زمزم کے پٹنے اور قصی تک کعبہ تولیت کی تاریخ، حلف فضول، زمزم کی صفائی، حرب فجار، کعبہ کی دوسری تعمیر اور عرب کی قدیم اقوام اور حکومتوں کے حالات وغیرہ ان کے حافظ اخباری کہلاتے تھے، چنانچہ موجودہ تاریخوں کے بہت سے قبل از اسلام کے حالات ان کے بیانات سے ماخوذ ہیں۔

طب: طب ایسا ضروری فن ہے کہ جس سے کوئی قوم بے نیاز نہیں رہ سکتی اس لیے یونانی عربوں میں قدیم زمانہ سے تھا اور اس کو انہوں نے مختلف قوموں سے سیکھا تھا اور اپنے تجربات بھی اس میں اضافہ کیے تھے اور اس زمانہ کے دستور کے مطابق ان میں دو طرح کے اطباء اور طریقہ علاج رائج تھے۔ ایک عطائی طبیب جو ٹونے ٹوکے اور جھاڑ پھونک سے دوسرے فن طب کے واقف کار جو جڑی بوٹیوں وغیرہ سے علاج کرتے تھے۔ زخموں اور درد کا علاج داغ کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ ”آخر علاج الکلی“ مشہور عربی مقولہ ہے۔ عربی لغات میں دواؤں اور مختلف انسانی اعضاء کے نام اور ان کے خواص کا ذکر طب سے عربوں کی قدیم واقفیت کا ثبوت ہیں۔ عرب میں ہر زمانہ میں اطباء موجود تھے، قدیم طبیبوں میں ابن حزم اور اسلام سے کچھ پہلے نصر بن حارث بن کلدہ عرب کے مشہور طبیب تھے۔ حارث

نے چند لیسابور کی مشہور طبی درس گاہ میں جو اسلام کے بعد بھی موجود تھی، تعلیم حاصل کی تھی۔ جراحی میں ابن ابی رویہ نے شہرت حاصل کی تھی۔ عربوں کی بڑی دولت موسیٰ تھے اس لیے وہ علاج الحیون سے بھی واقف تھے اور اس کا مستقل فن تھا جو بیطاری کہلاتا تھا۔ بیطار اونٹ اور گھوڑے وغیرہ کی بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ جاہلیت کے بیطاروں میں عاص بن وائل مشہور بیطار تھا۔

نجوم : فن نجوم میں بھی ان کو درک تھا۔ ابن قتیبہ کے بیان کے مطابق تو عرب کو اکب اور ان کے طلوع وغروب سے سب قوموں سے زیادہ واقف تھے۔ (البیرونی ص ۲۳۸) لیکن یہ بیان مبالغہ آمیز ہے، مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس فن میں ان کو پورا درک تھا۔ قزوینی کا بیان ہے کہ وہ سیاروں، برجوں اور بہت سے ثوابت کا علم اور نجوم سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ (قزوینی بر حاشیہ ومیری ج ۱، ص ۱۵۰) اس کا ثبوت یہ ہے کہ قدیم عربی میں تمام کو اکب کے نام موجود ہیں اور برجوں کے نام بھی عربی ہیں۔ اس کو انہوں نے کلدانیوں سے سیکھا تھا، لیکن بعض مسائل نجوم میں وہ دوسری قوموں سے مختلف اپنی مستقل رائے رکھتے تھے۔ مثلاً ہندوستانیوں کے نزدیک ماہتاب کے دورے کی ۲۷ منزلیں ہیں اور عربوں کے نزدیک اٹھائیس تھیں۔ ان کا سال قمری ہوتا تھا، لیکن کیسہ کے ذریعہ شمسی بنانے کا طریقہ بھی رائج تھا۔ جس کی اسلام نے ممانعت کر دی۔ ان کے علاوہ ہواؤں کی خصوصیات، موسموں کے تغیر اور پختھروں سے بھی واقفیت رکھتے تھے اور ان کو کو اکب کی تاثیر کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ (آثار الباقیہ بیرونی ص ۳۳۹)

قیافہ شناسی : عربوں کو اس میں خاص ملکہ تھا۔ وہ نشان قدم سے عورت، مرد اور جوان اور بوڑھے کی تمیز کرتے تھے اور بشرہ اور اعضاء کی مشابہت سے البت و بنوت کا تعلق بتا دیتے تھے۔ اسی طریقہ سے کھر کے نشان سے حیوانات کا پتہ چلاتے تھے۔ قیافہ شناسی ان میں بہت رائج تھی اور قائف کی بات کا بڑا اعتبار کیا جاتا تھا۔

وسیر کی کتابوں میں وفود کے ذکر میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ بیرونی اشخاص و قبائل کی درخواست پر ان کی تعلیم کے لیے مدینہ سے بھی معلمین بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بیرونی وفد کی درخواست پر آپ ﷺ نے ستر قراء یعنی معلمین قرآن روانہ فرمائے تھے جنہیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا تھا۔ (مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید) ہر جگہ کے صاحب علم عمال کے متعلق یہاں کے باشندوں کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ کتابت اور تحریر کو بھی ترقی ہوئی۔ کتابت وحی، صلح اور جنگ کے معاہدوں، دعوت اسلام کے خطوط اور دوسرے معاملات و احکام کی کتابت کے لیے تحریر ناگزیر تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے دینی تعلیم کے ساتھ اس کی جانب بھی توجہ فرمائی، چنانچہ جنگ بدر کے ان قیدیوں کا ذبیہ جو اس کو نقد ادا نہ کر سکتے تھے اور لکھنا جانتے تھے۔ یہ مقرر فرمایا کہ وہ دس دس مسلمانوں کو لکھنا سکھا دیں (ابن سعد ج ۲، ق ۱، ص ۴۷) مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص ۲۴۷) یہودیوں سے اکثر معاملات رہتے تھے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان سے خط و کتابت کے لیے حضرت زید بن ثابت کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے چند دنوں میں اتنی مہارت پیدا کر لی کہ بے تکلف عبرانی میں خط و کتابت کرنے لگے۔ وہ فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبان بھی جانتے تھے۔ غرض مذہبی و ملکی ضرورت، آنحضرت ﷺ کے حکم اور ذاتی ذوق و شوق کی وجہ سے صحابہ کرام ﷺ نے چند دنوں میں معمولی نوشت و خواند کے بقدر تعلیم حاصل کر لی، چنانچہ بہت سے صحابہ ﷺ آنحضرت ﷺ سے جو حدیثیں سنتے تھے، ان کو قلم بند کرتے تھے۔ ان میں جو تحریریں زیادہ مہارت رکھتے تھے، وہ وحی، مراسلات و مکاتبات نبوی ﷺ اور معاہدے وغیرہ لکھنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ غرض عہد نبوی ﷺ میں اشاعت تعلیم کے بکثرت واقعات ہیں جن کی تفصیل مقصود نہیں ہے۔

اسی کے ساتھ عہد جاہلیت کے ان فنون کو جو اسلام کے منافی نہ تھے، قائم رکھا اور جو اس کے منافی تھے، ان کی ممانعت کر دی اور جن کی اصلاح ممکن تھی ان کی اصلاح کی

چنانچہ نجوم اور کہانت وغیرہ ممنوع قرار پائے۔ شاعری کے مخرّب اخلاق حصّے فحاری، ہجو نگاری اور فحاشی کی ممانعت کر دی گئی، لیکن اخلاقی اور حکیمانہ شاعری کو برقرار رکھا گیا، بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی گئی، چنانچہ زمانہ جاہلیت کے مشہور حکیم شاعر امیہ بن ابی الصلت کے کلام کی آنحضرت ﷺ نے تحسین فرمائی ہے۔ خود صحابہ رضی اللہ عنہم میں متعدد بزرگ شاعر تھے اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو تو دربار نبوی کے شاعر ہونے کا فخر حاصل تھا، جو آپ ﷺ کی جانب سے کنار کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی۔ ”اللهم ایدہ بروح القدس“ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو ان کے مشہور مدحیہ قصیدہ کے صلہ میں روئے مبارک عطا فرمائی۔

خلافت راشدہ : خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان فنون اور تعلیم کا دائرہ اور وسیع ہوا۔ خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمرو علی رضی اللہ عنہ شعر و سخن کے بڑے نقاد تھے اور اس میں بڑا بلند پایہ رکھتے تھے۔ دونوں کی جانب کچھ اشعار بھی منسوب ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب تو پورا دیوان منسوب ہے، جو چھپ بھی گیا ہے، گو یہ انتساب صحیح نہیں ہے، لیکن آپ کا ذوق شعری مسلم ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو تلقین کرتے کہ وہ اپنے بچوں کو اچھے اشعار یاد کرائیں۔ (کتاب البیان والتبيين ج ۱، ص ۲۱۳)

اس دور میں کلام مجید کے بعض الفاظ کی تحقیق کے لیے بھی کلام عرب کی جانب توجہ کی گئی۔ کلام مجید عربی میں ہے اور سب سے مستند عرب جاہلی کا کلام ہے۔ اس لیے مفسر قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم کو جن الفاظ کے معنی میں شبہ ہوتا تھا، اس کی تحقیق عرب جاہلی کے کلام سے کرتے تھے۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب کلام اللہ میں کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے تو اس کو اشعار عرب میں تلاش کرو۔ (کتاب العمدة ج ۱، ص ۱۱) اس لیے شاعری کا مذاق اس عہد میں بھی قائم رہا، البتہ اس کے مفسد کی اصلاح ہو گئی۔ عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تبلیغ اسلام، اجتماعی معاملات اور جنگ و صلح کے سلسلہ میں خطابت کو بہت ترقی ہوئی

اور اس کا درجہ شاعری سے بڑھ گیا۔ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ خائفے راشدین اور دوسرے بہت سے صحابہ کرام ﷺ کے خطبات موجود ہیں۔ حضرت علیؑ کی جانب تو ایک پورا مجموعہ ”خطب نہج البلاغہ“ منسوب ہے، اکثر الحاقی ہیں، لیکن بعض صحیح بھی ہیں۔ ان سے اس دور کی خطابت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مذہبی علوم میں تفسیر، حدیث اور فقہ کو بڑی ترقی ہوئی اور سیر و مغازی کی بنیاد پڑی۔ ان علوم کی اصلی حامل جماعت صحابہ ﷺ اسی دور میں تھی۔ کلام مجید جیسا کہ خود اس کا بیان ہے۔ ایک نہایت صاف اور واضح کتاب ہے۔ جس کے مطالب میں کوئی پیچیدگی و ابہام نہیں ہے۔ پھر بھی اس میں بعض آیات متشابہات ہیں۔ بعض الفاظ کے پرانے منہوموں کو اسلام نے بدل دیا تھا۔ بعض اشارات تصریح طلب ہیں، جن کو آنحضرت ﷺ نے خود سے صحابہ کرام ﷺ کے استفسار پر بیان فرمایا۔ بعض صحابہ کرام ﷺ جو صحبت نبوی ﷺ سے پوری طرح مستفیض اور اسلامی روح کے عارف تھے، اپنی دینی بصیرت سے بعض آیات کی تشریح کرتے تھے۔ یہ تمام تفسیر حدیثوں کی طرح نقل ہوئیں۔ جنہوں نے آگے چل کر فن تفسیر کی حیثیت اختیار کر لی۔ متعدد صحابہ ﷺ تفسیر میں خاص درجہ رکھتے تھے۔ ان میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ زیادہ ممتاز تھے، بیشتر تفسیری روایات انہی سے مروی ہیں۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے تعلیم و تبلیغ و امر و نہی اور مختلف معاملات و مسائل کے سلسلہ میں ہزاروں باتیں ارشاد فرمائیں، یا سوالات کے جوابات دیئے۔ آپ ﷺ کے ارشادات قانون کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے صحابہ کرام ﷺ انہیں بڑی احتیاط سے محفوظ رکھتے تھے اور بعض انہیں قلمبند بھی کرتے تھے۔ جس سے فن حدیث پیدا ہوا، پھر حدیث کی صحت کی جانچ کے سلسلہ میں متعدد فنون پیدا ہوئے۔ فقہ، یعنی کلام مجید اور احادیث نبوی ﷺ سے نئے اور غیر منصوص مسائل کے استنباط کا فن بھی خائفے راشدین کے دور میں پیدا ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں نئی پیش آمدہ صورتوں اور

مسائل کے بارے میں یا وحی نازل ہوتی تھی یا خود آنحضرت ﷺ اپنی دینی بصیرت سے ان کا فیصلہ فرماتے تھے۔ اس لیے اس زمانہ میں فقہ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس کے دوسرے چشمے تھے، کلام مجید اور احادیث نبوی۔ صحابہ کرام ﷺ انہی سے نئے مسائل کا استنباط کرتے تھے اور آخری درجہ میں عقل سے کام لیتے تھے۔ جس کی فقہی اصطلاح قیاس ہے۔ فقہ میں صحابہ کرام میں حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت معاذ بن جبلؓ خاص امتیاز رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حکومت اسلام اور ملکی نظام کی وسعت کے ساتھ بکثرت نئے مسائل پیش آئے، جن میں آپ نے کلام مجید، احادیث نبوی کی روشنی میں اپنے اجتہاد اور فقہائے صحابہؓ کے مشورہ سے فیصلہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ کے فتاویٰ کی تعداد کئی ہزار ہے، جن میں ایک ہزار مسائل نہایت اہم ہیں اور ان کی تقلید بڑے بڑے مجتہدین اور ائمہ نے کی ہے۔ (ازالۃ الخفا حصہ دوم ص ۸۴)

فقہ و اجتہاد میں حضرت عمرؓ کو خاص ملکہ تھا اور آپ نے اپنے فقہ و اجتہاد سے آئندہ آنے والوں کے لیے فقہ کی راہ کھول دی۔ فقہ کے تمام بڑے بڑے سلسلوں کا مرجع آپ ہی کی ذات تھی۔ فقہائے صحابہ میں حضرت زید بن ثابتؓ ابو موسیٰ اشعریؓ ابو برداء انصاریؓ معاذ بن جبلؓ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عمرؓ جو فقہ کے اساطین ہیں، حضرت عمرؓ ہی کے فیض یافتہ، خصوصاً آخر الذکر تینوں بزرگ تو تمام تر آپ کے ساختہ و پرداختہ تھے۔ سب سے اول حضرت عمرؓ ہی نے مسائل کی تفریع و استنباط یعنی اصول فقہ کی بنیاد ڈالی۔ جس سے آئندہ چل کر مستقل فن پیدا ہوا۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کے کون سے اقوال و افعال منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے اور کون سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اول الذکر میں تو کسی چون و چرا کی گنجائش نہیں، لیکن آخر الذکر میں حالات کو مصالح کے اقتضاء کے مطابق رائے و قیاس و اجتہاد کا حق ہے۔

حضرت عمرؓ نے دینی علوم کی اشاعت و تعلیم کا بھی بڑا وسیع نظام قائم کیا تھا۔ تمام ممالک محروسہ میں قرآن مجید کا درس جاری کیا اور ان کے لیے تنخواہ دار معلم مقرر کیے۔ (سیرۃ العمر ابن جوزی) اکابر صحابہؓ کو قرآن کی تعلیم کے لیے مختلف ملکوں میں بھیجا۔ حضرت معاذ بن جبل، ابودرداء انصاری اور عبادہ بن صامتؓ کو شام کے مختلف شہروں میں روانہ کیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اسد الغابہ تذکرہ عبادہ بن صامت) حضرت ابودرداءؓ کے حلقہ درس کے طالب علموں کی تعداد سولہ سولہ سو تک پہنچ جاتی تھی، اس لیے انہوں نے اس کو دس دس طالب علموں کی جماعت میں تقسیم کر دیا تھا اور خود ان کی نگرانی کرتے تھے۔ (طبقات القراء ذہبی) سورۃ بقرہ، نساء، مائدہ، حج اور نور کا، جن میں احکام ہیں، ہر مسلمان کے لیے سیکھنا ضروری قرار دیا۔ (کنز العمال ج۔ ۱، ص۔ ۲۲۴) بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم جبری قرار دی اور ایک شخص ابوسفیان کو چند آدمیوں کے ساتھ مقرر کیا کہ وہ قبائل میں دورہ کر کے ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ بھی یاد نہ ہو اس کو سزا دیں۔ (اصابہ تذکرہ اوس بن خالد) قرآن مجید کے طلبہ کے وظائف مقرر کیے۔ (کنز العمال ج۔ ۱، ص۔ ۲۱۷)

قرآن مجید کی صحیح قرات اور اعراب کی نلطیوں سے بچنے کے لیے ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی اور عام حکم جاری کر دیا کہ جو شخص لغت کا عالم نہ ہو وہ قرآن نہ پڑھائے۔ (کنز العمال ج۔ ۱، ص۔ ۲۲۸) مختلف اسباب کی بنا پر حدیثوں کی بھی تلاش و تحقیق اور اس کی اشاعت ہوئی۔ آپ کے زمانہ میں بکثرت نئے مسائل پیش آئے۔ جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تھا۔ جس کے بارے میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کا حکم نہ معلوم ہوتا تو حضرت عمرؓ صحابہؓ سے پوچھتے تھے کہ ان کو اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کا علم ہے؟ اس طریقہ سے سینکڑوں حدیثوں کا پتہ چلتا۔ آپ خود احکام و مسائل سے متعلق احادیث نبویٰ اضلاع کے حکام کے پاس لکھ کر بھیجتے

تھے۔ اس سے حدیثوں کی اشاعت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے علماء صحابہ رضی اللہ عنہ مثلاً عبداللہ بن مسعود، معقل بن یسار، عبداللہ بن مغفل، عمران بن حصین، عبادہ بن صامت، ابودرداء اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو مختلف شہروں اور ملکوں میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ (ازالتہ الخفا حصہ دوم ص ۸۶) لیکن اسی کے ساتھ احادیث کی صحت کی تحقیق اور روایات کی اشاعت کے اسناد کی تدبیریں بھی کیں، جس کے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نئے حالات و مسائل کی وجہ سے فقہ میں بڑی ترقی ہوئی۔ انہوں نے اس کی تعلیم کا بھی انتظام کیا، چنانچہ مختلف ملکوں میں فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہ کو فقہ کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ کوفہ میں دس صحابہ رضی اللہ عنہ کی جماعت بھیجی جس میں سے ایک عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ تھے۔ (اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مغفل) بصرہ میں بھی ایک جماعت بھیجی جس میں ایک عمران بن حصین رضی اللہ عنہ تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۲۵) عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ کو شام بھیجا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۲۴) ان کے علاوہ عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابودرداء انصاری رضی اللہ عنہ جن کو تعلیم قرآن کے لیے شام بھیجا تھا۔ فقہ کی تعلیم بھی ان کے متعلق تھی۔ حبان بن ابی جبلہ کو مصر میں اس خدمت پر مامور کیا۔ (حسن الحاضر ج ۱، ص ۸۱) فقہ کی اشاعت کی اور مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

فرائض یعنی میت کے ترکہ کی تقسیم مستقل فن ہے۔ حضرت زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے بڑے عالم تھے اور غیر منصوص مسائل میراث میں زیادہ تر انہی دونوں بزرگوں کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ میراث کی تقسیم کے لیے ریاضی کی واقفیت ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریاضی دان رومی کے ذریعہ اس فن کے اصولوں کو مرتب کرایا۔ (معجم البلدان)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نحو کا فن ایجاد ہوا۔ عربی عربوں کی مادری زبان

تھی۔ وہ اس کو بغیر قواعد کے صحیح پڑھ لیتے تھے، لیکن جب عجمی قومیں مسلمان ہوئیں تو وہ غلطی کرتی تھیں، اس لیے حضرت علیؓ کی ہدایت سے ان کے ایک شاگرد ابو الاسود دؤلی نے نحو کے چند ابتدائی قاعدے بنائے۔ جس نے آگے چل کر فن نحو کی صورت اختیار کر لی۔ (اُبھر ست ص-۲۶)

علم الانساب جو عربوں کا پرانا علم تھا، حضرت ابو بکرؓ اس کے بہت بڑے عالم اور اپنے زمانہ کے مشہور نساب تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں وظائف کے تقرر کے سلسلہ میں قبائل عرب کا نقشہ مرتب کرایا، جس سے گویا اس کی تحریری تدوین کا آغاز ہوا۔

اموی دور کسی علمی ترقی: اموی دور میں ان علوم میں زیادہ وسعت و ترقی ہوئی۔ علمائے تابعین جنہوں نے دینی علوم کو پھیلایا۔ اسی عہد میں تھے۔ ان کے مستقل حلقہ درس قائم تھے۔ جن سے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے۔ اسی دور میں دینی علوم کی تدوین کا آغاز ہوا۔ بعض نئے علوم پیدا ہوئے اور غیر قوموں کے بعض علوم سے بھی مسلمان روشناس ہوئے۔

شاعری: خلفائے راشدین کے زمانہ میں گو شاعری کا مذاق قائم رہا تھا، لیکن اخلاقی پابندی کی وجہ سے اس کا پرانا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور کلام مجید کے اعجاز کے سامنے بھی اس کا زور گھٹ گیا تھا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں خلفائے راشدین کے عہد کی قید و بند ختم ہو گئی اور خود اموی خلفاء سخنِ سخن اور شاعری کے قدردان تھے۔ ان کی قدردانی کی وجہ سے شاعری کا بازار پھر گرم ہو گیا اور اس میں کمیت اور کیفیت دونوں حیثیتوں سے ترقی ہوئی اور بڑے بڑے شعراء پیدا ہوئے، چنانچہ احنفل، جریر، فرزوق، اعشی، نابغہ، کمیت وغیرہ فول شعراء جنہوں نے اسلامی دور کی شاعری کو چمکایا، سب اسی زمانہ میں تھے۔

شاعری کی ترقی میں اس زمانہ کے سیاسی حالات سے بھی مدد ملی۔ اموی عہد

میں قبائل سیاسی اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے علوی، شیعی، عثمانی، خارجی مختلف مذہبی و سیاسی جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں، جو باہم حریف تھیں۔ عرب میں پروپیگنڈا کا بڑا ذریعہ شاعری تھا۔ شعراء کی تیغ زبان کی کاٹ شمشیر آبدار سے کم نہ تھی۔ اس لیے اس زمانہ میں جماعتی شعراء کی بڑی تعداد پیدا ہو گئی تھی۔ نعمان بن بشیر انصاری ؓ، یزید بن ربیعہ المعروف بہ ابن مضرغ، ایمن بن خرمیم وغیرہ علویوں کے حامی تھے۔ مسکین داری، عبداللہ بن خاجہ المعروف بہ اعشیٰ اموی تھے اور طرماح بن عدی، حکیم عبدی، عمران بن حطان، عبداللہ بن حجاج ذبیانی خارجیوں اور آل زبیر کے حمایتی تھے۔ ان کے علاوہ ان شعراء کی بھی بڑی تعداد ہے جو کسی پارٹی سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ مثلاً جمیل بن معمر۔ عمران بن ابی ربیعہ، عبد بن قیس الرقیات، کثیر غرہ، ابن عبادہ، احوص، ذی الرمہ، سعید داری، عبید بن حصین، عبداللہ بن خاجہ اور لیلیٰ الازہلی وغیرہ۔

کیفیت کے اعتبار سے بھی شاعری کا رنگ بہت نکھرا۔ بنی امیہ کو عربوں کی خصوصیات کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ اس لیے انہوں نے عربوں کو دوسری قوموں میں ضم نہیں ہونے دیا اور عربی زبان آمیزش سے محفوظ رہی، لیکن اس کے تمدنی اثرات سے وہ نہ بچ سکے۔ اس لیے عربی شاعری بھی اس سے متاثر ہوئی اور عراق و شام کے تمدن اور ان کے باغات و سبزہ زاروں نے عربی شاعری کا رنگ بدل دیا اور اس میں عربوں کے سادہ بدویانہ جذبات اور بے آب و گیاہ صحرا کے خشک اور محدود مضامین کے بجائے بڑا تنوع اور رنگینی پیدا ہو گئی اور اس دور کی شاعری خیالات کی لطافت و رنگینی کے لحاظ سے عرب جاہلی کی شاعری سے بہت بڑھ گئی۔ قصائد، تغزل اور تشبیب میں اس کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔

خطابیت : اس دور کی جماعت بندی سے خطابت کو بھی ترقی ہوئی۔ اس سے زیادہ تر سیاسی معرکوں اور لڑائیوں میں کام لیا جاتا تھا، چنانچہ اس دور میں متعدد نامور خطیب پیدا ہوئے۔ حجاج بن یوسف ثقفی اور طارق بن زیاد فاتح اندلس اس دور کے بڑے

ممتاز خطیب تھے۔ حجاج کا وہ خطبہ جو حکومت پر تقرر کے وقت دیا تھا اور طارق کا اندلس کی فوج کشی کا خطبہ عربی زبان کے بہترین خطبوں میں ہیں۔

کتابت و انشاء: اموی حکومت کا دفتری کاروبار بہت وسیع ہو گیا تھا اور عبدالملک نے عربی کو سرکاری زبان قرار دیا۔ اس لیے غیر قوموں کے لیے بھی اس کا سیکھنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کے اسلوب انشاء کی آمیزش بھی عربی میں ہوئی۔ ان اسباب کی بنا پر عربی انشاء میں بڑی ترقی ہوئی۔ اس زمانہ میں حکومت سے لے کر امراء تک کاتب (میرنشی) رکھتے تھے۔ ان کے لیے انشاء میں مہارت ضروری تھی بلکہ انشاء ہی ان کا سب سے بڑا وصف و کمال تھا۔ اس لیے اس زمانہ میں انشاء نے مستقل فن کی حیثیت حاصل کر لی اور متعدد نامور کاتب پیدا ہوئے۔ ان میں عبدالملک کے کاتب سالم اور عبدالحمید کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ عبدالحمید کے کمال فن پر یہ مقولہ شاہد ہے کہ ”کتابت عبدالحمید سے شروع ہوئی، اور ابن العمید (عباسی دور کا ایک نامور کاتب) پر اس کا خاتمہ ہوا۔“

تفسیر: تفسیر قرآن کی ابتداء نزول قرآن کے ساتھ ہو گئی تھی۔ پھر اس میں برابر وسعت ہوتی گئی اور اموی دور میں اس کے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے جن کے ذریعہ بڑا تفسیری ذخیرہ جمع ہو گیا۔ اس دور کے مفسرین میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے شاگرد رشید، عکرمہ، قتادہ بن دعامہ، سدوسی، مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر اور حسن بصری زیادہ نامور تھے۔ تفسیری روایات کا دار و مدار زیادہ تر انہی بزرگوں کی روایات پر ہے۔ ان میں سے مجاہد، حسن بصری، سعید بن جبیر، امام باقر اور حضرت علی ؓ کے ایک رفیق ابو حمزہ نے تفسیریں بھی لکھی تھیں۔ (فہرست ابن ندیم ص ۸۰) آج یہ تفسیریں ناپید ہیں۔ اس لیے ان کی تفسیری حیثیت کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن قیاس یہ ہے کہ یہ آج کل کی تفسیروں کی طرح پورے قرآن کی مرتب تفسیریں نہ رہی ہوں گی بلکہ ان میں متفرق آیات کی تفسیری روایتیں یکجا کر دی

گئی ہوں گی۔

قرات : کلام مجید کی قرات بھی ایک علم ہے۔ ہر زبان کی طرح کلام مجید کے بعض لفظوں کا تلفظ مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ جس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ بعض الفاظ ایک ہی قبیلہ میں دو طرح بولے جاتے یا مختلف قبیلوں میں ان کا تلفظ جدا تھا۔ جیسے مالک یا ملک یا استخیت یا مستہزؤن ان قراتوں کے واقف کا قراء کہلاتے تھے۔ قرآن مجید کے مشہور قرائے سبعہ یعنی سات قاری بنی امیہ ہی کے دور میں تھے۔

حدیث : سب سے زیادہ ترقی حدیث میں ہوئی۔ اس زمانہ میں اس کا عام ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں درس حدیث کے حلقے قائم تھے۔ شائقین ایک ایک حدیث کے سماع کے لیے دور دراز کا سفر کرتے اور ہر خرمن سے خوشہ چینی کرتے تھے۔ اس کا سب سے بڑا مرکز مدینہ تھا۔ امام ابن شہاب زہری احادیث کی تلاش میں مدینہ کی گلی گلی کا چکر لگاتے تھے اور یہاں کے مردوں، عورتوں اور بوڑھوں اور جوانوں ہر فرد سے استفادہ کرتے تھے۔ (تہذیب الاسماء، نوی ج۔ ۱، ص ۹۱) ابو قلابہ حرمی ایک ایک حدیث کے سننے کے لیے کئی کئی دن تک مدینہ میں مقیم رہتے۔ (مسند دارمی ص ۷۷) مکحول نے حدیث کی تلاش میں ساری دنیائے اسلام کی خاک چھانی تھی۔ تابعین میں بکثرت ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے محدثین سے استفادہ کیا تھا۔ جس کی تفصیل طبقات و رجال کی کتابوں میں موجود ہے۔ احتیاط یہ تھی کہ پوری تحقیق اور چھان بین کے بغیر حدیث قبول نہ کرتے تھے۔ عامر بن شرحبیل کا یہ قول تھا کہ حدیث اسی سے حاصل کرنا چاہئے جو عقل و دانش اور دین و تقویٰ دونوں کا جامع ہو۔ دونوں میں سے ایک وصف رکھنے والا علم کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ (تذکرۃ المھاظج، ۱، ص ۷۳) محمد بن سیرین فرماتے تھے کہ علم حدیث دین ہے۔ اس لیے اس کو حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب پرکھ لینا چاہیے۔ جس سے حاصل کرنا ہے۔ (ابن سعد ج ۲، ق ۱، ص ۱۱۴) ابو العالیہ ریاحی جب تک اصل راوی سے

تصدیق نہ کرتے تھے اس وقت تک اعتماد نہ کرتے تھے چنانچہ جو حدیثیں وہ بصرہ میں سنتے تھے مدینہ جا کر خود راوی اول کی زبان سے اس کی تصدیق کرتے تھے۔ (ابن سعد ج۔ ۲، ق۔ ۱، ص۔ ۸۳) اس حزم و احتیاط اور تلاش و جستجو سے ان بزرگوں نے احادیث نبوی ﷺ کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا اور اس کو پچھلوں تک پہنچایا، اگر ان کی کوششیں نہ ہوتیں تو حدیث نبوی کا بڑا ذخیرہ برباد ہو جاتا۔ یوں تو ہر تابعی اپنے علم و استعداد کے بقدر علم حدیث میں دخل رکھتا تھا، لیکن اس میں سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، سالم بن عبد اللہ بن عمر، طاؤس بن کسان، امام شعبی، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، نافع، مولیٰ ابن عمر، علقمہ ابن قیس، قتادہ بن دعامہ، سدوسی، مجاہد بن جبیر، محمد بن سیرین، محمد بن مسلم، زہری، محمد بن منکدر، مکحول شامی بڑے محدث تھے۔ ان کی روایات پر کتب احادیث کا مدار ہے۔ ان بزرگوں نے جس احتیاط سے احادیث کو حاصل کیا۔ اسی احتیاط سے دوسروں تک پہنچایا۔ امام شعبی ایک زمانہ میں اشاعت حدیث کے خیال سے بے تکلف روایت کرتے تھے، لیکن پھر زمانہ کارنگ دیکھ کر کہنا پڑا کہ گذشتہ صلحاء کثرت روایت کو برا سمجھتے تھے، جو حقیقت مجھ پر بعد میں کھلی، اگر پہلے منکشف ہوتی تو میں صرف متفقہ حدیثیں بیان کرتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۔ ۱، ص۔ ۷۲) عبد اللہ بن عدی روایت کرنے سے اس قدر گھبراتے تھے کہ اس کے خوف سے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ (ابن سعد ج۔ ۲، ق۔ ۲، ص۔ ۲۵) ابراہیم نخعی روایت میں آنحضرت ﷺ کی جانب نسبت نہ کرتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا، کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے، جواب دیا کیوں نہیں، لیکن عمر، عبد اللہ، علقمہ اور اسود رضی اللہ عنہم سے روایت کرنا میرے لیے زیادہ آسان ہے۔ مسعر بن کدام جو بڑے پایہ کے محدث تھے۔ روایت حدیث کی ذمہ داری سے گھبرا کر کہا کرتے تھے۔ ”کاش حدیثیں میرے سر پر شیشہ کا بار ہوتیں کہ گر کر چور ہو جاتیں، یعنی حافظہ سے محو ہو جاتیں۔ (ابن سعد ج۔ ۶، ص۔ ۱۹۰) علقمہ آخری زمانہ میں روایت کرنے میں اتنے محتاط ہو گئے تھے کہ ایک شخص نے آپ سے سنت کی تعلیم کی خواہش کی تو

آپ نے جواب دیا کہ تم چاہتے ہو کہ میری پیٹھ روندی جائے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۱۷۰) لیکن اگر اس احتیاط کی بنا پر روایت اور تعلیم حدیث کا دروازہ بالکل بند کر دیا جاتا، تو احادیث نبوی ﷺ جن پر دین کا مدار ہے اور جن کی تبلیغ کا حکم ہے، ضائع ہو جاتیں۔ اس لیے تابعین نے پوری حزم و احتیاط کے ساتھ ان کی حفاظت و اشاعت کا بھی انتظام کیا۔ درس و تعلیم کے ذریعہ اس کو پھیلایا۔ بعضوں نے درس و روایت کے ساتھ انہیں قلمبند بھی کیا اور اس کے مجموعے مرتب کیے، جن کا ذکر جابجا حدیث و رجال کی کتابوں میں ملتا ہے۔ بعض جامعین حدیث کے نام یہ ہیں۔ خالد بن معدان، ان کے پاس حدیثوں کا ایک صحیفہ تھا۔ (ابن سعد ج ۱، ق ۶، ص ۷۰) عطاء بن ابی رباح نے تمام مسود حدیثیں قلمبند کی تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۸۱) حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے پڑپوتے عبدالرحمن کے پاس ان کی احادیث کا صحیفہ تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۳، ص ۳۲۹) سلیمان بن قیس یشکری نے حضرت جابر صحابی ؓ کا صحیفہ نقل کیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۲۱۳) سمرہ بن جندب ؓ کے پاس حدیثوں کا ایک مجموعہ تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۴، ص ۲۱۵) وہب بن منبہ کے پاس حدیث کی بیاضیں تھیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۴، ص ۲۱۵) خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے امام زہریؒ سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کرایا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۹۷) ان کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے حدیثوں کے مجموعے مرتب کیے تھے، جن کا ذکر رجال کی کتابوں میں ہے۔

حدیث کی تدوین اور اشاعت میں سب سے بڑا کارنامہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہے۔ آپ نے علماء سے حدیثوں کے مجموعے مرتب کرائے اور ان کی نقلیں تمام ممالک محروسہ میں شائع کیں۔ (جامع بیان العلم و فضلہ ص ۳۸) اس طرح اس زمانہ میں حدیثوں کی تدوین کا آغاز ہوا۔ گویہ تمام مجموعے دنیا سے ناپید ہو گئے، لیکن اس حیثیت سے ان کا افادہ باقی رہا کہ ان کی احادیث بعد کے مجموعوں

میں شامل ہو گئیں۔ حدیث کے حلقہ ہائے درس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

فقہہ : اس زمانہ میں بیشتر ایک ہی ذات مختلف علوم کی جامع ہوتی تھی۔ مثلاً اکثر فضلاء صحابہ ؓ و تابعین بہ یک وقت مفسر بھی تھے۔ محدث بھی اور فقیہ بھی۔ یہی انداز تابعین کے زمانہ میں تھا۔ اس لیے عموماً جو بزرگ محدث تھے اور جنہوں نے حدیث کی خدمت انجام دی۔ وہی فقیہ بھی تھے اور انہی کے ذریعہ فقہ کی خدمت انجام پائی۔ تاہم ان میں سے جو لوگ حدیث کے مقابلہ میں فقہ کا زیادہ ذوق رکھتے۔ یا ان میں ان کا زیادہ ملکہ ہوتا۔ وہ فقیہ کہلاتے تھے۔ مثلاً عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود، عروہ بن زبیر بن عوام ؓ، قاسم بن محمد ابی بکر، سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، ابو بکر بن عبد الرحمن اور خارجہ بن زید، گوان بزرگوں کو حدیث میں درک تھا، لیکن فقہ کی استعداد اور اس کا ملکہ زیادہ رکھتے تھے اور فقہ میں ان کی ذات مرجع تھی۔ اسی سے وہ فقہائے سبعہ کے لقب سے مشہور تھے اور زیادہ تر انہی بزرگوں کے ذریعہ فقہ کی اشاعت ہوئی۔ (ابوالفداء جلد اول، ص ۲۰۲) ان کے علاوہ ربیعہ بن فروخ رائی، ابراہیم نخعی، امام شعمی، امام جعفر صادق، عبد الرحمن بن ابی سلمیٰ اور قاضی شریح وغیرہ بھی اس دور کے نامور فقیہ تھے۔ جن سے فقہ کا سلسلہ پھیلا۔ ان میں سے بعض نے فقہ پر کتابیں بھی لکھیں، چنانچہ عروہ بن زبیر نے کئی کتابیں لکھی تھیں۔ پھر احتیاط کی بنا پر جلا ڈالیں۔ جن کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ (ابن سعد ج ۵، ص ۳۳۳ و تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۱۸۳) مکحول نے دو کتابیں کتاب السنن اور کتاب المسائل لکھی تھیں۔ (فہرست ابن ندیم ص ۳۱۸) نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اول الذکر غالباً حدیث میں تھی اور دوسری فقہ میں۔ امام زہری کے فتاویٰ تین ضخیم جلدوں میں جمع کیے گئے تھے۔ (اعلام الموقعین ج ۱، ص ۲۶)

مغازی و سیرت : اسی دور میں تاریخ کا آغاز ہوا اور اس کی ابتداء مغازی اور سیرت سے ہوئی۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ انہی دونوں سے عبارت ہے۔ صحابہ ؓ اور

تابعین دونوں میں ان کے علماء تھے۔ تابعین میں عروہ بن زبیر، شریحیل بن سعد، وہب بن منبہ، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، عاصم بن عمرو بن قتادہ انصاری، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ بن راشد اس فن کے ائمہ تھے۔ کتب مغازی کا ماخذ انہی کی روایات ہیں۔ بعضوں نے ان فنون پر کتابیں بھی لکھیں۔ کشف الظنون کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغازی اور سیرت پر سب سے پہلی کتاب عروہ بن زبیر نے لکھی تھی۔ (کشف الظنون ج ۳، ص ۷۰) لیکن امام سیوطی کے بیان کے مطابق اس فن پر پہلی تصنیف امام زہری کی ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جس نے اس فن کو سب سے زیادہ ترقی دی۔ وہ محمد بن اسحاق ہیں۔ انہوں نے اگرچہ بنی عباس کے ابتدائی دور ۱۵۱ھ میں وفات پائی، لیکن ان کا نشوونما اموی دور میں ہوا۔ خطیب کا بیان ہے کہ انہوں نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ پھر اس پر کوئی اضافہ نہ کر سکا۔ انہوں نے سلاطین اور امراء کی توجہ لایعنی قصوں اور حکایتوں سے ہٹا کر تاریخ کی جانب پھیر دی۔ اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحاق کی کوئی اور فضیلت نہ ہوتی کہ انہوں نے سلاطین کا مذاق بدل دیا اور ان کی توجہ بے نتیجہ کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ ﷺ کے مغازی اور آپ ﷺ کی سیرت اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب پھیر دی، تو تنہا یہی کارنامہ اور اولیت کا یہ فخر ان کی فضیلت کے لیے کافی تھا۔ ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں، لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا۔ (تاریخ خطیب ج ۱، ص ۲۱۹)

انہوں نے تاریخ و سیرت اور مغازی پر کتاب السیرۃ والمبتداء والمغازی اور کتاب الخلفاء لکھیں۔ (فہرست ابن ندیم ص ۱۳۶) لیکن یہ سب کتابیں ناپید ہو گئیں۔ البتہ سیرت میں ابن ہشام کی سیرت کی شکل میں جو زیادہ تر ابن اسحاق ہی کی روایات پر مشتمل ہے۔ اب تک موجود ہے اور چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور سیرت کا نہایت معتبر اور قدیم ماخذ ہے۔ اسی دور کے ایک اور عالم معمر بن راشد المتوفی ۱۵۳ھ نے کتاب المغازی لکھی۔ (فہرست ابن ندیم ص ۱۳۸) وہب بن منبہ المتوفی ۱۱۰ھ

نے جو مغازی اور سیرت کے ساتھ عرب کی تاریخ کے بھی عالم تھے۔ سلاطین حمیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی۔ (شذرات الذہب ج ۱، ص ۱۵۶) امیر معاویہ ؓ کو تاریخ سے خاص ذوق تھا۔ وہ روزانہ عرب کی لڑائیوں، ان کی قدیم تاریخ۔ سلاطین عجم کے حالات اور ان کے طرز حکمرانی، ان کی لڑائیوں، رعایا کے ساتھ ان کی سیاست اور مختلف قدیم اقوام کے عروج و زوال کے حالات سنا کرتے تھے۔ (مروج الذہب ج ۲، ص ۴۲۵) اور اس زمانہ کے ایک مشہور یمنی عالم عبید بن شربہ نے جو ان کو سلاطین عرب و عجم کے حالات، زبانوں کی پیدائش اور مختلف ملکوں میں آبادی کی تاریخ سنایا کرتے تھے۔ ان کے حکم سے کتاب الامثال اور کتاب الملوک و اخبار الماضین تالیف کیں۔ (بر حاشیہ نفخ الطیب) اسی دور کے ایک اور مورخ عوانہ بن حکم کلبی المتوفی ۱۴۷ھ نے کتاب التاریخ اور سیرت معاویہ ؓ لکھی۔ (بر حاشیہ نفخ الطیب ص ۱۴۷) ہشام کو علوم و فنون سے دلچسپی تھی۔ اس نے فارسی کی ایک اہم کتاب جو ایرانیوں کے مختلف علوم، ان کے فرمانرواؤں کے حالات و سیاسی واقعات پر مشتمل تھی ترجمہ کرایا تھا۔ یہ کتاب مصور تھی اور مسعودی کی نظر سے گزری تھی۔ تنبیہ الاشراف میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۱۰۶) اسی دور میں ایک اور مشہور شیعہ عالم ابو مخنف المتوفی ۱۵۷ھ تاریخ کے بڑے حافظ تھے اور انہوں نے تاریخ کی بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان کی روایتیں طبری نے بھی تاریخ میں نقل کی ہیں، لیکن ان کی بیشتر تصانیف ابتدائی عباسی دور کی ہیں۔

انسساب : جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ انسب عربوں کا پرانا علم تھا جو ہر زمانہ میں قائم رہا اور چونکہ بنی امیہ کو عربیت کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا اور ان کی حکومت کے استحکام میں قبائلی عصبیت کو بڑا دخل تھا۔ اس لیے انہوں نے انسب کی جانب خاص توجہ دی۔ ان کے دور میں تین بڑے انسب تھے۔ ابن سیرین، سعید بن مسیب اور محمد بن صائب کلبی، خصوصاً کلبی کا علم نہایت وسیع تھا اور آئندہ علم الانساب نے جو ترقی کی

اس کا بڑا ماخذ انہی کی روایات تھیں۔

لسغت : اگرچہ فن لغت کی بنیاد خلفائے راشدین ہی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی، لیکن اس کی علمی تدوین اموی دور میں شروع ہوئی اور اس کا آغاز کلام مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں ہوا۔ اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کلام مجید کے الفاظ کی تحقیق میں کلام عرب کی طرف رجوع کیا جاتا تھا اور حضرت عمر ؓ نے معلمین قرآن کے لیے عالم لغت ہونا ضروری قرار دیا تھا۔ اس لیے تابعین نے بھی اس کو بڑی اہمیت دی۔ مجاہد کا قول ہے کہ لغات عرب کے علم کے بغیر مسلمان کے لیے کتاب اللہ کے بارے میں گفتگو کرنا جائز نہیں ہے۔ (اتقان سیوطی) امام مالک فرماتے تھے کہ جو غیر عالم لغت، کتاب اللہ کی تفسیر کرتا ہے اس کو اللہ اس کے لیے وبال جان بنا دیتا ہے۔ (اتقان سیوطی) اس لیے مفسرین قرآن کی توجہ ابتداء سے لغات کی جانب رہی۔ اس کے علاوہ خود اموی خلفاء کو عربی زبان کی تحقیق سے خاص ذوق تھا اور ان کے دربار میں لغوی مباحثے ہوا کرتے تھے۔ عبدالملک کو عربی زبان کی ترقی و اشاعت سے خاص دلچسپی تھی۔ اس نے عربی کو دفتری زبان بنایا تھا۔ اس لیے وہ ادیبوں سے ادبی مباحثے کرتا تھا اور ان میں خود شریک ہوتا تھا۔ اس کے واقعات ادب و محاضرات کی کتابوں میں ہیں۔ اس لیے اس زمانہ میں عربی زبان کی تحصیل و تحقیق کا عام مذاق پیدا ہو گیا تھا اور زبان و لغت کے جوشائقین عربی میں کمال حاصل کرنا چاہتے تھے وہ اس کی تحصیل و تحقیق کے لیے عرب کی بادیہ پیمانی کرتے تھے۔ اس دور کے دو بڑے امام لغت تھے۔ قتادہ بن و عامہ سدوسی المتوفی ۱۷۱ھ اور ابو عمرو بن العلاء المتوفی ۱۵۴ھ ابو عمرو نے زبان و لغت کی تحصیل کے لیے برسوں صحرائے عرب کی خاک چھانی تھی اور اس کے متعلق بڑا تحریری ذخیرہ فراہم کیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن خلکان تذکرہ ابو عمرو بن العلاء و معجم الادباء ج ۴ ص ۲۱۷) گویہ ذخیرہ کتابی شکل میں موجود نہیں، لیکن وہ عباسی عہد کی تدوین لغت میں کام آیا۔ اشعار و انساب و لغت عرب، تینوں میں قتادہ کا علم نہایت وسیع تھا۔ اموی خلفاء ان فنون کی تحقیق

نظام تعلیم : اسلام کی تاریخ میں اگرچہ موجودہ اصطلاحی معنوں میں ایک عرصہ تک مدارس نہیں تھے، اور اس کی ابتداء سلجوقیوں کے دور میں ہوئی، لیکن ابتدائی مکاتب اور حلقہ ہائے درس شروع ہی میں قائم ہو گئے تھے۔ مکاتب میں معلمین، بچوں کو ابتدائی تعلیم دیتے تھے۔ جن کا تذکرہ جابجا تراجم کی کتابوں میں ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک خادمہ علقمہ ایک مکتب میں عربی زبان کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے اپنے دور میں قرآن کے مکاتب قائم کیے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ ابن خلکان نے ابو مسلم خراسانی کے حالات میں لکھا ہے کہ جب وہ سن شعور کو پہنچا تو مکتب میں داخل کر دیا گیا۔ (ابن خلکان ترجمہ ابو مسلم خراسانی)

اس زمانہ میں مدارس کے بجائے علماء کے بڑے بڑے حلقہ ہائے درس تھے۔ دنیائے اسلام کے جن جن حصوں میں اصحاب علم صحابہ ؓ و تابعین موجود تھے۔ وہاں ان کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا۔ جس میں ہر فن کی تعلیم ہوتی تھی۔ ابو صالح تابعی کا بیان ہے کہ اگر سارا قریش ابن عباس ؓ کے حلقہ درس پر فخر کرے تو بجا ہے۔ اس میں اتنا اثر دام ہوتا تھا کہ آمد و رفت مشکل ہو جاتی تھی اور اس میں قرآن و حدیث، حلال و حرام، فقہ و فرائض، عربی زبان، شاعری اور ادب و انشاء جملہ علوم کی تعلیم ہوتی تھی اور ان سے متعلق جملہ سوالات کے جوابات دیئے جاتے تھے۔ مستدرک حاکم میں اس کی بڑی تفصیل ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو مستدرک حاکم ج ۳۔ ص ۵۸۳) اور یہ درس و افاضہ کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ ہر صحابی، تابعی کے علم و استعداد کے بقدر اس کے حلقہ درس بھی تھے، اور تمام بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان کا فیض جاری تھا۔ جس میں اس دور کے تمام علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ مدینۃ العلم مدینہ طیبہ میں کئی حلقہ درس تھے۔ ان میں ربیعہ رائی کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا۔ اس میں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا اور مدینہ کے علماء اور عمائد و اشراف سب اس میں شریک ہوتے تھے۔ (تاریخ خطیب

ج-۸ ترجمہ تہذیب التہذیب ج-۳، ص-۳۵۶) امام مالک اور امام اوزاعی، یحییٰ بن سعید انصاری اور شعبہ وغیرہ جیسے علماء اسی حلقہ درس کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت عمر کے غلام اسلم کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ ایک وقت میں چالیس چالیس فقہاء اس میں شریک ہوتے تھے۔ (تاریخ خطیب ج-۸ ترجمہ تہذیب التہذیب ج-۳، ص-۳۵۶) ان میں امام زین العابدین ؑ جیسے بزرگ بھی تھے۔ ایک مرتبہ نافع بن جبیر نے ان پر اعتراض کیا۔ آپ اپنی خاندانی مجلس چھوڑ کر ابن خطاب کے غلام کے حلقہ درس میں شریک ہوتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔۔۔ انسان وہیں جاتا ہے جہاں اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ (تہذیب الاسماء جلد اول ق-۲، ص-۲۳۳) اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم کا کوئی مستقل حلقہ بھی تھا۔

عبداللہ بن ذکوان کا حلقہ درس اپنی شان و شوکت میں بادشاہوں کے درباروں کو شرماتا تھا۔ اس میں مختلف قسم کے علوم و فنون کے سینکڑوں طلبہ شریک ہوتے تھے۔ عبد بن ربیع کا بیان ہے کہ میں نے ابوالزناد کو اس شان سے مسجد نبوی میں دیکھا ہے کہ ان کے ساتھ اتنا جھوم تھا کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں۔ اس میں فرائض، حساب و شعر، حدیث اور مختلف علوم و مشکل مسائل کے طلبہ اور سائلین ہوتے تھے۔ (مذکرۃ الہفاظ ج-۱، ص-۴) لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابوالزناد کے پیچھے بیک وقت مختلف علوم کے تین تین سو طالب علم ہوتے تھے۔ (مذکرۃ الہفاظ ج-۱، ص-۱۴۹)

محمد بن عجلان کا حلقہ درس مسجد نبوی میں تھا۔ جس میں بڑے بڑے تابعین شریک ہوتے تھے۔ (ابن سعد ج-۵، ص-۱۴۱) قاسم بن محمد ابی بکر کا الگ ایک حلقہ تھا۔ اس میں وہ طلوع آفتاب کے بعد بیٹھتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج-۶، ص-۳۶۰)

حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق، خصوصاً کوفہ تھا۔ یہاں بڑے بڑے علماء اور ان

پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ ان کا علمی شغف و انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جب وہ گھر میں بیٹھتے تھے تو ان کے گرد کتابیں ڈھیر رہتی تھیں اور وہ ان کے مطالعہ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ ان کی بیوی کہا کرتی تھیں کہ ان کتابوں کا جلاپاتین سوتوں سے بڑھ کر ہے۔ (تذکرۃ المخطاط جلد اول، ص۔ ۸۱) بنی امیہ کے شاہی خزانہ الکتاب کا ذکر بھی جا بجا ملتا ہے۔ ہشام بن عبد الملک نے امام زہری سے حدیثوں کا مجموعہ مرتب کرایا تھا۔ اس کو اپنے خزانہ الکتاب میں داخل کر دیا تھا۔ اسی طریقہ سے وہ قراہین جو عمر بن عبد العزیز نے شائع کی تھی۔ ایک روایت کے مطابق مروان کے زمانہ سے خزانہ الکتاب میں محفوظ چلی آتی تھی۔ اس تفصیل سے اموی دور کی علمی و تعلیمی حالت کا اجمالی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ اس دور کی خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اس زمانہ میں تعلیم و علماء دونوں حکومت کے اثر سے آزاد رہے۔ یہی وجہ ہے کہ امویوں کے استبداد کے باوجود علماء کی حق گوئی اور حق پرستی کی جتنی مثالیں ان کے پاس سے ملتی ہیں، اتنی بعد کے کسی زمانہ میں نہیں ملتی اور گو ہر زمانہ میں کم و بیش علمائے حق موجود تھے، جن کی حق پرستی خلفاء و سلاطین کے مقابلہ میں قائم رہی، لیکن بعد کے زمانہ میں جب علم خلفاء کی سرپرستی میں آ گیا تو ان کی تعداد کم ہو گئی، چنانچہ عباسی عہد گو علمائے حق سے خالی نہ تھا، لیکن بہت سے علماء ان کے مصاحب اور ان کی چشم و آبرو کے اشارے کے پابند تھے، اس کے برعکس اموی عہد میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور یہ نتیجہ تھا حکومت کی سرپرستی سے علم کی آزادی کا۔ (ابن خلکان جلد اول، ص۔ ۴۵۱)

----- اختتام ----- حصہ دوم -----